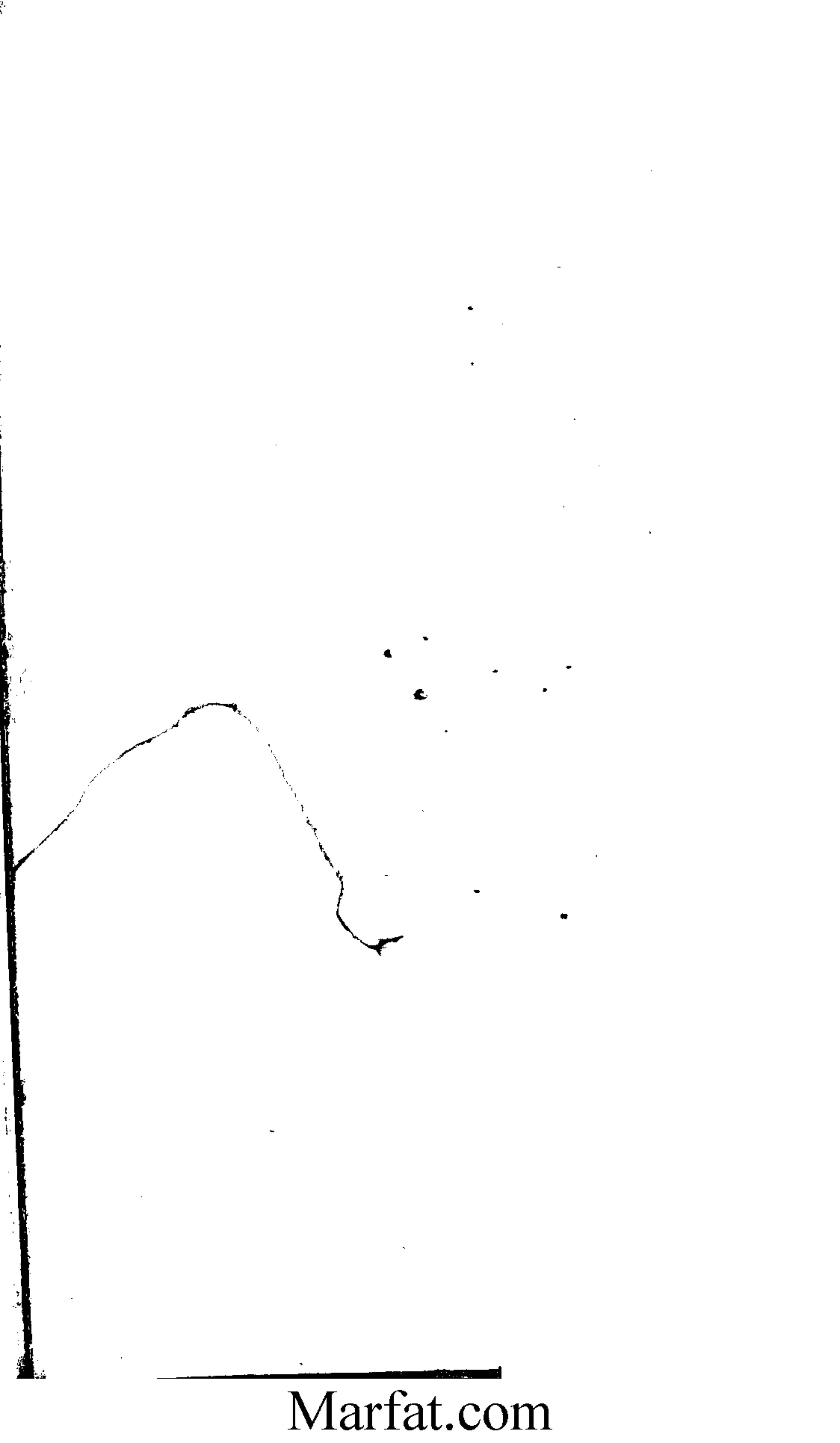


دینِ رحمت

از

شاه معین الدین احمد ندوی

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی



وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ (البینۃ)

دینِ رحمت

اس میں تفصیل کے ساتھ یہ دکھایا گیا ہے کہ اسلام بلا تفریق مذہب و ملت
اور دوست و دشمن سارے انسانی طبقوں بلکہ پوری کائنات کے لیے
سراسر عدل و رحمت ہے۔

(از)

شاہ معین الدین احمد ندوی

دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یو۔ پی (الہند)

جملہ حقوق بحق دارالمصنفین محفوظ

سلسلہ دارالمصنفین : ۹۷

نام کتاب	:	دین رحمت
مصنف	:	شاہ معین الدین احمد ندوی
صفحات	:	۳۰۲
طبع جدید	:	۲۰۰۹ء
ناشر	:	دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (یو۔ پی)
مطبع	:	معارف پریس شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ (یو۔ پی)
قیمت	:	Rs. 150/-

ISBN: 978-93-80104-17-1

باہتمام

عبدالمنان ہلالی

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۵	انسانی عظمت و شرف	۹	دیباچہ
۲۸	انسانی مساوات		پہلا باب
۳۰	مساوات کا عملی سبق		اسلام کی بعض امتیازی خصوصیات
	خدا اور بندہ کے درمیان کسی وسیلہ		۱-۱۷
۳۴	کی حاجت نہیں	۲	قدیم مذاہب
۳۶	ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے	۸	اسلام کی عالمگیریت
۳۸	ایک مغالطہ کا ازالہ	۹	اسلام کی بے پایاں رحمت
	تیسرا باب	۱۱	مغفرت الہی
	دین و دنیا کی جامعیت	۱۳	رسول کی شان رحمت
	۴۰-۵۹	۱۵	حقوق العباد میں عفو نہیں ہے
۴۱	نرمی و سہولت	۱۶	بندہ کی توبہ سے اللہ تعالیٰ کی خوشی
۴۳	عبادت میں غلو اور تشدد کی ممانعت	۱۶	گناہ کے اثرات و نتائج
۴۸	نکاح، زہد کے خلاف نہیں ہے		دوسرا باب
۴۸	اسلام میں نکاح کے لیے تاکید		توحید اور اس کے اثرات و نتائج
۴۹	ترک لذات کی ممانعت		۱۸-۳۹
۵۱	کسب دنیا کا حکم		اسلام کی سب سے بڑی رحمت
۵۴	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۱۹	عقیدہ توحید ہے
۵۶	عبادت کے معنی میں وسعت	۱۹	اسلام کا تصور توحید اور اس کے نتائج
۵۸	ایک استثناء	۲۴	پیغمبروں کی حیثیت اور ان کا صحیح مقام

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	چوتھا باب حقوق العباد ۷۹-۶۰		چوتھا باب حقوق العباد ۷۹-۶۰
۱۰۱	بیوی کے حقوق	۶۰	اخلاق
	دوسرے اقوام و مذاہب میں عورتوں	۶۱	عدل و انصاف کا قیام
۱۰۱	کی حیثیت اور ان کے حقوق	۶۳	دشمنوں کے معاملہ میں عدل
۱۰۵	اسلام میں عورتوں کے حقوق	۶۴	عفو و درگزر
۱۰۵	ازدواجی زندگی کی اہمیت	۶۹	احسان و سلوک
۱۰۷	بیوی کی حیثیت اور اس کا درجہ	۷۰	رحم
۱۰۹	بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم	۷۳	نرمی اور لطف و مدارات
۱۱۰	مختلف کی صورت میں صلح کی کوشش	۷۷	ظلم کی مذمت
۱۱۰	طلاق اور عدت کے احکام		
۱۱۳	مہر کی ادائیگی		پانچواں باب
۱۱۴	مطلقہ کو عقد ثانی سے روکنے کی ممانعت		عزیزوں اور رشتہ داروں کے حقوق
۱۱۵	عورتوں کو خلع کا حق		۸۰-۱۰۰
	نکاح میں عورتوں کی پسند اور	۸۱	صلہ رحم کی اہمیت اور اسکی تاکید
۱۱۶	رضا مندی ضروری ہے	۸۳	والدین کے حقوق
۱۱۷	جبریہ شادی میں فسخ نکاح کا حق	۹۰	اولاد کے حقوق والدین پر
۱۱۸	وراشت میں عورتوں کا حصہ	۹۳	لڑکیوں کے قتل کی حرمت
	باعصمت عورتوں کی	۹۵	لڑکیوں کی پرورش کی فضیلت
۱۱۸	عزت و ناموس کا تحفظ	۹۷	اولاد کے بارے میں مختلف احکام

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	آٹھواں باب غلامی اور غلاموں کے حقوق ۱۶۰-۱۴۵	۱۱۹	رسول اللہ کی نگاہ میں عورتوں کی منزلت ازواجِ مطہرات کے ساتھ
۱۴۵	اسلام سے پہلے غلاموں کی حالت	۱۲۱	آپ کا حسن معاشرت
۱۴۶	اسلام میں غلامی کی اصلاح	۱۲۵	بیواؤں کی شادی کا حکم
۱۴۶	آزاد کو غلام بنانے کی ممانعت	۱۲۶	بیواؤں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم
۱۴۷	غلاموں کی آزادی پر اجر و ثواب		ساتواں باب یتیموں اور مسکینوں کے حقوق ۱۴۴-۱۲۸
۱۴۹	صحابہ کرام اور غلاموں کی آزادی خطا اور گناہ کے کفارہ میں	۱۲۸	یتیموں کے حقوق اور ان کے متعلق احکام
۱۴۹	غلاموں کی آزادی	۱۲۹	مساکین کی امداد و دستگیری
۱۵۱	مکاتبت	۱۳۰	یتیموں کے مال کی حفاظت و نگرانی
۱۵۳	غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید	۱۳۲	یتیم لڑکیوں کی شادی کے احکام
	آقا جو خود کھائے پہنے وہی غلاموں کو		احادیث میں یتیموں کی امداد
۱۵۳	کھلائے پہنائے		ودستگیری کے فضائل
۱۵۵	غلاموں کو مارنے کی ممانعت	۱۳۳	صحابہ کا سلوک یتیموں کے ساتھ
۱۵۵	غلاموں کو مارنے کا کفارہ آزادی ہے	۱۳۴	مال غنیمت میں یتیموں کا حصہ
۱۵۶	غلاموں کی غلطیوں سے درگزر کا حکم	۱۳۵	یتیم خانے
۱۵۷	لوٹڈی غلاموں کی شادی کی ذمہ داری		فقرا و مساکین اور مقروض مسافروں
۱۵۷	لوٹڈیوں کی پرورش و پرداخت کا اجر	۱۳۶	کے حقوق اور ان کی امداد
	آنحضرتؐ کے محبوب غلام زیدؓ اور	۱۳۳	عام اہل حاجت کی امداد
۱۵۸	ان کے لڑکے اسامہؓ		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	گیارہواں باب عام انسانوں کے حقوق ۱۸۲-۲۰۴	۱۵۹	عام خدام کے ساتھ آپ کا حسن سلوک
		۱۶۰	تاریخ اسلام میں غلاموں کا مرتبہ
۱۸۲	عام انسانی برادری کا حق دوسرے مذاہب کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر		نواں باب پڑوسیوں اور مہمانوں کے حقوق ۱۶۱-۱۶۹
۱۸۵	دین میں جبر نہیں		پڑوسیوں کے حقوق اور ان کے متعلق ذمہ داریاں
۱۸۸	اہل کتاب کے ساتھ رواداری	۱۶۱	مہمان اور میزبان کے حقوق و فرائض
۱۸۹	اسلام کے دشمن مشرکین عرب کے ساتھ عدل و رواداری	۱۶۵	دسواں باب مسلمانوں کے باہمی حقوق ۱۷۰-۱۸۱
۱۹۲	برسر جنگ مشرکین کے ساتھ مصالحت کا حکم		اسلامی وحدت و اخوت مسلمانوں کے جان کی حرمت ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے حقوق و فرائض
۱۹۳	حالت جنگ کے احکام	۱۷۰	مشکلات و مصائب کے وقت ایک دوسرے کی اعانت و دستگیری
۱۹۶	دشمنان اسلام کے ساتھ رسول اللہ کا سلوک	۱۷۴	اختلاف اور پھوٹ کے اسباب سے بچنے کی تاکید
۱۹۸	بارہواں باب غیر مسلم رعایا (ذمیوں) کے حقوق ۲۰۵-۲۳۵	۱۷۷	
۲۰۵	غیر مسلم رعایا کے حقوق کی پہلی دستاویز	۱۷۸	
۲۰۸	بیت المقدس کا معاہدہ	۱۷۸	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۸	یونانی علوم کا ترجمہ	۲۱۱	معاهدوں کی پابندی کے تاکیدی احکام
۲۳۸	فلسفہ و ادب کی کتابوں کا ترجمہ	۲۱۲	ذمیوں کی جان کی حفاظت
	طب اور اس کے متعلقات کی	۲۱۳	مال کی حفاظت
۲۳۹	کتابوں کا ترجمہ	۲۲۱	مذہبی حقوق کا تحفظ
	ریاضیات و نجوم و غیرہ مختلف علوم	۲۲۷	نظام حکومت میں غیر مسلموں کا حصہ
۲۵۰	کی کتابوں کا ترجمہ	۲۳۱	غیر مسلم اطباء کا عروج و اقتدار
	مختلف علوم اور مختلف حکما کی	۲۳۲	چند اصولی باتیں
۲۵۰	کتابوں کا ترجمہ		تیرہواں باب
۲۵۱	فارسی کتابوں کا ترجمہ		حوانوں کے حقوق
۲۵۱	ہندوستانی علوم کی کتابوں کا ترجمہ		۲۳۳-۲۳۶
۲۵۱	ہندو مترجم		چودہواں باب
۲۵۲	طب		مسلمانوں کے علمی احسانات
۲۵۲	نجوم و ہیئت		قدیم علوم کا تحفظ اور ان کی ترقی
۲۵۳	ادب اور اس کے متعلقات		۲۶۸-۲۶۴
۲۵۳	مختلف علوم و فنون	۲۳۵	اموی عہد میں تراجم کا آغاز
۲۵۴	کلدانی و نبطی کتابوں کا ترجمہ	۲۳۵	عباسی دور میں اس کی ترقی
۲۵۴	عبرانی اور لاطینی کتابوں کے تراجم	۲۳۶	منصور اور ہارون کا زمانہ
۲۵۵	بنی امیہ اندلس		ہارون کے عہد میں برا مکہ کے علمی کارنامے
	حکم مستنصر باللہ کی علم نوازی اور اس کا	۲۳۷	مامون کے علمی کارنامے
۲۵۶	بے مثل کتب خانہ	۲۳۷	غیر مسلم مترجمین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۸۲	مشرق و مغرب پر عربوں کے علمی و تمدنی اثرات	۲۵۶	فاطمیہ مصر
۲۸۹	خاتمہ	۲۵۷	عزیز باللہ کی علم دوستی اور اس کا نادر کتب خانہ
۲۹۱	حرفے چند با امت عربیہ	۲۵۸	حکم کا علمی ذوق
		۲۵۸	مدارس کا آغاز اور اس کی تاریخ
		۲۵۹	مدرسہ نظامیہ نیشاپور
		۲۵۹	مدرسہ نظامیہ بغداد
		۲۶۱	دارالعلوم مستنصریہ
		۲۶۲	دارالحدیث دمشق
		۲۶۲	بعض دوسرے مدارس
			پندرہواں باب
			مسلمانوں کے علمی کارنے اور مختلف علوم و فنون میں ان کے ایجادات و اکتشافات
			۲۶۹-۲۹۲
		۲۷۰	لیبان کا بیان
		۲۷۲	ڈریپر کا بیان
		۲۷۵	جوئیہ کا بیان
		۲۷۷	سینوبوس کی شہادت
		۲۸۰	ریسن کی شہادت
		۲۸۱	موسیو تانان کا اعتراف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

عالم انسانیت نے جب سے شعور کی آنکھیں کھولیں اللہ تعالیٰ نے اس کی ہدایت و رہنمائی کے لیے وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتا رہا، اس سلسلہ کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آخری دین اسلام ہے، وہ کوئی نیا مذہب نہیں بلکہ گذشتہ الہامی مذاہب کا جو امتداد زمانہ سے خود اپنے ماننے والوں کے ہاتھوں مسخ ہو چکے تھے، مصلح اور ان کی آخری مکمل شکل ہے، اللہ تعالیٰ نے خود اس کی تکمیل پر مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ
الْإِسْلَامَ دِينًا (آل عمران-۱)

آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل
کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور
تمہارے لیے دین اسلام پسند کیا۔

اسلام سے پہلے جس قدر بھی الہامی مذاہب دنیا میں آئے وہ خاص خاص قوموں اور قبائل کے لیے تھے اور ان کی تعلیمات بھی اس دور کے انسانی عقل و شعور اور اس کی ضروریات کے مطابق محدود تھیں، دنیاوی امور و معاملات سے ان کو بہت کم تعلق تھا، لیکن اسلام انسانی عقل و شعور کے دور بلوغ کا آخری مذہب ہے اور اس کی دائمی رہنمائی کے لیے آیا ہے، اس لیے وہ سب مذاہب سے زیادہ عالمگیر بھی ہے اور جامع و مکمل بھی، اس کا مخاطب سارا عالم انسانیت ہے، اس کے دائرے سے انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی پہلو بھی باہر نہیں ہے، وہ اس کی جملہ دنیوی و اخروی اور مادی و روحانی ضروریات کا کفیل اور مکمل ضابطہ حیات ہے، اس میں دین و دنیا اور جسم و روح کی تفریق نہیں بلکہ دنیا میں احکام الہی

کے مطابق زندگی بسر کرنے ہی کا نام اسلام ہے، اس میں اتنی وسعت ہے کہ وہ ہر دور کی صالح انسانی ترقی کا ساتھ دے سکتا بلکہ اس میں اس کی رہنمائی کر سکتا ہے، مذہب کے اس تصور نے مذہبی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا جس سے ساری دنیا متاثر ہوئی، اس کتاب میں اسلام کی اسی جامعیت اور تمام انسانی طبقات اور عالم انسانیت پر اس کے احسانات اور اس کی رحمتوں اور برکتوں کو دکھایا گیا ہے۔

مذہب اسلام اور اسلامی تاریخ پر غیر مصنفین تعصب یا ناواقفیت کی بنا پر جو اعتراضات کرتے ہیں دارالمصنفین نے اپنی تصانیف میں ہمیشہ ان کو پیش نظر رکھا، اس کتاب میں خاص طور سے اس کا لحاظ رکھا گیا ہے اور دارالمصنفین کی مختلف کتابوں میں اس کے متعلق جو منتشر مواد ہے اس کے بعض حصے جو اس کتاب کے مباحث سے تعلق رکھتے ہیں ان کو اختصار کے ساتھ نقل کر دیا گیا ہے اور اس میں ضرورت کے مطابق ترمیم و اضافہ بھی کیا گیا ہے، جس مقصد کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کے لیے مفید بنائے۔

دارالمصنفین کی طلائی جوہلی کے موقع پر حکومت ہند نے جو عطیہ دیا تھا، یہ کتاب اسی کے صرف سے شائع کی گئی ہے اس کے لیے ادارہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نائب صدر جمہوریہ ہند کا شکر گزار ہے۔

فقیر معین الدین احمد ندوی

۱۵ مارچ ۱۹۶۷ء
دارالمصنفین اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب

اسلام کی بعض امتیازی خصوصیات

ابتداءے آفرینش سے اللہ تعالیٰ نے جس قدر پیغمبر مبعوث فرمائے اور ان کے ذریعہ جس قدر مذاہب بھیجے، ان سب کا مقصد مغفرت الہی، انسانوں کا اخلاقی و روحانی تزکیہ و تطہیر اور ان کی دنیاوی و اخروی فلاح و سعادت تھی، جس لئے بغیر دنیا کا نظام بھی قائم نہیں رہ سکتا تھا، اس لیے یہ سب مذاہب انسانوں کے لیے رحمت تھے، لیکن انسانیت کے ابتدائی دور میں ان کا کوئی عالمگیر تصور نہ تھا، خدا کی مخلوق جغرافی، نسلی اور قبائلی حد بندیوں میں بٹی ہوئی تھی، جن کے دیوی دیوتا جدا جدا تھے، بلکہ ایک ہی قوم اور قبیلہ کی مختلف ضرورتوں کے لیے مختلف دیوتا تھے، ان میں کسی مشترک رب العالمین کا عقیدہ نہ تھا، اس لیے اس زمانہ میں جو پیغمبر مبعوث ہوئے اور جو مذاہب آئے، وہ خاص خاص قوموں کی اصلاح اور ہدایت و رہنمائی کے لیے تھے، ان کی تعلیمات اس زمانہ کے انسانوں کی عقل و شعور اور ضروریات زندگی کے مطابق سادہ اور محدود اور محض موٹی موٹی اخلاقی باتوں پر مشتمل تھیں، اس لیے ان کی رحمت بھی محدود تھی، پھر جس قدر زمانہ گزرتا گیا انسانوں کی عقل و فہم ترقی کرتی گئی اور زندگی کی ضروریات میں وسعت اور مسائل حیات میں پیچیدگی پیدا ہوتی گئی، اسی نسبت سے اس دور کے مذاہب کی تعلیمات میں بھی وسعت اور گہرائی آتی گئی،

اسلام انسانوں کے عقلی بلوغ اور تمدنی ترقی کے دور کا مذہب ہے، اس لیے اس کی تعلیمات میں جو وسعت اور جامعیت ہے اس سے تمام گذشتہ مذاہب خالی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا کا آخری اور مکمل مذہب قرار دیا اور اس پر اپنی نعمت تمام کر دی۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَبِّتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا (آل عمران-۱)

آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام پسند کیا۔

اور اس کے پیغمبر ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (احزاب-۵)

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں تھے لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین تھے۔

اس لیے اسلام ابد تک کے لیے سلمیٰ کائنات کے لیے جملہ اخلاقی، روحانی، دنیاوی اور مادی ضروریات کا جامع ضابطہ حیات ہے اور انسانوں سے لے کر حیوانات اور نباتات تک کوئی مخلوق بھی اس کے فیضان رحمت سے محروم نہیں، اس کتاب کا مقصد اس رحمت عام کی تفصیل پیش کرنا ہے۔

قدیم مذاہب: اسلام سے پہلے تمام مذاہب قومی تھے یعنی ایک قوم کے ساتھ مخصوص تھے، کسی دوسرے کو اس میں شامل ہونے کی اجازت نہیں تھی، ظہور اسلام کے وقت چار بڑے مذاہب تھے، یہودیت، عیسائیت، ہندو ازم اور بدھ مت، لیکن یہ اپنے ماننے والوں کے ہاتھوں اتنے مسخ ہو چکے تھے کہ خود اپنی قوم کی رہنمائی سے قاصر تھے، دوسروں کی ہدایت و رہنمائی کیا کر سکتے۔

یہودی مذہب بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھا، توریت میں ہے کہ ”موسیٰ نے ہم کو ایک شریعت دی جو بنی اسرائیل کی میراث ہو“ (استثناء: ۳۳-۴) اس کا خاص مقصد بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے چھڑانا تھا، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (خروج ۳ درس

(۱۲:۷) ایک دوسری آیت میں ہے ”بنی اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے“ (خروج ۴-۲۲) قرآن مجید میں بھی ہے کہ اس کا دعویٰ تھا کہ وہی خدا کی چاہتی اولاد ہیں۔

نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ (مائدہ-۳) ہم خدا کے فرزند اور اس کے چہیتے ہیں
لیکن عملاً وہ خدا کے سب سے بڑے باغی تھے، تہر داور سرکشی ان کی فطرت میں
تھی، اپنے پیغمبروں تک کو قتل کر دیتے، توریت، انجیل اور قرآن مجید ان کی بد اعمالیوں کے
ذکر سے معمور ہیں۔

زبور میں ہے۔

”کتنی بار انھوں (بنی اسرائیل) نے بیابان میں خدا سے
بغاوت کی اور ویرانے میں اسے بیزار کیا..... اور اس کی شہادتوں کو حفظ نہ
کیا بلکہ برگشتہ ہوئے اور اپنے باپ دادوں کے مانند بے وفائی کی اور
نیز ہی کمان کے مانند ایک طرف پھر گئے۔“ (زبور-۱۸)

انجیل متی کا ۳۰ واں باب ان کی مذمت سے بھرا ہوا ہے، اس کا ایک نمونہ یہ ہے:

”اے رعایا کا رفقہو! اور فریسیو! افسوس تم سپیدی پھری
ہوئی قبروں کے مانند ہو جو باہر سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں پر بھیتر
سے مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی ناپاکیوں سے بھری ہوئی ہیں، اس
طرح تم بھی ظاہر میں لوگوں کو راست باز دکھائی دیتے ہو، پر باطن میں
رعایا کا اور شرارت سے بھرے ہوئے ہو..... اے ریاکار رفقہو! اور
فریسیو! تم پر افسوس، کیونکہ نبیوں کی قبر بناتے اور راست بازوں کی
گور سنوارتے ہو اور کہتے ہو کہ اگر ہم اپنے باپ دادوں کے دنوں
میں ہوتے تو نبیوں کے خون میں ان کے شریک نہ ہوتے، اس طرح تم
اپنے اوپر گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو پس اپنے
باپ دادوں کا پیمانہ بھرو، اے سانپو اور سانپو کے بچو! تم جہنم کے

عذاب سے کیوں کر بھاگو گے۔“ (زبور و انجیل متی باب ۲۳)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی اخلاقی حالت کتنی پست ہو چکی تھی، کلام مجید میں سورہ بقرہ اور آل عمران میں ان کی بد اعمالیوں کی پوری تفصیل ہے، ان میں شریفانہ اخلاق کا شائبہ بھی باقی نہ رہ گیا تھا، اس لیے وہ ہمیشہ دوسری قوموں کے تختہ مشق بنے رہے، ان کا قبلہ تک ان کے ہاتھوں سے چھن گیا اور مختلف اوقات میں مختلف قوموں نے اس پر قبضہ کر کے یہودیوں کے مقدس مقامات کو مسمار اور ان کی مذہبی کتابوں کو نیست و نابود اور ان کو غلام بنا کر مختلف ملکوں میں منتشر کر دیا، ان کا کوئی قومی وطن نہ رہ گیا تھا، وہ یورپ، ایشیا اور افریقہ میں صدیوں غلامی کی ذلت آمیز زندگی بسر کرتے رہے، پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد تک ان کی یہی حالت تھی، پھر برطانیہ اور امریکہ کے سہارے ان کو فلسطین میں قدم جما نے کا موقع ملا۔

یہودیوں میں ظاہر پرستی اور تشدد زیادہ تھا لیکن اخلاقی حیثیت سے بالکل تہی مایہ تھے، اخلاق و روحانیت کے فقدان نے ان میں بڑی شقاوت پیدا کر دی تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے تھے، اس لیے عیسائیت میں زیادہ نرمی اور لچک ہے اور عیسائی مذہب میں ظاہر پرستی اور تشدد کے مقابلہ میں روحانیت اور اخلاق پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور اس کی اخلاقی و روحانی تعلیمات زیادہ بلند ہیں، لیکن جہاں تک عیسائی مذہب کی عالمگیریت کا تعلق ہے، اس کا دائرہ بھی یہودی مذہب سے زیادہ وسیع نہیں، گو بعد کے عیسائیوں نے اس کو تبلیغی مذہب بنا دیا، لیکن خود عیسائیت کا مقصد صرف یہودی مذہب اور یہودیوں کی اصلاح تھی، انجیل میں ہے کہ

”میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے علاوہ اور

کسی کے لیے نہیں بھیجا گیا، مناسب نہیں کہ لڑکوں (بنی اسرائیل) کی

روٹی کتوں کے لیے پھینک دوں“ (انجیل متی ۱۵-۱۰)

یہ آیات اس کی شاہد ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا مقصد صرف بنی

اسرائیل کی اصلاح و تجدید تھی بایں ہمہ عیسائی مذہب کی تعلیمات نہایت پاکیزہ اور اخلاق و روحانیت سے معمور ہیں اور ان میں یہودی مذہب کی درشتی اور تنگ نظری کے مقابلے میں زیادہ وسعت، زیادہ نرمی اور انسانی ہمدردی ہے، لیکن ابھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا سے رخصت ہوئے زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ ان کے پیروؤں نے اس کو خرافات کا مجموعہ بنا دیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روحانی شاگرد پال نے تثلیث یعنی باپ، بیٹے، روح القدس کی الوہیت کا مشرکانہ عقیدہ اس میں داخل کیا پھر بعد میں جو جو قومیں عیسائی مذہب کے دائرہ میں داخل ہوئیں انھوں نے اس کے عقیدے کے ساتھ ساتھ اپنے دیوتا بھی اس میں شامل کر لیے اور عیسائیت مختلف اور متضاد عقائد و خیالات کا معجون مرکب بن گئی، رومیوں کے عیسائیت قبول کرنے کے سلسلہ میں ڈریپر لکھتا ہے:

”ان دونوں (عیسائی اور بت پرست رومی) کی کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کے اصول شیر و شکر ہو گئے اور ایک نیا مذہب پیدا ہو گیا جس میں بت پرستی اور عیسائیت دونوں کی شانیں پہلو بہ پہلو جلوہ گر تھیں..... جوں جوں زمانہ گذرتا گیا وہ مذہبی عقائد جن کی تفصیل ٹرنلین نے بیان کی ہے، بدل کر ایک عام پسند مگر پایہ اخلاق سے گرے ہوئے مذہب کی شکل اختیار کرتے گئے، ان عقائد میں قدیم یونانیوں کی اصنام پرستی کا عنصر مخلوط ہو گیا، عقیدہ تثلیث، ایم مصری روایات کے سانچے میں ڈھالا گیا اور مریم عذرا کو خدا کی ماں کا لقب دیا گیا“ (معرکہ مذہب و سائنس ڈریپر ص ۶۲، ۶۵، ۶۶)

عیسائیت کا سب سے عجیب عقیدہ کفارہ کا ہے یعنی سارے انسان پیدایشی طور پر گناہ گار ہیں، مسیح نے سولی پر چڑھ کر ان کا کفارہ ادا کیا، اس عقیدے کو آج کوئی عقل سلیم بھی قبول نہیں کر سکتی۔

ہندو مذہب اگرچہ نہایت قدیم ہے اور اس میں اعلیٰ درجہ کی اخلاقی و روحانی اور

حکیمانہ تعلیمات ہیں اور اس کا ایک فلسفہ بھی ہے لیکن یہ مذہب اتنا پرانا ہو چکا ہے اور اس میں اتنے تصرفات ہو چکے ہیں کہ وہ مجموعہ تضادات بن گیا ہے، اس میں توحید بھی ہے، شرک و بت پرستی بھی ہے اور الحاد و دہریت بھی، اس کے کوئی بنیادی عقاید ہی نہیں ہیں جن کا ماننا ہر ہندو کے لیے ضروری ہو، ایک موحد بھی ہندو ہے، مشرک بھی ہندو ہے اور ملحد و دہریہ بھی ہندو، بس اس کے لیے ہندی الاصل ہونا اور اس کے متضاد مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کا ماننا کافی ہے۔

اس مذہب کی سب سے بڑی خرابی طبقاتی تقسیم ہے، ان میں سے بھی ہر ایک کے حقوق و فرائض متعین ہیں، جن سے وہ باہر قدم نہیں نکال سکتے، منوسمرتی کی رو سے برہمن، چھتری، ویش اور شودر کا جو درجہ اور جو فرائض متعین ہیں ان سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتے، شودروں کی حیثیت غلاموں سے بدتر ہے، ان کا کام صرف اپنے سے اعلیٰ طبقوں کی خدمت ہے، ان کا سایہ بھی اعلیٰ طبقوں کے افراد پر پڑ جانا جرم ہے، ان کو ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کو سننے اور ان کی عبادت گاہوں میں داخلہ تک کی اجازت نہیں، اس کی پوری تفصیل منوسمرتی میں موجود ہے، پھر یہ مذہب قومی ہے یعنی کسی دوسرے مذہب کا پیرو اس میں داخل نہیں ہو سکتا، چنانچہ ایک زمانہ تک ہندوؤں میں دوسرے مذاہب اور دوسری قوموں سے اس قدر چھوت تھی کہ وہ ان کا سایہ بھی اپنے اوپر نہ پڑنے دیتے تھے، ہندوستان سے باہر نکلنا ان کے لیے حرام تھا، ان حالات میں وہ دوسروں کی رہنمائی کیا کر سکتا ہے، گواہ مسلمانوں اور عیسائیوں کی تقلید میں ہندو مذہب کو بھی تبلیغی بنانے کی کوشش جاری ہے، لیکن جب تک وہ اپنے اصولوں کا پابند ہے وہ تبلیغی مذہب نہیں بن سکتا، ہندو دھرم درحقیقت اصطلاحی معنوں میں مذہب نہیں بلکہ صرف ایک معاشرتی نظام اور زندگی بسر کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

بدھ مت کو البتہ تبلیغی مذہب کہا جاسکتا ہے لیکن اس میں مذہب کا بنیادی پتھر یعنی خدا اور آخرت کا تصور ہی سرے سے غائب ہے اور اگر کبھی رہا بھی ہو تو اب اس کی تعلیمات

میں اس کا مطلق پتہ نہیں چلتا بلکہ اب اس میں بھی ہندوؤں کی بت پرستی کے اثر سے بدھ کی پوجا رائج ہو گئی ہے، بدھ ازم درحقیقت برہمنی مذہب کی تنگ نظری اور تشدد کے خلاف ردِ عمل اور اس کی اصلاحی شکل ہے جس کی بنیاد انسانی اخوت و ہمدردی اور ترک دنیا پر ہے، آسمیں ہندوستان کے دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں زیادہ رواداری اور انسان دوستی ہے، لیکن جس مذہب میں خدا اور یومِ آخرت کا تصور نہ ہو وہ مذہب ہی کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور جس کی بنیاد ترک دنیا پر ہو وہ عالم انسانیت کا مذہب نہیں بن سکتا، اس لیے بدھ مت اصطلاحی معنوں میں کوئی مذہب نہیں بلکہ اشراقی حکما کے رہبانہ تصور کی طرح ترک دنیا کے ذریعہ آلام دنیا سے رستگاری اور روحانی طمانیت اور سکون حاصل کرنے کا ایک زاہدانہ اور راہبانہ فلسفہ زندگی ہے۔

ایرانیوں نے بڑی شان و شوکت حاصل کی اور تمدنی حیثیت سے دنیا کی قوموں میں ان کا درجہ بہت بلند تھا، لیکن ان کا قدیم مذہب ستارہ پرستی تھا، زردشت نے سب سے پہلے مذہب و اخلاق کی آگ روشن کی اور خیر و شریا نور و ظلمت کے دو خدا یزداں اور اہرمن قرار دیے اور آگ کو اس کا مظہر بنایا جو مجوسی مذہب کہلایا، پھر مانی نے مسیحیت اور مجوسیت کی آمیزش سے ایک نیا مذہب ایجاد کیا، اس کی بنیاد بھی رہبانیت پر تھی، اس کی اصل تعلیم یہ تھی کہ ترک دنیا سے دنیا کو اور ترک ازدواج سے انسانی نسل کو منقطع کر دیا جائے، اس کے بغیر بدی کا خاتمہ نہیں ہو سکتا (۱) اس لیے یہ مذہب بھی عالم انسانیت کا مذہب نہیں ہو سکتا تھا۔

پھر یہ مذاہب بھی اپنی اصل شکل میں نہ رہ گئے تھے اور ان میں طرح طرح کے باطل خیالات و فاسد اعمال شامل ہو گئے تھے اور ان کے ماننے والوں کی اخلاقی حالت اتنی پست ہو چکی تھی کہ ان میں محرمات کا بھی امتیاز نہ رہ گیا تھا، باپ کا بیٹی سے اور بھائی کا بہن سے شادی کر لینا معلوماتِ زندگی میں ہو گیا تھا، ان میں انسانی مساوات کا کوئی تصور نہ تھا، ہر ادنیٰ اپنے سے اعلیٰ کا غلام تھا، بادشاہوں اور امیروں کو خدائی کا درجہ حاصل تھا، رعایا ان کے سامنے

(۱) تاریخ غرر اخبار الفرس ثعالبی

سجدہ کرتی اور اس کی ثنا و صفت کے گیت گاتی تھی۔ (تاریخ غرر اخبار الفرس ثعالبی ص ۵۰۲) سب سے پہلے مزوک نے انسانی مساوات کا تصور پیش کیا مگر اس شکل میں کہ دولت اور عورت کو تمام انسانوں کی مشترک ملک قرار دیا، اس لیے ہوس رانوں میں یہ مذہب بہت مقبول ہوا، شاہی سرپرستی بھی اس کو حاصل ہو گئی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری قوم ہوس رانی اور سرمستی میں غرق ہو گئی اور چند ہی برسوں کے اندر بے سرو سامان عربوں نے کیانی شان و شوکت کے پرزے اڑا دیئے۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ ظہور اسلام سے پہلے کے تمام مذاہب میں رہنمائی کی صلاحیت باقی نہ رہ گئی تھی، وہ خود اپنے ماننے والوں کے لیے زحمت بن گئے تھے تو دوسرے کے لیے کس طرح رحمت بن سکتے تھے۔

اسلام کی عالمگیریت: عین ان حالات میں اسلام دین رحمت بن کر ظاہر ہوا اور اپنی رحمت کی بارش سے انسانیت کی سوکھی ہوئی کھیتی ہری کر دی، اس کتاب کا مقصد مذہب اسلام کی تفصیل پیش کرنا نہیں بلکہ صرف اس کی رحمت کے بعض نمایاں پہلوؤں کو دکھانا ہے، جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ اسلام سے پہلے کے سارے مذاہب قومی تھے یعنی کسی خاص قوم کی اصلاح اور ہدایت کے لیے آئے تھے ان میں عالمگیریت نہ تھی، اسلام پہلا مذہب ہے جو سارے عالم کی ہدایت و رہنمائی کے لیے آیا، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (سباء-۳)

اور (اے محمد) ہم نے تم کو سارے لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا، لیکن اس بات کو اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

ایک دوسری آیت میں ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ

اے نبی کہہ دیجئے کہ میں تم سب لوگوں کی طرف اس خدا کا بھیجا ہوا ہوں،

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (اعراف-۲۰) جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔

حدیث نبویؐ میں ہے:

کان کل نبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی کل أحمر و أسود (مسلم باب المساجد) ہر نبی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام سرخ و سیاہ قوموں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

اسلام کی بے پایاں رحمت: اس لیے آپؐ کی ذاتِ قدسی صفات ساری کائنات کے لیے رحمت ہے، خود قرآن کا ارشاد ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (انبیاء-۷۷) میں نے آپؐ کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

چنانچہ اسلام کی ہر چیز میں رحمت نمایاں ہے، اس کا خدا رحمن و رحیم ہے اور اس کے تمام صفات میں رحمت و رافت غالب ہے، کلام مجید میں جس کثرت سے رحمتِ خداوندی کا ذکر آیا ہے کسی صفت کا ذکر نہیں ہے، تین سو سے زیادہ آیتوں میں صفتِ رحمت کا ذکر ہے، قرآن مجید کا آغاز ہی اللہ کے اسم ذات یعنی اللہ کے بعد اسمائے صفات میں رحمن و رحیم سے ہوا ہے، ہر وصف کے کمال کے دو پہلو ہوتے ہیں، ایک شدت و قوت، دوسرے کثرت و وسعت، رحمن شدتِ رحمت کا مظہر ہے اور رحیم کثرت کا، رحمن فعلان کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا خاصہ شدت و قوت ہے یعنی رحمت کا وہ انتہائی درجہ جس کے بعد کوئی درجہ تصور میں نہیں آسکتا، اس لیے اسم ذات اللہ کی طرح رحمن کا اطلاق بھی خدا کے سوا کسی دوسری ذات پر نہیں ہو سکتا، اسی طرح رحیم فاعیل کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے، جس کا خاصہ تسلسل اور کثرت ہے یعنی رحمت کا بے پایاں اور ناقابلِ انقطاع سلسلہ، اس اعتبار سے رحمت الہی اپنی شدت و قوت اور کثرت و تسلسل دونوں لحاظ سے بے پایاں ہے، لفظِ رحمت کے علاوہ اس کے ہم معنی اوصاف مثلاً غفور، تواب، ذوالرحمہ، ارحم الراحمین اور خیر الراحمین

وغیرہ کے ذکر سے کلام مجید کی آیات بھری ہوئی ہیں، ان میں سے صرف چند آیتیں جو گویا
بادۂ رحمت کا سر جوش ہیں نقل کی جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے رحمت اپنے اوپر فرض کر لی ہے۔

قُلْ لِمَنْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
قُلِ اللَّهُ كَتَبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ
(انعام-۲)

پوچھیے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے
کس کا ہے، کہہ دیجیے کہ اللہ کا ہے، اس
نے (مخلوقات پر) رحمت اپنے اوپر فرض
ٹھہرائی ہے۔

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ
(انعام-۶)

تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت
واجب کر لی ہے۔

گناہ گاروں کو بھی اس کی رحمت سے ناامید نہ ہونا چاہیے۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى
أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ، إِنَّ
اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ
الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (زمر-۶)

کہہ دیجیے کہ اے میرے بندوں
جنہوں نے گناہ کر کے اپنے اوپر زیادتی
کی ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو،
بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف
کرتا ہے، بیشک وہی بخشنے والا رحمت
والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی گمراہوں کا کام ہے۔

قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا
الضَّالُّونَ (حجر-۴)

ابراہیم نے کہا کہ گمراہوں کے علاوہ کون
ہے جو اپنے رب کی رحمت سے
ناامید ہوتا ہے۔

احادیث نبوی میں بکثرت رحمت الہی کا ذکر ہے۔

رحمتی سبقت علی غضبی
میری رحمت میرے غضب پر سبقت
لے گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت بے کراں جس کی کوئی حد و انتہا نہیں، دنیا میں جس قدر رحمت و رافت بھی پائی جاتی ہے وہ اس کی رحمت کا ادنیٰ ترین حصہ ہے، حدیث نبوی میں ہے:

جعل الله الرحمة مائة جزء فأمسك عنده تسعة وتسعين جزءاً وأنزل في الأرض جزءاً واحداً فمن ذلك الجزء تترحم الخلق حتى ترفع الفرس على ولدها خشية أن تصيبه (بخاری کتاب الادب باب جعل الله الرحمة في مائة جزء)

اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کیے، ننانوے حصے اپنے پاس رکھے اور ایک حصہ زمین میں بھیجا، اس حصہ کا یہ اثر ہے کہ جو مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے حتیٰ کہ گھوڑی اپنے بچے کو کھر سے بچانے کے لیے اس کو اٹھالیتی ہے۔

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ وہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ ایک قیدی عورت اپنا دودھ دوہتی ہے اور دوسری قیدی عورتوں کا جو شیر خوار بچہ نظر آتا ہے اس کو چھاتی سے چمٹا کر پلاتی ہے، یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے حاضرین سے پوچھا کیا یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال سکتی ہے، لوگوں نے عرض کیا اگر اس کے اختیار میں نہ ڈالنا ہو تو کبھی نہ ڈالے گی، فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے۔ (۱)

مغفرت الہی: اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ گناہگاروں کے لیے بھی بند نہیں، بڑے سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پایاں کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا، حدیث قدسی ہے۔

يا ابن آدم انك مادعوتني ورجوتني غفرت لك على ما كان فيك قبل ذلك ابن آدم انك ان تلقاني بقراب

اے ابن آدم تو مجھ سے جو بھی مانگے گا اور جو بھی توقع کرے گا تو اس سے پہلے جو اعمال بھی تو کر چکا ہے، بخش دوں گا، اگر

(۱) بخاری باب رحمة الولد و تعبيله

تو زمین بھر گناہوں کے مرتکب کی حیثیت
 سے مجھ سے ملے گا تو میں اتنی ہی بخشش
 کے ساتھ تجھ سے ملوں گا، بشرطیکہ کسی کو
 میرا شریک نہ ٹھہرائے، اگر تو آسمان کے
 بادلوں کے برابر بھی گناہ کرے گا اور مجھ
 سے مغفرت کا خواستگار ہوگا تو میں معاف
 کر دوں گا۔

الأرض خطاء لقبتك بقرابها مغفرة
 بعد ان لا تشرك لي شيئا ابن آدم
 انك ان تذنّب حتى يبلغ عنان
 السماء ثم تستغفر لي اني غفرت
 لك ولا أبالي (۱)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص گناہ کا
 مرتکب ہوا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا، میرے پروردگار میں نے گناہ کیا ہے، تو مجھے
 بخش دے، خدا نے فرمایا: میرا یہ بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے، جو گناہوں کو
 معاف بھی کر دیتا ہے اور مواخذہ بھی کرتا ہے، اس لیے میں نے اس کو بخش دیا، چند دنوں
 کے بعد پھر اس نے گناہ کیا اور عرض گزار ہوا، پروردگار! میں نے پھر گناہ کیا ہے تو مجھے بخش
 دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا پروردگار ہے جو گناہوں کو بخش بھی
 دیتا ہے اور مواخذہ بھی کرتا ہے، اس لیے میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا، وہ جو چاہے کرے،
 تیسری مرتبہ پھر گناہ کیا اور پھر التجا کی کہ اے میرے پروردگار میرے گناہ معاف کر دے،
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میرے بندے نے گناہ کیا اور یہ جانا کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو
 گناہوں کو بخش بھی دیتا ہے اور اس کا مواخذہ بھی کرتا ہے جا جو چاہے کر، میں نے تجھ کو بخش
 دیا۔ (۲)

پہاڑ کے برابر گناہ بھی رحمتِ خداوندی کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے، رسول
 اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں میری امت کی ایک جماعت ایسی ہوگی جس کے گناہ
 پہاڑ کے برابر ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان سب گناہوں کو معاف کر دے گا۔ (۳)

(۱) مسند دارمی ص ۳۶۵ (۲) مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۴۲ (۳) ایضاً ص ۲۵۳

یہ شانِ رحمت دیکھ کر لوگ تمنا کریں گے کہ کاش انھوں نے زیادہ گناہ کیے ہوتے لوگوں نے عرض کیا، ایسا کیوں ہوگا، فرمایا: اللہ برائیوں کو اچھائیوں سے بدل دے گا۔ (۱)

رسول کی شانِ رحمت: اس قسم کی اور حدیثیں بھی ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کتنی وسیع ہے، جس سے بڑا سے بڑا گناہگار بھی محروم نہیں، بشرطیکہ اس میں اپنے گناہوں کا احساس اور اس پر ندامت اور اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت اور مغفرت کا پورا یقین ہو اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی شانِ رحمت کا ظہور گنہگاروں ہی کے لیے ہوگا کہ ۔

مستحق کرامت گناہگار نند

رحمۃ للعالمین بھی گناہگاروں کے لیے سراسر رحمت و شفقت تھے اور آپؐ ایسے گناہوں میں جو حقوق العباد سے متعلق نہ ہوں اور ان کا اعلان نہ ہوا ہو اور گناہگار کو اپنے گناہ پر شرمندگی و ندامت بھی ہو، چشم پوشی سے کام لیتے تھے۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تھا کہ ایک شخص نے آکر کہا: یا رسول اللہ! میں نے سزا کے قابل گناہ کیا ہے، آپ مجھ پر حد جاری کیجیے مگر آپؐ نے کوئی توجہ نہ فرمائی، نماز کا وقت آچکا تھا، جماعت ہونے لگی، اس شخص نے بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، نماز ختم ہونے کے بعد پھر اس نے کہا: یا رسول اللہ میں نے سزا کے قابل گناہ کیا ہے، آپ مجھ پر حد جاری کیجیے، آپؐ نے اس سے پوچھا تم نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی ہے، اس نے کہا ہاں پڑھی ہے، فرمایا: جاؤ تمہارا گناہ خدا نے معاف کر دیا۔ (۲)

لیکن گناہ کے صریح اعتراف و اعلان کے بعد جب تاویل کی کوئی صورت باقی نہ رہ جاتی اس وقت حد جاری فرماتے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ اسلم کا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور زنا کی لغزش کا اقرار کیا، آپؐ نے

(۱) مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۵۲ (۲) بخاری کتاب المحاربین من اہل الکفر والمروءۃ باب اذا اقرء

بالحد ولم یبین

سن کر دوسری طرف منہ پھیر لیا، اس طرح اس نے چار مرتبہ اقرار کیا، جب تاویل کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی تو آپؐ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا، اس کے بعد خود اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے حق میں کلمات خیر فرمائے۔ (۱)

• اسی طریقہ سے ایک صحابی ماعز بن مالکؓ سے زنا کی لغزش ہو گئی، ان سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جاؤ خدا سے معافی چاہو، اس کے حضور میں توبہ کرو، یہ سن کر ماعز لوٹ گئے، تھوڑی دور جا کر پھر لوٹ آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کیجیے، پھر وہی جواب ملا، ماعز پھر لوٹ گئے لیکن دل کا کاٹا کسی طرح چین نہ لینے دیتا تھا، اس لیے پھر لوٹ آئے اس مرتبہ پھر رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کس چیز سے پاک کر دوں، ماعز نے عرض کیا: زنا کی گندگی سے، آپؐ نے حاضرین سے پوچھا ان کو جنون تو نہیں ہے، معلوم ہوا ایسا نہیں ہے، پھر پوچھا شراب تو نہیں پی ہے، ایک شخص نے اٹھ کر منہ سونگھا تو شراب کا کوئی اثر نہ تھا، اس کے بعد آپؐ نے تصریح کے ساتھ پوچھا کیا واقعی تم نے زنا کیا ہے، ماعز نے صاف لفظوں میں اقرار کیا، اس اقرار کے بعد آپؐ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا، لوگوں میں چہ می گوئیاں ہونے لگیں، کسی نے کہا ماعز تباہ ہو گئے، ان کو گناہوں نے گھیر لیا، کسی نے کہا ماعز سے بڑھ کر کسی کی توبہ نہیں، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کہا مجھے سنگسار کیجیے، دو چار دن کے بعد آنحضرت ﷺ صحابہ کے مجمع میں تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے، پھر فرمایا: ماعز کے لیے مغفرت کی دعا کرو، سب نے مل کر مغفرت کی دعا فرمائی، دعا کے بعد فرمایا: ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر تمام امت پر تقسیم کی جائے تو اس کے لیے کافی ہے۔ (۲)

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک ظریف عبد اللہ تھا، جس کو لوگ مذاق میں ہمارے کہتے تھے، یہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی بذلہ سخی سے ہنسایا کرتا تھا مگر شراب کا عادی تھا اور کئی

(۱) بخاری باب الرجم بالمصلی (۲) مسلم کتاب الحدود باب من اعترف علی نفسه بالزنا، غالباً دونوں واقعے ایک ہی ہیں، مسلم کی روایت میں بخاری کے واقعہ کی تفصیل ہے۔

مرتبہ آپؐ نے اس کو سزا دی تھی، ایک مرتبہ جب وہ اسی جرم میں لایا گیا تو ایک شخص نے کہا اس پر خدا کی لعنت ہو، اس جرم میں کتنی مرتبہ پکڑ کر لایا جا چکا ہے، آنحضرت ﷺ نے سنایا تو فرمایا: اس پر لعنت نہ بھیجو، خدا کی قسم وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔ (۱)

ایک مرتبہ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا، مجھ سے روزہ کی حالت میں بیوی سے ہم بستری کی لغزش ہو گئی، آپؐ نے فرمایا: اس کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کرو، عرض کیا میرے پاس کوئی غلام نہیں ہے، فرمایا تو دو مہینے مسلسل روزے رکھو، اس نے کہا اس کی طاقت نہیں ہے، فرمایا: تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، عرض کیا اس کی بھی استطاعت نہیں ہے، اتنے میں ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس ایک تھیلا کھجور لایا، آپؐ نے اس شخص کو یہ کھجوریں دیدیں اور فرمایا جاؤ اسی کو صدقہ کر دو، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! مدینہ کے دونوں کناروں کے درمیان میرے گھرانے سے زیادہ محتاج گھرانہ دوسرا نہیں ہے (یعنی اس صدقہ کا سب سے زیادہ مستحق میں خود ہوں) یہ سن کر آپؐ اتنا ہنسے کہ دندان مبارک کھل گئے اور فرمایا: اچھالے جاؤ، اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔ (۲)

حقوق العباد میں غفونہیں ہے: اس قسم کے اور واقعات بھی حدیثوں میں ہیں لیکن یہ طرزِ عمل صرف انہی مجرموں اور گناہگاروں کے ساتھ تھا جن کے حقوق العباد سے تعلق نہ ہو اور اس کا اعلان عام نہ ہوا ہو اور گناہگار کو گناہ پرندامت اور شرمندگی بھی ہو، ورنہ جرم کے ثبوت کے بعد حدودِ الہی کے اجرا میں تا مل اور کسی قسم کی رعایت نہ فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے چوری کی، لوگوں کی خواہش تھی کہ اس کو سزا نہ دی جائے، مگر آنحضرت ﷺ سے سفارش کی ہمت نہ پڑتی تھی، اس لیے حضرت اسامہ بن زید کو جنہیں آپؐ بہت محبوب رکھتے تھے، درمیان میں ڈالا، انھوں نے آنحضرت ﷺ سے

(۱) بخاری کتاب الحدود باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر وانہ لیس بخارج من المملۃ (۲) بخاری

کتاب الصوم باب اذا جامع فی فیضان

سفارش کی، آپؐ نے فرمایا تم حدود اللہ میں سفارش کرتے ہو اور اس کے لیے مخصوص خطبہ دیا، جس میں فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ (یعنی اگلی امتیں) اس لیے گمراہ ہوئے کہ جب کوئی معزز آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور جب معمولی آدمی چوری کرتا تو سزا دیتے تھے، خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؑ بھی چوری کرتی تو محمدؐ اس کا ہاتھ کاٹتا۔ (۱)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حقوق العباد کے مقدمات حاکم کے پاس پہنچ جانے کے بعد معاف نہیں کیے جاسکتے، اس لیے کہ اس کے بغیر عدل نہیں قائم ہو سکتا، جس پر معاشرہ کی بنیاد ہے۔

بندہ کی توبہ سے اللہ تعالیٰ کی خوشی: اوپر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جو حدیشیں اور آنحضرت ﷺ کے عفو و درگزر کے جو واقعات نقل کیے گئے ہیں، ان سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ انسان رحمت کے بھروسہ پر گناہوں پر جبری اور بد اعمالیوں پر دلیر ہو جائے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑی وسیع ہے، وہ بڑے بڑے گناہ کو معاف کر سکتا ہے لیکن بندوں کا فرض و امر و نواہی کی پابندی اور معاصی سے پرہیز ہے، ورنہ انبیاء کی بعثت اور ان کی ہدایت و رہنمائی کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا، لیکن اگر فطرت بشری سے کبھی کوئی لغزش ہو جائے تو اس کا کفارہ توبہ و ندامت ہے ”التائب کالذی لا ذنب له“ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت التواب بھی ہے، جس کا ذکر قرآن مجید میں بکثرت آیا ہے، اللہ تعالیٰ کو بندہ کی توبہ سے ایسی ہی خوشی ہوتی ہے جیسی خوشی اس شخص کو ہوتی ہے جس کا اونٹ مسافرت کی حالت میں بے آب و گیاہ میدان میں گم ہو جائے اور پھر مل جائے۔ (۲)

گناہ کے اثرات و نتائج: گناہ سے انسانی شرافت مسخ اور اس کی روح مردہ ہو جاتی ہے اور اس کے اخلاقی فضائل کا خاتمہ ہو جاتا ہے، گناہوں کا عہد اور اعلانیہ ارتکاب اور اس پر اصرار اللہ اور اس کا رسولؐ کی دنیاوی مصلح اور دنیاوی حکومتیں بھی گوارا نہیں کر سکتیں، اگر جرم

(۱) بخاری کتاب الحدود باب کرہۃ الشفاعة فی الحد اذا رفع الی السلطان (۲) بخاری کتاب الدعوات باب التوبۃ

اور گناہ کی آزادی دے دی جائے تو دنیا میں بد اخلاقی اور ظلم و زیادتی کا دور دورہ ہو جائے، حقوق العباد میں ایک حق بھی محفوظ نہ رہے اور دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے، اسی کے انسداد کے لیے دنیاوی حکومتیں بھی قانون بناتی ہیں، اگر قانون کے مواخذہ کا خوف نہ ہو تو بدی اور شر کی حکومت قائم ہو جائے، اس لیے انسانی معاشرہ کے قیام اور انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے عفو و درگزر سے زیادہ مواخذہ ضروری ہے، جس کے بغیر عدل قائم نہیں ہو سکتا، اس لیے گناہوں پر عفو و درگزر کی آیات و احادیث سے زیادہ مواخذہ اور وعید کی آیات و احادیث آئی ہے۔

انسانی فطرت میں اصلاح اور اس کے اعمال میں حسن و تناسب، خوف ورجا دونوں سے مل کر پیدا ہوتا ہے، محض رجاء عمل میں سست بنا دیتی اور بد اعمالی میں مبتلا کر دیتی ہے اور محض خوف و ہراس مایوس اور عمل کا حوصلہ پست کر دیتا ہے، اسی لیے الایمان بین الخوف والرجاء کہا گیا ہے کہ ان دونوں میں اعتدال و تناسب ہی سے اعمال میں حسن و تناسب پیدا ہوتا ہے، اس لحاظ سے بد اعمالیوں اور گناہوں پر سزا اور عذاب کی وعید بھی انسانوں کے لیے رحمت ہے۔



دوسرا باب

توحید اور اس کے اثرات و نتائج

پہلے باب میں جو آیات و احادیث نقل کی گئی ہیں ان کا مقصد یہ دکھانا تھا کہ اسلام کا خدا محض جبار و قہار نہیں بلکہ رحمن و رحیم بھی ہے اور قرآن مجید اور احادیث نبویؐ میں گناہوں پر مواخذہ اور وعید کے پہلو بہ پہلو عفو و درگزر اور رحمت اور مغفرت کی بشارتیں بھی ہیں، آئندہ ابواب میں یہ دکھایا جائے گا کہ اسلام کن کن حیثیتوں سے انسانیت کے لیے رحمت ہے، رحمت کی دو قسمیں ہیں، ایک ظاہری اور بدیہی، دوسری معنوی اور داخلی، ظاہری رحمت وہ ہے جس کو رحمت ماننے پر موافق و مخالف اور دوست و دشمن سب متفق ہوں، مثلاً انسانی اخوت و مساوات، خدمت خلق، انسان دوستی، عدل و انصاف، رحم و کرم اور حقوق نسوانی وغیرہ اور بعض معنوی یا داخلی ہیں، جو اپنے نتائج کے اعتبار سے رحمت ہیں مثلاً توحید و رسالت اور حشر و نشر کا عقیدہ جن کے ملحدین سرے سے منکر ہیں اور مشرک توحید و رسالت کے قائل نہیں ہیں، اس لیے یہ دونوں ان کو رحمت نہیں مانتے حالاں کہ یہ دونوں انسانوں کے لیے سراسر رحمت ہیں، توحید ہی نے انسانوں کا درجہ بلند کیا اور ان کو ہر طرح کی غلامی سے آزاد کر کے ساری مخلوق میں ان کو عظمت و شرف بخشا اور انبیاء علیہم السلام ہی کے ذریعہ انسان نے خدا کو پہچانا اور آج دنیا میں اخلاق و روحانیت کی جو روشنی بھی نظر آتی ہے، سب

انہی نفوسِ قدسیہ کا فیض ہے، رحمت کی ان دونوں قسموں میں سے پہلے معنوی رحمت کو دکھایا جائے گا۔

اسلام کی سب سے بڑی رحمت عقیدہ توحید ہے: عالمِ انسانیت پر اسلام کا سب سے بڑا احسان اور اس کی سب سے بڑی رحمت عقیدہ توحید ہے، توحید اس سے پہلے کے مذاہب میں بھی تھی لیکن مرورِ زمانہ اور انسانی تصرفات سے کسی مذہب میں بھی توحید خالص باقی نہ رہ گئی تھی اور ان مذاہب میں بھی جو اصلاً مذہب توحید ہیں کسی نہ کسی راہ سے شرک داخل ہو گیا تھا حتیٰ کہ دینِ ابراہیمی میں بھی جو توحید کا معلم اول ہے، شرک اور بت پرستی داخل ہو گئی تھی اور عربوں میں علانیہ بت پرستی رائج تھی، خانہ کعبہ جو روئے زمین میں خدائے واحد کی پہلی پرستش گاہ تھی بتوں کا معبد بن گیا تھا۔

توحید کامل کے معنی یہ ہیں کہ انسان خدا کے سوا کسی قوت کو کارساز، حاجت روا اور کسی کے ہاتھ میں اپنا نفع و ضرر نہ سمجھے، اس تصور سے انسان ہر قسم کی غلامی اور عبودیت سے آزاد ہو جاتا ہے، اس لیے توحید درحقیقت انسانی شرف و عظمت کا سنگ بنیاد ہے، شرک کی ابتدا خوف ورجا، جلب منفعت، دفع مضرت اور بڑی اور برگزیدہ شخصیتوں کی مفرط عقیدت و احترام کے جذبہ سے ہوتی ہے، انسان اپنے دورِ جہالت میں جن چیزوں سے ڈرتا تھا یا اس کے گمان میں جن چیزوں سے اس کو فائدہ پہنچنے کی امید یا نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا یا جن قوتوں کو اپنا کارساز سمجھتا تھا، ان کی خوشنودی اور رضا جوئی اور ان کے قہر و غضب سے بچنے کے لیے ان کی پرستش کرنے لگا، کائنات کی قوتوں، دیوی دیوتاؤں، آفتاب و ماہتاب، دریا جنگل، پہاڑ، ولیوں، بزرگوں حتیٰ کہ منفعت بخش اور موزی جانوروں تک کی پوجا اسی جذبہ سے شروع ہوئی، اسلام نے ان سارے اوہام کی جڑ کاٹ دی۔

اسلام کا تصور توحید: اس نے بتایا کہ دنیا کی ساری مخلوق کی خالق و کارساز ایک ذات واحد ہے، اس کے سامنے ساری مخلوق اور دنیا کی تمام طاقتیں خواہ وہ ولی ہوں یا پیغمبر بالکل عاجز و درماندہ ہیں، موت و زندگی، صحت و بیماری، نفع و نقصان سب اسی کے اختیار میں ہے،

اس میں کسی مخلوق کو کوئی دخل نہیں، اس کے حضور میں اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخصیت خواہ وہ ولی و پیغمبر ہی کی کیوں نہ ہو، سعی و سفارش کی جرأت نہیں کر سکتی، کلام مجید شرک کی مذمت، اس کی مضرتوں اور توحید کی تعلیم و تاکید سے معمور ہے، اس کی تفصیل بہت طویل ہوگی، اس لیے اس کی صرف چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

معبود صرف ایک ذات واحد ہے۔

وَالْتَّهَكُمُ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ (بقرہ-۱۹)
تمہارا معبود تو وہی خدا ہے واحد ہے اس
کے سوا کوئی معبود نہیں بڑا رحم کرنے والا
بڑا مہربان ہے۔

وہی ہر چیز کا خالق اور وہی عبادت کے لائق ہے۔

ذَالِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ
كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ (انعام-۱۳)
یہ ہے تمہارا پروردگار، اس کے سوا کوئی
معبود نہیں، وہ ساری چیزوں کا پیدا کرنے
والا ہے، اس لیے اسی کی عبادت کرو۔

اسی نے آسمان و زمین پیدا کیے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
(انعام-۹)
اسی نے آسمان و زمین پیدا کیے۔

آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے۔

أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي
الْأَرْضِ (یونس-۷)
ہاں آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب
اسی کا ہے۔

وہ ان سب کا پروردگار ہے۔

رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
(صافات-۱)
وہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ان کے
درمیان ہے سب کا پروردگار ہے۔

یہ سب کے سب اسی کے تابع و فرمان ہیں۔

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب
اسی کے نیپے ہے اور وہ سب اس کے
تابع فرمان ہیں۔

بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
كُلٌّ لَهُ قَانِتُونَ (بقرہ-۱۳)

موت و زندگی اسی کے اختیار میں ہے، اس کے سوا کوئی ناصر و مددگار نہیں۔

بیشک اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین
کی بادشاہت ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور
مارتا ہے، تمھارے لیے اس کے سوا کوئی
حامی و مددگار نہیں۔

إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
يُحْيِي وَيُمِيتُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ
مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ (توبہ-۱۳)

وہی ساری مخلوق کو روزی دیتا ہے۔

بیشک اللہ ہی روزی دینے والا اور مضبوط
قوت والا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينِ
(ذاریات-۳)

نفع و نقصان سب اسی کے اختیار میں ہے۔

اور اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہونچائے تو
اس کو سوا اس کے کوئی دور کرنے والا نہیں
ہے اور اگر وہ تم کو کوئی بھلائی پہونچانے کا
ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے
والا نہیں ہے۔

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ
لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ
لِفَضْلِهِ (يونس-۱۱)

اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ برائی
کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو دفع کرنے والا
نہیں ہے اور ان کے علاوہ کوئی ان کا
کارساز نہیں ہے۔

وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءً فَلَا مَرَدَّ لَهُ
وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَّالٍ (رعد-۲)

عزت و ذلت سب اسی کے اختیار میں ہے۔

وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ
جس کو اللہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت
(حج-۲) دینے والا نہیں۔

ساری نعمتیں اسی کا عطیہ ہیں اور یہ نعمتیں حد شمار سے باہر ہیں۔

وَأَتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ
اور تم کو ہر وہ چیز عطا کی جو تم نے مانگی اور
تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا
اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو
(ابراہیم-۵) اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

اس لیے عبادت کے لائق اسی کی ذات ہے اور سارے پیغمبروں نے اسی کی
تعلیم دی ہے۔

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ
اے قوم اللہ کی پرستش کرو، اس کے علاوہ
غَيْرُهُ (اعراف-۸) کوئی معبود نہیں۔

اس کے علاوہ جن لوگوں کی تم پرستش کرتے ہو، وہ سب خدا کی مخلوق ہیں۔

أَيُّ شَرِّكُمْ مَالًا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ
کیا وہ ان بتوں کو (خدا کا) شریک ٹھہراتے
يُخْلِقُونَ (اعراف-۲۴) ہیں جنہوں نے کچھ پیدا نہیں کیا اور خود
مخلوق ہیں۔

جن کی تم دہائی دیتے ہو، وہ تمہاری ہی طرح اللہ کے بندے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ
بیشک اللہ کے سوا جن لوگوں کو تم بلاتے
أَمْثَالُكُمْ (اعراف-۲۴) ہو، تمہاری ہی طرح بندے ہیں۔

ایسے لوگوں کی دعا سے کیا حاصل جو تم کو کوئی نفع و ضرر نہیں پہنچا سکتے، ان کو پکارنا
سراسر اپنے اوپر ظلم کرنا ہے۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ
اور اللہ کے سوا کسی ایسے کو نہ پکارو جو تم کو
وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مِنَ
نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، اگر تم نے
الظَّالِمِينَ (یونس-۱۱) ایسا کیا تو یقیناً ظالموں میں سے ہو گے۔

وہ تمہاری کیا خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے۔

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ (اعراف-۲۴)

جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی ذات کی۔

ان کے قبضہ و اختیار میں ایک ریشہ بھی نہیں ہے۔

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ (فاطر-۲)

اور جنہیں تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ ایک ریشہ کے بھی مالک نہیں ہیں۔

ایسے لوگوں کو پکارنا لا حاصل اور بے نتیجہ ہے، حقیقی پکار صرف خدا ہی کے لیے ہے۔

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطٍ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ (رعد-۲)

سچا پکارنا اسی (خدا) کے لیے ہے، اس کے علاوہ جو لوگ کسی کو پکارتے ہیں وہ کچھ بھی کام نہیں آ سکتے، ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص پانی کی طرف دونوں ہاتھ پھیلائے کہ اس کے منہ تک پہنچ جائے اور وہ کبھی نہ پہنچے گا۔

اس لیے شرک بہت بڑا گناہ ہے۔

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان-۲)

بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

شرک بہت بڑی گمراہی ہے، اس کو خدا کبھی نہ بخشے گا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا (نساء-۱۸)

بیشک اللہ اس کو کبھی نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اس کے سوا جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جو شخص اللہ کا شریک ٹھہرائے گا وہ یقیناً بڑی گمراہی میں مبتلا ہے

پیغمبروں کی حیثیت اور ان کا صحیح مقام: شرک کا سب سے بڑا سبب پیغمبروں، ولیوں اور برگزیدہ ہستیوں کی عقیدت میں غلو اور ان کے درجہ اور مقام کی تعین اور اختیارات کے حدود میں التباس ہے، اس میں بڑے بڑے عقلاء کو دھوکا ہو جاتا ہے اور وہ ان کو الوہیت کے صفات سے متصف کر دیتے ہیں، اس لیے کلام مجید نے خاص طور سے پیغمبروں کی حیثیت، ان کے درجہ و مقام اور ان کے اختیارات کی پوری صراحت کر دی ہے کہ وہ بھی دوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان ہیں، چنانچہ پیغمبروں کی زبان سے ارشاد ہوتا ہے۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ
أَمْثَلُكُمْ (ابراہیم-۲)
ان کے پیغمبروں نے ان سے (اپنی
امت) سے کہا کہ بیشک ہم بھی تمہارے
ہی جیسے بشر ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوتا ہے۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحِي إِلَيَّ
(کہف-۱۲)
آپ کہہ دیجیے کہ میں بھی تمہاری طرح
بشر ہوں بجز اس کے کہ مجھ پر وحی آتی ہے
ایک دوسرے مقام پر ہے۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا
رَسُولًا (بنی اسرائیل-۱۰)
آپ کہہ دیجیے کہ سبحان اللہ میں بجز اس
کے اور کیا ہوں کہ بشر ہوں اور رسول
ہوں۔

کلام مجید میں جا بجا آنحضرت ﷺ کے نام کے ساتھ آپ کی عبدیت کا
خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ
الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا
(کہف-۱)
ساری تعریفیں اللہ کے لیں جس نے
اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں
ذرا بھی کمی نہیں رکھی۔

پیغمبر بھی کسی کو نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا
(جن-۲)

آپ کہہ دیجیے کہ میں تمہارے لیے نہ کسی -
ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا

بلکہ خود اپنے نفع و نقصان پر بھی قدرت نہیں۔

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا
إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ (یونس-۵)

آپ کہہ دیجیے کہ میں اپنی ذات کے لیے
بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا،
مگر یہ کہ اللہ کو جو منظور ہو۔

ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں۔

قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ
أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا (جن-۲)

آپ کہہ دیجیے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے کوئی
پناہ نہیں دے سکتا اور نہ میں اس کے سوا
کہیں پناہ پاسکتا ہوں۔

جب اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اولوالعزم پیغمبروں کے عجز و در ماندگی کا یہ حال ہے
کہ تو کسی دوسری شخصیت کا کیا ذکر ہے، ان آیات نے شرک کے سارے منفذ بند کر کے اس
کی جڑ کاٹ دی۔

انسانی عظمت و شرف: توحید کا لازمی نتیجہ انسانی عظمت و شرف ہے، جب خدا کے
علاوہ کوئی کار ساز اور حاجت روا نہیں اور نہ کسی کے ہاتھ میں انسانوں کا نفع و ضرر ہے، بڑے
بڑے پیغمبر تک اس کے سامنے عاجز و در ماندہ ہیں اور تنہا وہی پرستش کے لائق ہے تو قدرۃ
انسان دنیا کی ہر غلامی سے آزاد ہو گیا، کسی طاقت کا بندہ و غلام باقی نہیں رہا، اس سے قطع نظر
دنیا میں اسلام پہلا مذہب ہے جس نے انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا اور اس کو پوری
کائنات پر فضیلت و برتری عطا ہوئی۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي
الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ
وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا

اور ہم نے بنی آدم کو بزرگی اور برتری
عطا کی اور خشکی و تری کی طاقتیں اس کے
تابع کر دیں جو اس کو اٹھائے پھرتی ہیں،

تَفْضِيلًا (بنی اسرائیل - ۷)

اور پاکیزہ چیزیں اس کے کھانے کو دیں
اور بہت سی مخلوقات پر ہم نے اس کو
فضیلت و برتری عطا کی۔

زمین، آسمان، چاند، سورج، دریا، سمندر، خشکی و تری، سب انسان کے انتفاع
کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ
وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ
الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ
الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ
وَسَخَّرَ لَكُمُ الْيَوْمَ الْوَلَّيَّةَ (ابراہیم - ۵)

اور اللہ ہی ہے جس نے آسمان اور زمین
پیدا کیے اور آسمان سے پانی اتارا اور اس
کے ذریعہ تمہارے رزق کے لیے پھل
پیدا کیے اور کشتی کو تمہارے لیے مسخر کر دیا
جو اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے اور
تمہارے لیے نہریں مسخر کیں۔

آفتاب و ماہتاب تک جن کی وہ اپنی نادانی سے پوجا کرنے لگا تھا، اس کے لیے
مسخر کیے گئے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَسَخَّرَ
لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ (ابراہیم - ۵)

اور تمہارے لیے سورج اور چاند اور دن
اور رات مسخر کیے۔

یہ ساری چیزیں انسان کی آسائش و انتفاع کے لیے پیدا کی گئی ہیں اس کی
عبادت و پرستش کے لیے نہیں، اقبال نے بڑی خوبی سے دکھایا ہے۔

نہ تو زمین کے لیے ہے نہ آسمان کے لیے
ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ فضا میں
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے
یہ گنبد افلاک، یہ خاموش فضا میں
تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں

آئینہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

انسان کو ساری مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی، اس کے سر پر سب سے بڑے منصب

نیابت الہی کا تاج رکھا اور اس کی عظمت و برتری کے انکار پر ابلیس ہمیشہ کے لیے مردود قرار پایا۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ
فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا
مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ
وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ
قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ وَعَلَّمَ
آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى
الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ
هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ قَالُوا
سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا
إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ، قَالَ يَا آدَمُ
أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ قَالِ أَلَمْ أُقَلِّ لَكُمْ
إِنِّي أَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ
تَكْتُمُونَ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا
لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى
وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ
(بقرہ-۴)

اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں اس زمین پر اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں، وہ بولے کیا تم ایسے کو بنائے گا جو اس میں فساد برپا اور خونریزی کرے گا، دراصل حالیکہ ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں، اللہ نے فرمایا یقیناً میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور اللہ نے آدم کو سارے نام (حقائق اشیاء) سکھادے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ ان کے نام تو مجھے بتلاؤ اگر تم سچے ہو، فرشتوں نے کہا ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں، جتنا تو نے ہم کو سکھایا ہے، بیشک تو ہی بڑا علم والا حکمت والا ہے، اللہ نے فرمایا: اے آدم تم ان کو ان کے نام بتلاؤ، پس جب انھوں نے ان کے نام بتلا دئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں میرے علم میں ہیں اور جو کچھ تم چھپاتے اور ظاہر کرتے

ہو، میں سب جانتا ہوں اور وہ وقت یاد
 کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم
 کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس
 نے نہیں کیا، اس نے انکار کیا اور تکبر میں
 آیا اور وہ کافروں میں تھا۔

اس سے بڑھ کر انسانی عظمت تصور میں نہیں آسکتی، اقبال نے اس واقعہ سے
 انسانی عظمت کے بڑے لطیف پہلو پیدا کیے ہیں۔

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد
 خبرے رفت ز گردوں بہ شہستانِ ازل حد زائے پروگیاں پردہ درے پیدا شد
 فطرت آشفست کہ از خاکِ جہانِ مجبور خود گرے خود شکنے خود نگرے پیدا شد
 آرزو بے خبر از خویش بہ آبغوشِ حیات چشم واکرو جہانے دگرے پیدا شد
 زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر تازیں گنبد دیرینہ درے پیدا شد
 انسانی مساوات: اسلام سے پہلے خدا کی مخلوق رنگ و نسل، حسب و نسب، ملک و وطن،
 دولت و وجاہت اور پیشوں کے اعتبار سے ادنیٰ اور اعلیٰ طبقوں میں بٹی ہوئی تھی، جو طبقہ جس
 دائرہ سے تعلق رکھتا تھا اس سے کبھی نہیں نکل سکتا تھا، ذاتی استعداد و قابلیت کی کوئی قدر و
 قیمت نہ تھی، ادنیٰ طبقوں پر ترقی کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند تھے، ان کا مقصد زندگی اعلیٰ
 طبقوں کی خدمت تھا، یونان و روم و مصر و ایران و ہندوستان دنیا کے تمام قدیم تہذیبی
 مرکزوں کا یہی حال تھا، جس کی تصویر تاریخ کے آئینہ میں دیکھی جاسکتی ہے، قدیم مذاہب
 میں بدھ مت اور عیسائیت نے اخوت و مساوات کا سبق دیا اور گری ہوئی انسانیت کو اٹھانے
 کی کوشش کی، مگر ان کے پیروؤں نے بہت جلد اس سبق کو بھلا دیا، ہندوستان میں برہمنی
 مذہب نے نہ صرف بدھ کی تعلیم بلکہ اس مذہب ہی کو ہندوستان سے ختم کر کے پھر پرانا برہمنی
 نظام رائج کر دیا۔

یورپ کے جاگیردارانہ دور کی طبقاتی تقسیم کا حال تاریخوں میں محفوظ ہے، اس آزادی اور جمہوریت کے دور میں بھی کالے گورے میں جو تفریق ہے اور کالی قوموں کے ساتھ گوری قوموں کا جو سلوک ہے وہ سب پر ظاہر ہے، آج بھی ایسی عیسائیوں اور یورپین عیسائیوں کے گرجے تک الگ الگ ہیں، اسلام نے ان سارے امتیازات کو ختم کر کے حسن عمل اور اخلاق و کردار کو عزت و شرف کا معیار قرار دیا۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ
بیشک تم میں خدا کے نزدیک سب سے
(حجرات-۲)
زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے
زیادہ پاکباز ہے۔

خاندان اور قبائل کی تقسیم محض تعارف و امتیاز کے لیے ہے۔

وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا
اور ہم نے تم کو مختلف خاندانوں اور قبائل
(حجرات-۲)
میں اس لیے بنایا کہ تم ایک دوسرے کو
پہچان سکو۔

ورنہ عزت و شرف کا اصل معیار اسلام میں حسن عمل ہے، انسانی مساوات کا مسئلہ اسلام کی نگاہ میں اس درجہ اہم تھا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے آخری خطبہ میں جن بنیادی باتوں کے متعلق خاص طور سے وصیت فرمائی تھی ان میں یہ مسئلہ بھی تھا، اس خطبہ کے الفاظ یہ ہیں۔

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ
لَوْگو! تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارا
أَبَاكُمْ وَاحِدٌ كُلُّكُمْ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ
باپ بھی ایک ہے، تم سب اولادِ آدم ہو
مِنْ تُرَابٍ، إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ
اور آدم مٹی سے بنے تھے، اللہ کے نزدیک
اتَّقَاكُمْ وَلَيْسَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ
تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم
فَضْلٌ إِلَّا بِالتَّقْوَى (عقد الفرید جلد ۲)
میں سب سے زیادہ پاکباز ہے، کسی عربی
ص ۱۱)
کو عجمی پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بنا پر۔

ایک دوسری روایت میں ہے۔

لَيْسَ لِلْعَرَبِيِّ فَضْلٌ عَلَى الْعَجَمِيِّ وَلَا
لِلْعَجَمِيِّ فَضْلٌ عَلَى عَرَبِيٍّ كُلُّكُمْ
أَبْنَاءُ آدَمَ وَآدَمٌ مِنْ تُرَابٍ
کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں اور کسی
عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں، تم سب اولاد
آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

ایک روایت میں تصریح کے ساتھ حسب و نسب کے فخر و امتیاز کی ممانعت کی گئی
ہے۔ (۱)

إِنَّ اللَّهَ أَذْهَبَ عَنْكُمْ غَيْبَةَ الْجَاهِلِيَّةِ
وَفَخَّرَهَا بِالْأَبَاءِ إِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ
وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ النَّاسُ كُلُّكُمْ بَنُو آدَمَ
وَأَدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ
اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے غرور اور آباؤ
اجداد پر فخر کو ختم کر دیا، انسان یا مومن و
پاکباز ہے یا فاجر و شقی، تم سب اولاد آدم
ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

اس اعلان نے حسب و نسب، رنگ و نسل، آقا و غلام، مالک و مملوک، ادنیٰ و اعلیٰ
کے سارے امتیازات ختم کر کے تمام انسانوں کو ایک سطح پر لا کر کھڑا کر دیا اور سلمان فارسیؑ،
صہیب رومیؑ اور بلال حبشیؓ جو مختلف نسلوں اور قوموں سے تعلق رکھتے تھے اور غلام تھے،
شرفائے قریش کے ہمسرا اور اپنے تقویٰ کی بنا پر ان میں سے بہتوں سے بہتر قرار پائے۔
مسافات کا عملی سبق: آنحضرت ﷺ نے اس مساوات کو عملاً برت کر دکھایا، آپؐ
خود اپنی ذات کے لیے کوئی امتیاز پسند نہ فرماتے تھے، اپنی تعظیم کے لیے اٹھنے کی بھی ممانعت
فرمادی تھی، ایک مرتبہ صحابہؓ آپؐ کی تعظیم کے لیے اٹھے تو فرمایا کہ اہل عجم کی طرح کسی کی
تعظیم کے لیے نہ اٹھا کرو۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ چونکہ آنحضرت ﷺ اپنی تعظیم کے لیے لوگوں
کا اٹھنا پسند نہ فرماتے تھے، اس لیے صحابہؓ کرامؓ آپؐ کی تعظیم کے لیے نہیں اٹھتے تھے۔ (۲)

(۱) ابوداؤد باب الفخر بالاحساب (۲) شمائل ترمذی، باب ما جاء فی تواضع رسول اللہ، یہ ممانعت
درحقیقت آنحضرت ﷺ کی تواضع کی بنا پر تھی اور اس کا مقصد اہل عجم کی (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مفلسوں اور فقیروں کے مجمع میں بے تکلف جا کر بیٹھتے، صحابہؓ کے ساتھ اس طرح گھل مل کر بیٹھتے تھے کہ اجنبی آدمی آپ کو پہچان نہ سکتا، مجلس میں جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے۔ (۱)

ایک مرتبہ سفر میں صحابہ کرامؓ نے کھانے پکانے کا سامان کیا اور سب نے ایک ایک کام اپنے ذمہ لیا، آنحضرت ﷺ نے لکڑی لانا اپنے ذمہ لیا، صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپؐ زحمت نہ فرمائیں، یہ کام ہم لوگ کر لیں گے، فرمایا یہ سچ ہے لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اپنے کو تم سے ممتاز کروں، خدا اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ساتھیوں میں ممتاز بننا ہے۔ (۲)

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپؐ کو ان الفاظ سے خطاب کیا، اے ہمارے آقا اور اے ہمارے آقا کے فرزند اور اے ہم میں سب سے بہتر اور اے سب سے بہتر کے فرزند، آپؐ نے فرمایا لوگو! پرہیزگاری اختیار کرو، شیطان تم کو گرا نہ دے، میں عبد اللہ کا بیٹا محمد ہوں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، خدا نے مجھ کو جو درجہ بخشا ہے، میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھ کو اس سے بڑھاؤ۔ (۳)

آپؐ کی نگاہ میں سلمان فارسیؓ اور صہیب رومیؓ کی جو غلام تھے، رؤسائے قریش سے زیادہ وقعت تھی، ایک دن یہ دونوں بزرگ ایک جگہ بیٹھے تھے کہ ابوسفیان سامنے سے نکلے، ان دونوں نے ان کو دیکھ کر کہا کہ ابھی تلوار نے اس دشمن خدا کی گردن پر قابو نہیں پایا ہے، یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ نے ان سے کہا کہ سردار قریش کی شان میں یہ الفاظ نازیبا ہیں اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا، آپؐ نے فرمایا تم نے ان (بقیہ صفحہ گذشتہ) شخصیت پرستی کی مخالفت تھی، اس لیے یہ ممانعت تحریمی نہیں ہے، بعض صحابہؓ کے احترام میں خود آنحضرت ﷺ کا اٹھنا ثابت ہے اور محترم شخصیتوں کی تعظیم کے لیے اٹھنا صحیح اور اختیار امت کا معمول رہا ہے۔ (۱) شمائل ترمذی باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ

(۲) زر قانی ج ۴ ص ۳۱۹ (۳) مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۱۵۳

دونوں کو ناراض تو نہیں کر دیا، اگر ان کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا، یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ دوڑے ہوئے گئے اور دونوں بزرگوں سے پوچھا آپ لوگ مجھ سے ناراض تو نہیں ہو گئے، ان لوگوں نے کہا نہیں خدا آپ کو معاف کرے۔ (۱)

مساوات میں سب سے زیادہ اہم مسئلہ رشتوں ناتوں کا ہوتا ہے، اعلیٰ طبقہ کے لوگ ادنیٰ طبقوں میں شادی بیاہ کرنا خصوصاً اپنی لڑکی دینا عار سمجھتے ہیں، اسلام نے ان ساری بندشوں کو مٹا دیا، آنحضرت ﷺ نے خود اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کی شادی اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ کر کے اس کی عملی مثال قائم کر دی جس کا ذکر کلام مجید تک میں ہے۔

حضرت بلالؓ غلام بھی تھے اور حبشی بھی اور غریب و نادار بھی، مگر جب انھوں نے شادی کی خواہش کی تو بڑے بڑے صحابہؓ اپنی لڑکیاں دینے کے لیے تیار ہو گئے، عہد صحابہؓ میں اس قسم کی اور بھی مثالیں ہیں، بعض اموی اور اکثر عباسی خلفاء لونڈیوں کے بطن سے تھے۔

صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدین نے بھی ہمیشہ اصول مساوات کو ملحوظ رکھا، خصوصاً حضرت عمرؓ کو اس میں بڑا اہتمام تھا، آپ کسی شخصیت کے لیے بھی کوئی ایسا امتیاز پسند نہ فرماتے تھے، جس سے مساوات میں فرق آتا ہو، ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت ابن ابی کعبؓ سے جو بڑے درجہ کے صحابی تھے ملنے گئے، جب وہ مجلس سے اٹھے تو یہ لوگ بھی احتراماً ساتھ ہو گئے، اتفاق سے حضرت عمرؓ آ گئے اور یہ جلوس دیکھ کر کوڑا اٹھایا اور فرمایا: تم نہیں جانتے یہ چیز متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت ہے۔

اپنی خدمت میں حاضر ہونے والوں کو سب سے پہلے اصحاب دین و تقویٰ کو بلاتے تھے، ایک مرتبہ ابوسفیان اور حارث بن عمرو وغیرہ سردارانِ قریش آپؐ کی ملاقات کو گئے، اتفاق سے اس وقت حضرت صہیبؓ، بلالؓ اور عمارؓ بھی ملنے کے لیے آ گئے، حضرت عمرؓ

(۱) مسلم کتاب الفضائل باب فضائل سلمان و صہیب و بلالؓ

نے پہلے ان تینوں بزرگوں کو بلایا اور سردارانِ قریش باہر بیٹھے رہے، ابوسفیان کو سخت ناگوار ہوا، انھوں نے کہا خدا کی شان ہے کہ غلاموں کو تو اندر جانے کی اجازت ملتی ہے اور ہم لوگ باہر بیٹھے انتظار کرتے ہیں، مجمع میں کچھ حق شناس بھی تھے، ان میں سے سہیل بن عمرو نے کہا یہ سچ ہے لیکن ہم کو عمر کی نہیں بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہیے، اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا، اس میں جو اپنی شامت سے پیچھے رہ گئے وہ آج بھی پیچھے رہنے کے مستحق ہیں۔ (۱)

ایک مرتبہ حضرت خبابؓ جو غلام تھے مگر بڑے درجہ کے صحابی تھے، حضرت عمرؓ سے ملنے کے لیے آئے، آپ نے ان کو گدے پر بٹھایا اور فرمایا ایک شخص کے علاوہ ان سے زیادہ کوئی دوسرا اس جگہ کا مستحق نہیں ہے، لوگوں نے پوچھا وہ کون ہے، فرمایا: بلال۔ (۲)

ایک مرتبہ صفوان بن امیہ نے حضرت عمرؓ کی دعوت کی اور کھانے کا خوان ان کے گھر بھجوا دیا، حضرت عمرؓ نے فقیروں کو بلا کر ان کے ساتھ کھانا کھایا اور فرمایا خدا ان لوگوں پر لعنت کرے، جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے میں عار ہوتا ہے۔ (۳)

آپ نے محض غلاموں، مسکینوں اور بے نواؤں کا درجہ بلند نہیں کیا، بلکہ جن کے دماغوں میں دولت و امارت کا غرور اور نشہ تھا اس کو اتار دیا۔

جبلہ بن اسہم شام کا بڑا رئیس بلکہ فرمانروا مسلمان ہو گیا تھا، ایک مرتبہ وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا، اس کی چادر کا کونا ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آ گیا، جبلہ نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا، اس نے بھی برابر کا جواب دیا، جبلہ غصہ سے بے تاب ہو گیا اور حضرت عمرؓ سے شکایت کی، فرمایا: اس کی شکایت کیا، جیسا تم نے کیا اس کی سزا پائی، اس کو اس جواب پر سخت حیرت ہوئی، اس نے کہا ہم اس مرتبہ کے لوگ ہیں کہ ہم سے جو گستاخی کرتا ہے وہ قتل کا مستحق ہوتا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: ہاں جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند

(۱) اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۷۲، تذکرہ سہیل بن عمرو (۲) مستدرک حاکم ج ۳، تذکرہ خبابؓ

(۳) ادب المفرد باب ہل تجلس خادمہ اذا اکل

کو ایک کر دیا، جبلہ نے کہا اگر اسلام ایسا ہی مذہب ہے جو شریف و ذلیل میں فرق نہیں کرتا تو میں ایسے مذہب سے باز آیا اور چھپ کر قسطنطنیہ بھاگ گیا، لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی مطلق پروا نہ کی، اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام نے انسانی مساوات کے قیام میں کس قدر اہتمام کیا ہے۔

خدا اور بندہ کے درمیان کسی وسیلہ کی حاجت نہیں: اسلام سے پہلے جس قدر مذاہب تھے، ان میں تقرب الی اللہ اور نجات و مغفرت کے لیے بھی انسانی وسیلوں کی ضرورت تھی، ان کے بغیر نہ کوئی انسان خدا تک پہنچ سکتا تھا اور نہ ان کی سفارش کے بغیر نجات و مغفرت ہو سکتی تھی، بلکہ مذہبی رسوم اور عبادات بھی ادا نہیں کی جاسکتی تھیں، اس عقیدے نے اکثر مذاہب میں مذہبی اجارہ داروں کا ایک مستقل طبقہ پیدا کر دیا تھا، ہندوؤں میں برہمن، یہودیوں میں احبار اور عیسائیوں میں پوپ اور پادرس کی یادگار ہیں، اس عقیدہ نے عیسائیوں میں کفارہ کا عقیدہ پیدا کیا اور حضرت عیسیٰؑ نے سولی پر چڑھ کر گناہگاروں کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا اور ان کے روحانی جانشینوں کو انسانوں کی مغفرت و نجات کا اختیار دیا گیا، جواب تک قائم ہے اور انسانی مساوات و شرف کے سراسر خلاف ہے، اس لیے اسلام نے نبی کے علاوہ خدا اور بندہ کے درمیان کسی کو وسیلہ نہیں مانا ہے، یہ وسیلہ اس لیے ضروری ہے کہ انسان نبی ہی کے ذریعہ خدا کو پہنچاتا ہے، اس لیے نبی خدا کی جانب سے جو پیغام لاتا ہے اس کی جو وضاحت و تشریح کرتا ہے اور ان کی روشنی میں خود جو تعلیم دیتا ہے، ان سب میں اس کی پیروی ضروری ہے۔

لیکن کسی انسان کے لیے سعی و سفارش اور نجات و مغفرت کا نبی کو بھی اختیار نہیں ہے۔

مَنْ ذِي الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ
وہ کون ہے جو خدا کے حضور میں اس کی
اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔
(بقرہ-۳۴)

مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ (یونس-۱)
خدا کی بارگاہ میں کوئی سفارشی نہیں بن
سکتا مگر اس کی اجازت سے۔

قیامت میں نہ کسی کی سفارش کام آئے گی اور نہ گناہوں کا کفارہ قبول کیا جائے گا۔
وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةُ (بقرہ-۱۵)
اور اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے
کام نہ آئے گا اور نہ اس کی طرف سے
کوئی بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ سفارش
فائدہ دے گی۔

نجات و مغفرت صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔
وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ
خدا کے سوا کون مغفرت کر سکتا ہے۔

(آل عمران-۱۴)

اس تصور نے بندہ کا تعلق خدا سے براہ راست قائم کر دیا، وہ بغیر کسی وسیلہ کے
احکام خداوندی کی پابندی کے ذریعہ خدا تک پہنچ سکتا ہے، اس لیے کہ خدا انسان کی رگ گلو
سے بھی زیادہ قریب ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا
تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ
مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق-۲)
بیشک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس
کے دل میں جو خیالات آتے ہیں ہم اس
کو جانتے ہیں اور ہم اس کی رگ گلو سے
بھی زیادہ قریب ہیں۔

خدا بندے سے قریب ہے، جب بندہ دعا کرتا ہے تو خدا اس کو قبول کرتا ہے۔

إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ
أَجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِي
فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ
يُرْشَدُونَ (بقرہ-۲۲)
جب میرے بندے میرے بارے میں
تجھ سے پوچھیں (تو بتا دے) کہ میں ان
سے قریب ہوں، دعا مانگنے والے کی دعا
قبول کرتا ہوں، جب وہ مجھ سے دعا

مانگے، پس چاہیے کہ میرا حکم مانیں اور
مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ راہِ راست
پر آجائیں۔

جب انسان خدا کو یاد کرتا ہے تو خدا بھی اس کو یاد کرتا ہے۔

فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي
وَلَا تَكْفُرُون (بقرہ-۱۸)

جب تم مجھ کو یاد کرو گے تو میں تم کو یاد
کروں گا اور میرا شکر ادا کرو اور ناشکری
نہ کرو۔

حدیثِ قدسی میں ہے۔

اِذَا تَقَرَّبَ عَبْدِي مِنِّي شَبْرًا تَقَرَّبْتُ
مِنْهُ ذِرَاعًا وَاِذَا تَقَرَّبَ مِنِّي ذِرَاعًا
تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَاِذَا اتَانِي يَمْسِي
اَتَيْتُهُ هَرَوَلَةً (مسلم کتاب الذکر والدعا
والتوبۃ والاستغفار)

جب میرا بندہ مجھ سے ایک بالشتِ قریب
آتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب
آتا ہوں اور جب وہ ایک ہاتھ میرے
قریب آتا ہے تو میں ایک باع (۱) اس
کے قریب آتا ہوں اور جب وہ میرے
پاس آہستہ خرامی سے آتا ہے تو میں اس
کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہوں۔

ان تعلیمات نے بندوں میں بڑی خود اعتمادی پیدا کر دی اور اس کو خدا تک
پہنچنے کے لیے کسی وسیلہ کی ضرورت باقی نہیں رہی، پس طلبِ صادق اور عملِ درکار ہے،
خدا کا فضل خود بندے کی دستگیری فرماتا ہے۔

ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے: دراصل وسیلے اور سعی و سفارش کی ضرورت
وہاں ہوتی ہے جہاں ایک طبقہ مذہب کا اجارہ دار اور نجات و مغفرت کا مختار بنا دیا جائے،
اس سے عمل کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے، اسلام میں اصل چیز عمل ہے، ہر انسان براہِ راست
(۱) دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر

اعمال کا مکلف اور اس کے نتائج کا ذمہ دار ہے۔

ہر شخص اپنی کمائی میں مبتلا ہے۔

كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ

(طور-۱)

جس نے نیک کام کیا تو اپنے نفس کے لیے اور جس نے برا کام کیا تو اس کا وبال اسی پر ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا (جاثیہ-۲)

اور اس دن سے ڈرو جس دن اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (بقرہ-۳۸)

ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے، کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔

کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا اور انسان کو وہی حاصل ہوتا ہے جس کے لیے اس نے کوشش کی اور اس کی کمائی ضرور اس کے سامنے آئے گی پھر اس کو پورا پورا بدلہ ملے گا اور تیرے رب تک سب کو پہنچنا ہے۔

اَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰى وَاَنْ لِّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَغٰی وَاَنْ سَعِیْهُ سَوْفَ یُرٰى ثُمَّ یُجْزٰٓءُ الْجِزَآءَ الْاَوْفٰی وَاَنْ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی (نجم-۴۲)

اس لیے کسی سعی و سفارش کی ضرورت ہی نہیں اور پیغمبر تک اس میں بے بس ہیں،

آنحضرت ﷺ کی زبان سے ارشاد ہے۔

کہہ دیجیے کہ میں اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر یہ کہ جو اللہ کو منظور ہو۔

قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ (یونس-۵)

چنانچہ جب یہ حکم:

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ
(شعراء-۱۱)
اور اپنے قریبی اعزہ کو ڈراؤ۔

نازل ہوا تو آپ نے اپنے خاندان والوں کو جمع کر کے ان کو خبردار کیا۔

اے قریشیو! اے اولاد عبدالمطلب، اے عباس، اے صفیہ، اے فاطمہ میرے مال میں سے جو مانگو دے سکتا ہوں، لیکن خدا کے حضور میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔
ایک مغالطہ کا ازالہ: لیکن یہاں ایک مغالطہ کو دور کر دینا ضروری ہے، آج کل کے متجددین اس کا یہ مطلب نکالتے ہیں کہ دین کی فہم و بصیرت کے لیے بھی کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں، ہر شخص اپنی فہم و بصیرت سے اس کو سمجھ سکتا ہے اور علما پر وہ پاپائیت اور برہمنیت کی پھبتی کتے ہیں مگر یہ ان کا قصور فہم ہے، ان دونوں میں بڑا فرق ہے، علما کا منصب محض احکام دین کی تبلیغ و تعلیم ہے، برہمنوں اور پاپاؤں کی طرح ان کے مخصوص حقوق و امتیازات نہیں، جو عام مسلمانوں کو حاصل نہ ہوں، مسلمانوں کے تمام طبقوں پر علوم دین کے دروازے کھلے ہوئے ہیں بلکہ ان کی تعلیم فرض ہے اور ایک ادنیٰ طبقہ کا نو مسلم بھی ان میں کمال حاصل کر کے امامت و اجتہاد کا درجہ حاصل کر سکتا ہے، چنانچہ بہت سے ائمہ و مجتہدین ان طبقوں سے تھے، جن کو ادنیٰ کہا جاتا ہے اور آج بھی ان میں بڑے بڑے علما موجود ہیں۔

اسی طرح پاپاؤں کی طرح علما کو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے اور نجات و مغفرت کا اختیار نہیں ہے بلکہ ان کی مغفرت بھی ان کے اختیار میں نہیں ہے اور ان کی حیثیت دینی احکام و فتاویٰ میں محض ایک معلم، مفتی اور مشیر کی ہے، ان کا کام صرف دین سے ناواقف لوگوں کو اس کے احکام بتا دینا ہے، اس قسم کے مشیروں اور معلموں سے زندگی کے کسی شعبہ میں بھی مفر نہیں ہے اور ایسی چیزوں میں جن سے خود واقفیت نہ ہو اس کے ماہروں سے مشورہ زندگی کی ناگزیر ضروریات میں سے ہے مثلاً ایک صاحب مقدمہ کسی

وکیل سے مشورہ لینے، مکان بنوانے والا انجینیر سے نقشہ بنوانے اور مریض علاج کے لیے کسی طبیب کی جانب رجوع کرنے پر مجبور ہے، اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے، دینی امور و مسائل میں یہی حیثیت علما کی ہے۔

دنیا کے دوسرے علوم کی طرح علم دین بھی اپنی ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے اور جس طرح دوسرے علوم میں محض ”عام تعلیم“ سے درک حاصل نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے لیے خاص اس فن کی تعلیم کی تحصیل ضروری ہے، اسی طرح دین میں فہم و بصیرت کے لیے دینی علوم کی تحصیل اور اس میں کمال بلکہ اس کے ساتھ اخلاص اور تدین و تقویٰ بھی ضروری ہے، اس کے بغیر دین میں بصیرت نہیں حاصل ہو سکتی، یہ عجیب بات ہے کہ جو لوگ محض انگریزی تعلیم یا عربی میں شد بد حاصل کر کے دین میں فہم و بصیرت اور امامت و اجتہاد کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ بیماری میں خود اپنا علاج اور اپنے مقدمہ میں بغیر وکیل کے خود پیروی نہیں کرتے، حالانکہ ڈاکٹری اور قانون کی تمام کتابیں انگریزی میں ہیں، یہی حال دینی امور و معاملات کا ہے، ان میں وہی صحیح رائے دے سکتا ہے جو دینی علوم میں پوری بصیرت رکھتا ہو، انگریزی داں بھی دینی علوم میں کمال اور دینی فہم و بصیرت حاصل کر کے یہ منصب حاصل کر سکتے ہیں اور اس کی مثالیں موجود ہیں، اس لیے برہمیت اور پاپائیت پر علما کا قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔



تیسرا باب

دین و دنیا کی جامعیت

اسلام کا ایک نمایاں امتیاز دین و دنیا کی جامعیت ہے، دوسرے مذاہب کی طرح اسلام نے دین و دنیا اور جسم و روح کو باہم ضد نہیں مانا ہے بلکہ ایک کو دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیا ہے اور احکام الہی کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرنے اور دنیاوی حقوق و فرائض ادا کرنے ہی سے دین کی تکمیل ہوتی ہے، اس لیے اس کی نگاہ میں دین و دنیا دونوں کی بھلائیوں کو یکساں اہمیت حاصل ہے، جس پر یہ قرآنی دعا شاہد ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي
الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ
(بقرہ-۲۵)

اے ہمارے پروردگار دنیا میں بھی ہم کو
بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی
دے اور ہم کو آتش دوزخ کے عذاب
سے بچا۔

دنیا میں بھلائی کے جو معنی بھی لیے ہیں، ان سے دنیاوی نعمتیں خارج نہیں ہو سکتیں، اس لیے اسلام نے روح کے ساتھ جسم کی ضروریات کا بھی لحاظ رکھا ہے اور ایسی نفس کشی سے منع کیا ہے جس سے جسم کے حقوق کی پامالی ہوتی ہو، اس کی تفصیل آئندہ آئے گی، شریعت کے مقررہ حدود کے اندر دنیا کی ساری نعمتوں اور لذتوں سے متمتع ہونے کی

اجازت ہے، بلکہ نعمتوں کے اعلان و اظہار کا حکم ہے۔

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (ضحیٰ-۱۰) اور اپنے رب کی نعمتوں کا اظہار کرو۔

نرمی و سہولت: اور رہبانیت یعنی ترک دنیا کو حرام قرار دیا ہے اور اپنی جملہ تعلیمات حتیٰ کہ عبادات تک میں تکلیف مالا یطاق نہیں دی ہے۔

کلام مجید کا صریح ارشاد ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ-۴۰) اللہ تعالیٰ کسی پر نا قابل برداشت بوجھ نہیں ڈالتا۔

بلکہ آسانی اور سہولت کا لحاظ رکھا ہے۔

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (بقرہ-۲۲) اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔

مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (مائدہ-۲) اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی کرنا نہیں چاہتا بلکہ تم کو پاک کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ تم پر اپنی نعمت تمام کرے تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ اور دین میں تمہارے لیے کوئی تنگی نہیں ہے۔

حدیث میں ہے۔

أحب الدين عند الله الحنيفة السهلة (۱) اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ دین آسان و دین حنیف ہے۔

اس لیے آنحضرت ﷺ صحابہ کرام کو لوگوں کی سہولت کا لحاظ رکھنے کی ہدایت فرماتے تھے۔

(۱) بخاری کتاب الایمان باب الدین یسر

اِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُبَشِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا
مُعْصِرِينَ يَسِّرُوا وَلَا تُعْصِرُوا
وَأَسْكِنُوا وَلَا تُنْفِرُوا

تم آسانی پیدا کرنے کے لیے بھیجے گئے
ہو، دشواری پیدا کرنے کے لیے نہیں
بھیجے گئے ہو لوگوں کے لیے آسانی پیدا
کرو، دشواری نہ پیدا کرو، ان میں طمانیت
پیدا کرو، وحشت نہ دلاؤ۔

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو کسی مقام پر تبلیغ کے لیے
بھیجا تو ہدایت فرمائی:

يَسِّرَا وَلَا تُعْصِرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنْفِرَا (۱)
لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا، ان کو
بشارت دینا، وحشت نہ دلانا۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دو چیزوں میں سے ایک
چیز قبول کرنے کا اختیار دیا جاتا تھا تو آپ ہمیشہ آسان چیز کو اختیار فرماتے تھے، بشرطیکہ وہ
گناہ نہ ہو، اگر گناہ ہوتا تو اس سے بہت دور رہتے۔ (۲)

(۱) یہ سب روایتیں بخاری کتاب الادب باب قول النبی ﷺ یسر واولا تعسر وادکان یحب التحفیف
والتبشیر علی الناس میں ہیں۔ (۲) اس سلسلہ میں اس کی وضاحت ضروری ہے کہ دین میں
سہولت و آسانی کے معنی مطلق تن آسانی کے لیے نہیں ہیں کہ انسان کو کسی قسم کی زحمت ہی نہ اٹھانا
پڑے، تھوڑی زحمت سے تو انسان کا کوئی فعل، کوئی نقل و حرکت حتیٰ کہ اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا اور کھانا
پینا بھی خالی نہیں ہے بلکہ انسان ساری زحمات پیٹ ہی کے لیے اٹھاتا ہے بلکہ سہولت اور آسانی
کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کی کسی تعلیم میں تکلیف مالا یطاق نہیں ہے، جو انسانی تحمل سے باہر ہو، اگر غور
سے دیکھا جائے تو انسان جتنی مشقتیں، زحماتیں بلکہ تکلیفیں حصول دنیا کے لیے اٹھاتا ہے، ان کا
عشر عشر بھی دین کے حصول میں نہیں اٹھاتا ہے اور جب وہ دنیا کے لیے ہر طرح کی زحماتیں اور
تکلیفیں اٹھانے کے لیے مجبور ہے تو دین کی راہ میں رضائے الہی کے لیے جس میں درحقیقت اسی
کی بھلائی ہے، تھوڑی سی زحمت اٹھانا درحقیقت زحمت نہیں بلکہ خود اپنی (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

عبادت میں غلو اور تشدد کی ممانعت: اکثر مذاہب میں عبادت و ریاضت میں غلو کو دینداری کا معیار مانا جاتا ہے اور روحانی تزکیہ و تطہیر کے لیے سخت قسم کے مجاہدات اور جسمانی مشقتوں بلکہ ایذا رسانی کو ضروری سمجھا جاتا ہے، ان کے عباد و زہاد جسم و جان کو جیسی جیسی دردناک اذیتیں دیتے ہیں اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، سادھوؤں میں آج بھی اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اور قدیم عیسائی راہبوں کے مجاہدات اور جسمانی اذیتوں کی تصویر لکی کی تاریخ اخلاق یورپ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

لیکن اسلام دین رحمت ہے، اس لیے اس نے فطرت انسانی کے مطابق عبادات میں بھی نرمی و سہولت کا لحاظ رکھا ہے اور سخت مجاہدات کو ناپسند کیا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

ان الدین یسر فمن یسار الدین الا
دین آسان چیز ہے جو شخص خود اس میں
غلبہ سختی کرے گا تو وہ اس پر مسلط ہو جائے گا

اس لیے آپ عبادت میں غلو اور تشدد کو ناپسند فرماتے تھے اور صحابہ کرام کو اس سے روکتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بڑے عابد و زاہد بزرگ صحابی تھے، ان کا زیادہ وقت عبادت و ریاضت میں گذرتا تھا، رات بھر نمازیں پڑھتے تھے اور دن کو مسلسل روزے رکھتے تھے، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے ان سے فرمایا مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تم دن بھر روزہ رکھتے اور ساری رات نمازیں پڑھتے ہو، ایسا نہ کرو، روزہ بھی رکھو، افطار بھی کرو، نمازیں بھی پڑھو اور سوؤ بھی، اس لیے کہ تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے جسم کا (بقیہ صفحہ گذشتہ) خدمت اور عین راحت ہے۔

دوسرے آسانی اور سہولت کا معیار اور اس کے حدود کی تعیین انسان کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اس کے حدود وہی ہیں جو شریعت نے مقرر کیے ہیں، اگر انسانوں کو اس کا اختیار دے دیا جائے کہ جس کو جس چیز میں سہولت نظر آئے اس کو اختیار کرے تو مذہب باز سچے اطفال بن جائے گا اور اسلام کی کوئی تعلیم بھی اپنی جگہ پر قائم نہ رہ جائے گی اور دینی وحدت کا خاتمہ ہو جائے گا۔

بھی تم پر حق ہے، تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے اہل و عیال کا بھی تم پر حق ہے، حضرت عبداللہؓ نے عرض کیا مجھ میں اس سے زیادہ مشقت برداشت کرنے کی طاقت نہیں، فرمایا تو خیر! صوم داؤد رکھا کرو، حضرت عبداللہؓ نے پوچھا وہ کس طرح، فرمایا وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے، ایک دن افطار کرتے تھے، یہ بہترین روزہ ہے، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں اور یہ روزہ دائمی روزہ کے برابر ہے، ایک روایت میں ہے کہ رات بھر نمازیں پڑھنے اور دن بھر روزہ رکھنے سے آنکھیں اور نفس تھک جاتا ہے۔ (۱)

حضرت عائشہؓ صدیقہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رحمت و شفقت کے خیال سے لوگوں کو صوم وصال یعنی مسلسل روزہ رکھنے کی ممانعت فرمادی تھی، کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ تو مسلسل روزے رکھتے ہیں (۲) فرمایا میں تم لوگوں کے جیسا نہیں ہوں، مجھ کو میرا رب کھلاتا پلاتا ہے۔ (۳)

یعنی عام لوگ پیغمبر کی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اس سے بعض لوگوں نے یہ مستنبط کیا ہے کہ جن لوگوں میں عباداتِ شاقہ کی طاقت نہ ہو، ان کو اس کی اجازت ہے، لیکن اجازت اور مذہبی فرض سمجھنے اور عباداتِ شاقہ کو اپنے اوپر لازم کرنے میں بڑا فرق ہے، اس ممانعت کی آپؐ نے یہ حکیمانہ توجیہ فرمائی ہے۔

اَعْمَلُوا مَا كَلَّفْتُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَمَلُّ
حَتَّى تَمَلُّوا

جن باتوں کی خدا نے تم کو تکلیف دی ان پر عمل کرو (اپنی طرف سے تشدد نہ کرو) کیونکہ خدا تو ثواب دینے سے نہیں تھکتا البتہ تم خود (تشدد سے) تھک جاؤ گے۔

(۱) بخاری کتاب الصوم کے ابواب حق الجسم فی الصوم، باب صوم الدھر، باب حق الاہل فی الصوم اور باب صوم داؤد میں اس کی مختلف روایتیں ہیں (۲) یہاں مسلسل روزہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ کبھی کبھی مسلسل روزے رکھتے تھے، اس کا مقصد صائم الدھر نہیں ہے۔ (۳) بخاری کتاب الصوم باب الوصال ومن قال لیس فی اللیل صوم

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو تلاوت قرآن سے بھی بڑا شغف تھا، مہینہ میں کئی کئی مرتبہ قرآن ختم کر ڈالتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی روکا اور فرمایا: ایک مہینہ میں ایک قرآن ختم کیا کرو، حضرت عبداللہ نے عرض کیا مجھ میں اس سے زیادہ تلاوت کرنے کی طاقت ہے، فرمایا تو بیس دن میں، حضرت عبداللہ نے پھر وہی عرض کیا، اس طریقہ سے کم کرتے کرتے سات دن مقرر فرمائے اور آخر میں فرمایا: اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے (۱) ایک روایت میں ہے کہ جو شخص تین دن سے کم میں قرآن ختم کرتا ہے وہ اس کو سمجھ کر نہیں پڑھ سکتا۔

حضرت ابو درداء انصاریؓ بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے، ان میں اور حضرت سلمان فارسیؓ میں مواخاۃ تھی، ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسیؓ ان سے ملنے کے لیے ان کے گھر گئے تو ان کی بیوی کو بہت خستہ حال دیکھا، پوچھا یہ کیا صورت بنا رکھی ہے، انھوں نے جواب دیا، تمہارے بھائی دنیا سے بالکل بے نیاز ہو گئے ہیں اب ان کو ان چیزوں کی ضرورت باقی نہیں رہی، حضرت ابو درداءؓ جب گھر آئے تو سلمانؓ کو خوش آمدید کہا اور ان کے لیے کھانا منگایا، مگر خود معذرت کی کہ میں روزے سے ہوں، سلمانؓ نے قسم کھائی کہ جب تک تم نہ کھاؤ گے میں بھی نہ کھاؤں گا، پھر رات کو حضرت ابو درداءؓ کے قریب ہوئے، جب وہ عبادت کے لیے اٹھے تو سلمانؓ نے روکا اور کہا کہ تم پر تمہارے رب کا بھی حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی حق ہے اور تمہارے جسم کا بھی حق ہے، تم کو ان سب کے حقوق ادا کرنے چاہئیں، صبح کو دونوں بزرگوں نے مسجد نبویؐ میں نماز پڑھی اور آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا، آپؐ نے ابو درداءؓ سے فرمایا کہ سلمانؓ نے ٹھیک کہا، وہ تم سے زیادہ دین میں سمجھ رکھتے ہیں۔ (۲)

اپنے گھر والوں کو بھی عبادت شاقہ سے منع فرماتے تھے، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لائے تو دوستوں کے درمیان ایک رسی تنی

(۱) ابو درداء کتاب الصلوٰۃ باب فی کم یقرأ القرآن (۲) یہ واقعہ بخاری میں ہے مگر تفصیل

استیعاب ج ۲ ص ۵۷۳ سے ماخوذ ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک کاشتکار نے حضرت معاذ بن جبلؓ کے پیچھے عشا کی نماز پڑھی، انھوں نے سورۃ بقرہ یا نساء پڑھی، کاشتکار نماز چھوڑ کر چلا گیا، معاذ بن جبلؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے اس کو برا بھلا کہا، اس شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی، آپؐ سخت برہم ہوئے اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے تین مرتبہ فرمایا: انت فتان یا معاذ، معاذ کیا تم لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرو گے، تم نے سَبَّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا اور وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى کیوں نہ پڑھی، کیوں کہ تمہارے پیچھے بوڑھے، کمزور اور ضرورت والے ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ (۱)

اسی طرح حج میں خود ساختہ مشقتوں کو ناپسند فرماتے تھے، ایک مرتبہ آپؐ نے دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص جس میں چلنے کی طاقت نہیں ہے اپنے بیٹوں کے سہارے پیدل چل رہا ہے، آپؐ نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ اس نے پاپیادہ حج کرنے کی منت مانی ہے، آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کے اپنے نفس کو اذیت دینے سے بے نیاز ہے اور اس کو سواری پر جانے کا حکم دیا۔ (۲)

ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا کہ قربانی کے جانور لیے جا رہا ہے، خود تھکا ہوا معلوم ہوتا ہے، فرمایا اس پر سوار ہو جاؤ، اس نے کہا یہ قربانی کے جانور ہیں، فرمایا: سوار ہو جاؤ قربانی ہی کے جانور ہی۔ (۳)

اس میں بارہ میں آنحضرت ﷺ کا اسوۂ حسنہ یہ تھا۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ تین جماعتیں رسول اللہ ﷺ کے معمولات عبادت کو پوچھنے کے لیے ازواج مطہراتؓ کے گھروں پر آئیں، معمولات معلوم کرنے کے بعد اپنے نزدیک ان کو کم سمجھا اور کہا ہمارا رسول اللہؐ کا کیا مقابلہ ہے، آپؐ کے سارے اگلے پچھلے گناہ معاف ہیں (یعنی آپؐ کو کثرت عبادت کی ضرورت نہیں) ان میں سے ایک

(۱) بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من شک امامہ اذا طول (۲) بخاری کتاب الحج باب من نذر لمشي الى

الکعبۃ (۳) بخاری کتاب الحج

آنحضرت ﷺ نے نکاح کو سنت اور اس سے اعراض کرنے والے کو اپنی جماعت سے خارج قرار دے دیا۔

النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ عَنْهُ
فَلَيْسَ مِنِّي (۱)
نکاح میری سنت ہے، جو شخص اس سے
اعراض کرتا ہے وہ میری جماعت سے
نہیں ہے۔

بعض زاہد متقشف نفسانی خواہشوں سے بچنے کے لیے اپنی قوت رجولیت ہی ختم
کر دیتے تھے، آنحضرت ﷺ نے اس کی بھی ممانعت فرمادی، حضرت سعد بن ابی وقاص
روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی ترک نکاح کی درخواست
رد فرمادی، ورنہ ہم لوگ قوت رجولیت ہی کو ختم کر دیتے۔

امام بخاری نے یہ روایت کتاب النکاح باب ما یکرہ من الخصاص میں نقل کی ہے
جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب ترک نکاح کی ممانعت ہے تو قوت رجولیت کو ختم کرانے
کی ممانعت بدرجہ اولیٰ ہوگی اور فقہانے تو تصریح کے ساتھ اس کو حرام لکھا ہے۔

ترک لذات کی ممانعت: زہد و دینداری کا دوسرا معیار ترک لذات تھا اور عباد و زہاد
تمام دنیاوی لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے، اسلام نے اس کی بھی ممانعت کر دی، کلام
مجید نے نہ صرف اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے متمتع ہونے کی اجازت دی بلکہ اس کا حکم دیا کہ اللہ
تعالیٰ کی حلال کی ہوئی نعمتوں کو اپنے اوپر حرام کرنا اسلامی حدود سے تجاوز ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا مَا آخَلَ
اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
الْمُعْتَدِينَ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ
حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ
أَعْلَىٰ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ان چیزوں
کو حرام نہ کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال
کیا ہے اور حد سے آگے نہ بڑھو، اللہ حد
سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا

(۱) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تارک نکاح مسلمان نہیں ہے بلکہ اس نے اسلامی احکام کے خلاف
کام کیا۔

مُؤْمِنُونَ (مائدہ-۱۱)

اللہ نے تم کو جو حلال اور پاکیزہ رزق دیا
ہے اس کو کھاؤ اور اس اللہ سے ڈرو جس
پر تم ایمان لائے ہو۔

حلال چیزوں کو حرام کرنا شیطان کی پیروی ہے۔

لوگو! روئے زمین میں جو چیزیں حلال
و طیب قسم کی ہیں، ان کو کھاؤ اور شیطان
کے قدم بہ قدم نہ چلو وہ تمہارا کھلا ہوا
دشمن ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ
حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطَوَاتِ
الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ
(بقرہ-۳۱)

پاکیزہ چیزوں کو کھاؤ پیو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

اے ایمان والو، ہم نے تم کو پاکیزہ رزق
ڈیا ہے اس کو کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا
کرو، اگر تم صرف اسی کی عبادت کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ
مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ
إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (بقرہ-۲۱)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں جسمانی زیب و زینت بھی ہے، اس لیے اس کو بھی ترک
کرنے کی ممانعت ہے بلکہ عبادت کے اوقات میں خاص طور سے زیب و زینت کی
تاکید ہے۔

اے بنی آدم ہر نماز کے وقت زیب و
زینت اختیار کرو اور کھاؤ پیو لیکن اسراف
نہ کرو، اسراف کرنے والوں کو خدا پسند
نہیں کرتا، کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے
بندوں کے لیے جو زینت و آرائش اور
پاکیزہ رزق کی چیزیں بنائی ہیں ان کو کس
نے حرام کیا ہے، کہہ دو یہ نعمتیں ہیں

يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ
مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا
إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ قُلْ مَنْ حَرَّمَ
زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ
وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ
آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةٌ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ (الاعراف-۳)

ایمان والوں کے لیے، دنیا کی زندگی
میں اور قیامت تک ان کے لیے مخصوص
ہوں گی۔

ان نعمتوں کے اعلان و اظہار کا حکم دیا ہے۔

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (والضحیٰ-۱) اور اپنے رب کی نعمتوں کا اظہار کرو۔

اس آیت کی تفسیر میں کئی اقوال منقول ہیں، بیشتر لوگوں نے اس سے دینی نعمتیں
مراد لی ہیں، لیکن دنیاوی نعمتیں بھی اس سے خارج نہیں ہیں اور صحیح یہ ہے کہ دینی اور دنیاوی
دونوں نعمتیں مراد ہیں، اس سے پہلے کی آیات وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ اور وَوَجَدَكَ عَائِلًا
فَأَغْنَىٰ سے بی اس کی تائید ہوتی ہے، کیوں کہ پہلی نعمت یعنی ہدایت دینی ہے اور دوسری
نعمت غنی دنیاوی ہے اور دونوں نعمتوں کے اظہار کا حکم دیا گیا ہے، صاحب روح المعانی نے
مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ بظاہر نعمت سے وہ تمام نعمتیں مراد ہیں، جو اللہ
تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائی تھیں، منجملہ ان نعمتوں کے وہ بھی ہیں جن کا اوپر کی
آیتوں میں ذکر ہے۔ (۱)

حدیثوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ دنیاوی نعمتوں کے
اعلان و اظہار کی ہدایت فرماتے تھے، ابوالاحوص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں
ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت میری ہیئت بری تھی، آپ نے
مجھ سے کہا تمہارے پاس کچھ مال ہے، میں نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کا مال دے
رکھا ہے، فرمایا تو تم پر اس کا اثر ظاہر ہونا چاہیے۔ (۲)

کسب دنیا کا حکم: اسلام نے ایک مسلمان پر اتنے حقوق اللہ اور حقوق العباد عائد کر دئے
ہیں کہ ترک دنیا کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی مثلاً انفاق فی سبیل اللہ، صدقہ و خیرات، اہل و

(۱) تفسیر روح المعانی ج ۳ ص ۱۶۴ (۲) نسائی کتاب الزیۃ باب ذکر ما یستحب من الثیاب

وما یکرہ منها

عیال، اعزہ و اقرباء، غربا و مساکین اور قوم و ملت کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی امداد و اعانت کسب دنیا کے بغیر ناممکن ہے، اس لیے دین اور آخرت کی فکر کے ساتھ کسب دنیا بھی ضروری ہے۔

وَاتَّبِعْ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ
وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا
(قصص-۸)

خدا نے تم کو جو کچھ دے رکھا ہے اس میں
دار آخرت کی بھی فکر کرتے رہو اور دنیا
سے تمہارا جو حصہ ہے اس کو فراموش نہ کرو

طلب معاش کا حکم:

فَاتَّبِعُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ
فَضْلِ اللَّهِ (جمہ-۲)

خدا کے فضل (معاش) کی تلاش کے
لیے زمین پر پھیل جاؤ۔

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا
آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً
لِتَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا
عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ
(بنی اسرائیل-۱)

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا،
رات کی نشانی کو ماند کر دیا اور دن کی نشانی
کو روشن بنایا تاکہ تم اپنے رب کا فضل
(معاش) تلاش کرو اور تاکہ برسوں کی
گنتی اور حساب کو جانو۔

رَبُّكُمْ الَّذِي تَجْرِي لَكُمْ الْفُلُكُ فِي
الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ
رَحِيمًا (بنی اسرائیل-۶)

تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے لیے
سمندر میں جہازوں کو چلاتا ہے تاکہ تم
اس کا فضل تلاش کرو وہ تم پر مہربان ہے۔

حَتَّى كَذَّبَ كُفَّاءُ يَوْمَ تَبْتَدُّوا فَضْلًا
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا
مِنْ رَبِّكُمْ (بقرہ-۲۵)

حتی کہ حج کے ایام میں بھی تجارت وغیرہ کے ذریعہ کسب معاش کی اجازت ہے۔
(حج کے ایام میں) اپنے رب کا فضل
(حصول معاش) حاصل کرنے میں کچھ
حرج نہیں۔

حدیثوں میں کسب معاش اور دنیاوی جدوجہد کے اس سے زیادہ صریح احکام

ہیں۔

اعْمَلْ لِدُنْيَاكَ كَأَنَّكَ تَعِيشُ أَبَدًا
وَأَعْمَلْ آخِرَتَكَ كَأَنَّكَ تَمُوتُ غَدًا

اپنی دنیا کے لیے اس طرح کام کرو گویا تم
کو ہمیشہ دنیا میں رہنا ہے اور اپنی آخرت
کے لیے اس طرح کام کرو گویا تم کو کل ہی
مرنا ہے۔

اعْمَلْ عَمَلْ أَمْرٍ لِيُظَنَّ أَنْ لَنْ
يَمُوتَ أَبَدًا وَاحْذَرِ أَمْرٍ يَخْشَى
أَنْ يَمُوتَ غَدًا (۱)

اس آدمی کی طرح دنیاوی کاموں کو
مستعدی سے انجام دو جو یہ سمجھتا ہے کہ
اس کو کبھی نہیں مرنا ہے اور اس آدمی کی
طرح خوف و احتیاط کرو جس کو اندیشہ
ہے کہ کل ہی مر جائے گا۔

أَعْظَمُ النَّاسِ هَمًّا الْمُؤْمِنُ الَّذِي هَمَّ
بِأَمْرِ دُنْيَاةٍ وَأَمْرِ آخِرَتِهِ (۲)

سب سے زیادہ عالی ہمت وہ ہے جو اپنی
دنیا اور آخرت دونوں کے معاملہ میں
پوری توجہ سے کام لے۔

أَجْمِلُوا فِي طَلَبِ الدُّنْيَا فَإِنَّ كُلًّا
مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ (۳)

دنیا کی طلب خوبی کے ساتھ کرو جس کا جو
حصہ مقرر ہو چکا ہے وہ ضرور ملے گا۔

طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ،
طَلَبُ الْحَلَالِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ
مُسْلِمٍ (۴)

مذہبی فرائض کی ادائیگی کے بعد رزق
حلال کی طلب فرض ہے، حلال روزی کی
طلب ہر مسلمان پر واجب ہے۔

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَنْ يَأْخُذَ
أَحَدُكُمْ حَبْلَةً فَيَحْطُبُ عَلَى ظَهْرِهِ

قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں
میری جان ہے یہ بات کہ تم میں سے کوئی

(۱) جامع صغیر جلد اول (۲) ابن ماجہ باب الاقتضاء فی طلب المعیشتہ (۳) ایضاً

(۴) جامع صغیر

خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْتِيَ رَجُلًا فَيَسْأَلَهُ
أَعْطَاهُ أَوْ مَنَعَهُ

شخص رسی لے اور لکڑی کا گٹھا باندھ کر
اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے، اس کے لیے اس
سے کہیں بہتر ہے کہ وہ کسی کے پاس جا کر
سوال کرے اور وہ اس کو دے یا نہ دے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک انصاری نے آنحضرت ﷺ کی
خدمت میں حاضر ہو کر کچھ مانگا، آپؐ نے ان سے پوچھا تمہارے گھر میں کوئی چیز ہے،
انہوں نے کہا ہاں ایک ٹاٹ ہے، جس کا ایک حصہ ہم اوڑھتے اور ایک بچھاتے ہیں، ایک
پیالہ ہے جس میں پانی پیتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دونوں چیزیں میرے پاس لے
آؤ، وہ لے آئے، آپؐ نے ان کو ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ ان کو کون خریدتا ہے، ایک شخص
نے کہا میں ایک درہم میں خریدتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا کوئی شخص اس
سے زیادہ دیتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں دو درہم میں لیتا ہوں، آپؐ نے دونوں چیزیں اس
شخص کو دے دیں اور دو درہم لے کر انصاری کو دے اور فرمایا ایک درہم کا کھانے پینے کا
سامان خرید کر اپنے گھر بھیج دو اور ایک درہم کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ، وہ شخص
کلہاڑی خرید کر لے آیا، آپؐ نے اپنے ہاتھ سے اس میں بینٹ لگا کر انصاری کو دیا کہ
جاؤ اس سے لکڑی کاٹ کر فروخت کرو، میں پندرہ دن تک تم کو نہ دیکھوں، اس ارشاد پر
انہوں نے پورا عمل کیا اور جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے تو ان کے
پاس دس درہم تھے، اس سے انہوں نے کپڑا اور کھانے پینے کا سامان خریدا، آپؐ نے فرمایا
یہ تمہارے لیے اس سے کہیں بہتر ہے کہ بھیک مانگنے سے قیامت میں تمہارا چہرہ داغدار
ہو جائے، مانگنا صرف ایسے آدمی کے لیے جائز ہے جو انتہائی افلاس میں مبتلا ہو یا جس پر
بڑا تاوان عائد ہو گیا ہو یا خوبہا۔ (بخاری)

ایک غلط فہمی کا ازالہ: اس کے مقابل میں ایسی آیات و احادیث بھی ہیں، جن میں
دنیاوی ساز و سامان اور چند روزہ عیش و عشرت کی مذمت و تحقیر اور زہد عن دنیا کی بڑی

تعریف و تاکید ہے اور دنیا کے مقابلہ میں اصل زندگی حیاتِ آخرت کو قرار دیا گیا ہے، جس سے بظاہر یہ دھوکہ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں آیات و احادیث میں تناقض ہے، لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے، بلاشبہ اسلام نے اصلی زندگی حیاتِ آخرت کو قرار دیا ہے، جس کا ذریعہ زہدِ عین الدنیا ہے، لیکن خود زہد کے بارہ میں دوسرے مذاہب نے بڑی افراط و تفریط سے کام لیا ہے اور اس کے مفہوم ہی میں غلط فہمی رہی ہے، اسلام نے اس کی تصحیح کر کے اس میں اعتدال و توازن پیدا کیا، زہد کا مفہوم عموماً یہ لیا جاتا ہے کہ دنیا کو چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی جائے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو چھوڑ کر جسم و جان کو مجاہداتِ شاقہ میں گھلایا جائے۔

لیکن اسلام دینِ فطرت اور عالمِ انسانیت کا مذہب ہے، اس کا مقصد دین و دنیا دونوں کی فلاح ہے اور ترکِ دنیا سے انسانی معاشرہ کا پورا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور سارے انسانی حقوق و فرائض کی پامالی اور ساری مشقتوں اور ریاضتوں کے بعد صرف ذاتی اصلاح ہوتی ہے اور اسلام کے پیشِ نظر پوری انسانی برادری کی فلاح ہے اور ترکِ دنیا سے یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے، اس لیے ترکِ دنیا کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے اور زہد کے مفہوم میں یہ اصلاح کی کہ زہد ترکِ دنیا کا نام نہیں بلکہ حقیقی زہد یہ ہے کہ دنیا سے متعلق رہتے ہوئے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی اور حدود و شریعت کے اندر دنیاوی نعمتوں سے تمتع کے ساتھ دنیاوی زندگی اور اس کے عیش و تنعم کو بے حقیقت اور رضائے الہی، تعلق مع اللہ اور حیاتِ اخروی کو اصل مقصود سمجھا جائے، اللہ کی نعمتوں سے جائز تمتع اور دنیاوی ساز و سامان اور عیش و عشرت کو مقصودِ زندگی بنا لینے میں بڑا فرق ہے، ان کو مقصود بنا لینا اور اس میں غرق ہو جانا البتہ نہ صرف زہد بلکہ اسلام کی روح کے خلاف ہے۔

اسلام کا اصل مقصود رضائے الہی اور تعلق مع اللہ ہے اور یہ چیز اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب دین و دنیا دونوں سے متعلق اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حقوق و فرائض ادا کیے جائیں اور دنیا سے بالکل قطع تعلق اس کے سراسر خلاف ہے، اس لیے رضائے الہی کے حصول کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسلام نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے یا جن کی اجازت دی ہے،

ان پر خدا کی خوشنودی کے لیے عمل کیا جائے، اس اصول سے اپنے جسم و جان، اہل و عیال اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی بھی عبادت اور رضائے الہی کا ذریعہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کے اندر دنیا سے تعلق اور اس کی لذتوں اور نعمتوں سے انتفاع زہد کے خلاف نہیں بلکہ عین دین ہے اور ایک انسان دنیاوی تعلقات کے ساتھ بھی دین و تقویٰ کا بڑے سے بڑا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔

جن آیات و احادیث سے دنیاوی زندگی اور اس کے عیش و تنعم کی مخالفت ظاہر ہوتی ہے اس سے وہ عیش و تنعم مراد ہے جو خدا اور آخرت سے غافل کرنے والا ہو اور جس میں غرق ہو کر انسان دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جائے، ورنہ شریعت کے مقرر کردہ حدود کے اندر دنیا کو برتنا عین دین و تقویٰ ہے، مولانا روم نے اس شعر میں اسی حقیقت کو واضح کیا ہے۔

چست دنیا از خدا غافل بودن نے قماش و نقره و فرزند و زن
عبادت کے معنی میں وسعت: دین و دنیا کی علاحدگی کے بارے میں غلط فہمی کا ایک
سبب یہ بھی ہے کہ دوسرے مذاہب میں اور ان کے اثر سے مسلمانوں کے ایک طبقہ میں بھی
دین کو عبادت کے اصطلاحی مفہوم یعنی اس کے مخصوص رسوم و اعمال تک محدود اور انہی کو اصل
عبادت سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اسلام نے عبادت کے مفہوم میں بڑی وسعت پیدا کی، اس کی
رو سے ہر وہ نیک کام جو خدا کی خوشنودی کے لیے کیا جائے، خواہ وہ بظاہر دنیاوی ہی کیوں نہ
ہو عبادت ہے، چنانچہ کلام مجید میں ہر جگہ ایمان کے ساتھ ہی عمل صالح کا مطالبہ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا
(کہف-۱۳)

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام
کیے ان کی مہمانی کے لیے باغ فردوس
ہیں۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا

ان میں سے جو لوگ ایمان لائے اور
نیک کام کیے اللہ نے ان سے مغفرت

عَظِيمًا (فتح-۴)

اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ
عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ
أَحَدًا (کہف-۱۲)

پس جس کو اپنے رب سے ملنے کی امید
ہے اس کو چاہیے کہ نیک کام کرے اور
کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بنائے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ
(حج-۷)

پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام
کیے، وہ آرام کے باغوں میں ہوں گے۔

اس قسم کی آیات بھی ہیں اور عملِ صالح میں عبادت، معاملات اور اخلاق سب
داخل ہیں، ان کا درجہ عبادات سے کم نہیں ہے، اس کی تائید احادیث سے ہوتی ہے، بخاری
کی روایت ہے۔

السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمَسْكِينِ
كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ كَالَّذِي
يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ (۱)

بیواؤں اور مسکینوں کے لیے کوشش
کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کے مثل ہے
یا اس شخص کے مثل ہے جو دن بھر روزے
رکھتا اور رات بھر نمازیں پڑھتا ہے۔

ایک دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اعمالِ صالحہ کا درجہ عبادات سے
بھی بڑھ کر ہے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا:

أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلِ مِنْ دَرَجَةِ
الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ قَالُوا بَلَى
يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: إِصْلَاحُ ذَاتِ
الْبَيْنِ (۲)

میں تم کو روزہ، نماز اور زکوٰۃ سے بڑے
درجہ کی چیز بتاؤں، صحابہؓ نے عرض کیا:
ہاں یا رسول اللہ! فرمایا: لوگوں میں صلح
کرائنا۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ اپنی کلمہ کی انگلی اور درمیانی انگلی

(۱) بخاری کتاب الادب باب الساعی علی الارملہ (۲) ادب المفرد باب اصلاح ذالین

دکھا کر فرمایا:

اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ
هَكَذَا (۱)
میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت
میں اتنے ہی قریب ہوں گے جتنی یہ
دونوں انگلیاں قریب ہیں۔

اصولی طور پر ہر نیکی کا کام صدقہ ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كُلُّ مَعْرُوفٍ
صَدَقَةٌ (۲)
نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہر نیکی کا کام صدقہ
ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلم پر صدقہ کرنا ضروری
ہے، لوگوں نے عرض کیا اگر اس کے پاس نہ ہو، فرمایا تو محنت کر کے کمائے، خود بھی اس سے
فائدہ اٹھائے اور دوسروں پر بھی صدقہ کرے، لوگوں نے عرض کیا اگر اس کی طاقت نہ
ہو یا ایسا نہ کر سکے، فرمایا تو ضرر رسیدہ حاجتمند کی مدد کرے، لوگوں نے عرض کیا اگر اس کی بھی
قدرت نہ ہو، فرمایا تو کم سے کم نیکی اور بھلائی کی ترغیب دے۔ (۳)

اس اعتبار سے سارے اعمالِ حسنہ صدقہ ہیں اور اجر و ثواب میں عبادت سے کم
نہیں حتیٰ کہ اپنی بیوی اور بچوں کو کھلانا بھی اجر و ثواب ہے۔ (۴)

اس لیے دنیا سے تعلق دینداری اور زہد کے خلاف نہیں ہے بلکہ حقوق اللہ کے
ساتھ حقوق العباد کو ادا کرنا عین دین و تقویٰ ہے، رسول اللہ ﷺ سے زیادہ زاہد زیادہ متقی،
زیادہ رضائے الہی اور تعلق مع اللہ کا طالب اور کون ہوگا، لیکن آپؐ نے دین و دنیا دونوں
کو برت کر دکھا دیا، اس لیے دنیائے انسانیت پر اسلام کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے
دنیا سے تعلق رکھتے ہوئے وصول الی اللہ اور حصول آخرت کی راہ بہت آسان کر دی۔

ایک استثناء: اس سے انکار نہیں کہ مسلمانوں میں ایسے صوفیہ و مشائخ ہمیشہ رہے ہیں،

(۱) بخاری باب فضل من یقول یتیم (۲) بخاری کتاب الادب کل معروف صدقہ

(۳) ایضاً (۴) ادب المفرد باب ما یوجز فی کل شیء

جو بظاہر تارک الدنیا تھے اور انھوں نے دنیا اور اس کے تعلقات کی بڑی مذمت کی ہے لیکن اس سے مراد اسی قسم کی دنیا ہے، جس کی مذمت قرآن مجید اور احادیث نبویؐ میں ہے، اس لیے انھوں نے بھی مطلق ترک دنیا کی تلقین نہیں کی، اکابر صوفیہ تو ہمیشہ کتاب و سنت پر عمل کی تاکید کرتے رہے، مطلق ترک دنیا کی مثالیں شاذ ہی ملتی ہیں جن کی حیثیت استثنائی ہے، مگر ایسے بزرگوں نے بھی خلق اللہ کے ارشاد و ہدایت کا دروازہ کبھی نہیں بند کیا بلکہ ان کا مقصد زندگی ہی ارشاد و ہدایت تھا، اس سے زیادہ سے زیادہ اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اگر ضرورت ہو تو مصلحین و معلمین کو اس کی اجازت ہے کہ وہ دنیاوی علائق سے کنارہ کش ہو کر اپنی زندگی لوگوں کی اصلاح کے لیے وقف کر سکتے ہیں، جس کی بعض مثالیں عہد رسالت میں بھی ملتی ہیں۔



چوتھا باب

حقوق العباد

(اخلاق)

اوپر کے ابواب میں عقائد و عبادات اور ان سے متعلق بعض معاشرتی امور و معاملات میں اسلام کی اصلاحات، اس کے احکانات اور اس کی رحمتوں اور شفقتوں کا ذکر تھا لیکن اصل چیز معاملات اور حقوق العباد ہیں، دنیا کا سارا کارخانہ انسانی حقوق و فرائض کی تعین اور ان کے تحفظ پر قائم ہے یعنی ایک معاشرہ میں انسانوں کے کیا حقوق اور ان سے متعلق ان کے کیا فرائض ہیں اور وہ ان کی ادائیگی کے کہاں تک مکلف ہیں، ان میں سے بعض تو اصولی حقوق اور ان کے متعلق کلی احکام ہیں اور ان کا تعلق پورے معاشرہ کی فلاح سے ہے، اگر ان کو عمل میں نہ لایا جائے تو معاشرہ کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ مثلاً عدل و انصاف کا قیام، ظلم و جور کا انسداد، انسانی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت، دوسرے افراد کے حقوق کا خیال مثلاً دولتمندوں پر غریبوں کے اور غربا پر دولتمندوں کے، باپ پر بیٹے کے، بیٹے پر باپ کے، بیوی پر شوہر کے، شوہر پر بیوی کے، اسی طریقہ سے اور رشتہ داروں کے دوسرے رشتہ داروں پر اور بڑوں پر چھوٹوں کے اور چھوٹوں پر بڑوں کے، دس علی ہذا پھر مختلف طبقوں کے ایک دوسرے پر کیا حقوق ہیں، ان کی بھی دو قسمیں ہیں،

ایک قانونی جن کی ادائیگی پر قانون مجبور کرتا ہے، دوسرے اخلاقی جن کی ادائیگی پر قانون تو مجبور نہیں کرتا لیکن ان کی ادائیگی انسانی شرافت کا تقاضا ہے، آئندہ ابواب میں اس کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

عدل و انصاف کا قیام: ان میں سب سے مقدم عدل و انصاف ہے کہ اسی پر معاشرہ بلکہ دنیا کا سارا کارخانہ قائم ہے، اگر عدل و انصاف ختم ہو جائے تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے اور وہ جہنم کا نمونہ بن جائے، اس لیے دنیاوی قانون کا منشا بھی عدل و انصاف کا قیام ہے، اسلام نے جس تفصیل سے عدل کے تمام پہلوؤں کو واضح کیا ہے، اس کی مثال دوسرے مذاہب میں نہیں مل سکتی، اسلامی عقیدہ کی رو سے سب سے بڑا عادل خود اللہ تعالیٰ ہے، چنانچہ عدل اس کے اسمائے حسنیٰ میں ہے، وہ اپنے عدل ہی سے کارخانہ عالم کو سنبھالے ہوئے ہے۔

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ
وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ
اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے
سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم
والے بھی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ عدل و
انصاف کے ساتھ کارخانہ عالم کو سنبھالے
ہوئے ہے۔

(آل عمران-۲)

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد بھی عدل و انصاف کا قیام ہے۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا
مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ
بِالْقِسْطِ (حدید-۲)

تحقیق ہم نے پیغمبروں کو کھلے کھلے
معجزے دے کر بھیجا اور ہم نے ان کی
معرفت کتابیں اتاریں اور ترازو کو رواج
دیا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

کلام مجید کے نزول کا مقصد بھی عدل و انصاف کا قیام ہے، رسول اللہ ﷺ کو حکم

ہوتا ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ
لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا
تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا (نساء-۱۶)

ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تم پر اتاری
تا کہ جیسا تم کو خدا نے سمجھایا ہے اس کے
مطابق لوگوں میں انصاف کے ساتھ
فیصلہ کیا کرو اور دغا بازوں کے حامی نہ بنو

اللہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

وَإِنْ حَكَمْتَ فَأَحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ
إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ
(مائدہ-۱۶)

اور جب فیصلہ کرو تو ان کے (یہود)
درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو،
کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو
دوست رکھتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے ارشاد ہوتا ہے۔

اور انصاف کو ملحوظ رکھو بیشک اللہ انصاف
کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔
بیشک اللہ انصاف اور نیکی کرنے کا حکم
دیتا ہے۔

وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ
(حجرات-۱)
إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ
(نحل-۱۳)

گواہی میں خواہ وہ کسی قرابت مندی ہی کا معاملہ ہو، عدل کو ملحوظ رکھو۔

اور (گواہی یا فیصلہ میں) جب بات کرو تو
خواہ قرابت مندی کے مقابلہ ہو انصاف
کا لحاظ رکھو۔

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ
(انعام-۱۹)

اپنی ذات اور والدین کے معاملہ میں بھی شہادت میں انصاف کا دامن ہاتھ سے

نہ چھوٹنے پائے۔

مسلمانو! مضبوطی کے ساتھ انصاف پر
قائم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، اگرچہ یہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ
بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ

أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ
يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أُولَىٰ بِهِمَا
فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا وَأَنْ
تَلُؤُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا
تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (نساء-۲۰)

گواہی تمہاری ذات یا ماں باپ اور رشتہ
داروں کے خلاف ہی کیوں نہ پڑے،
اگر ان میں کوئی مالدار یا محتاج ہے تو اللہ تم
سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے تو تم انصاف
کرنے میں اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو
کہ حق سے انحراف کرنے لگو اور اگر دبی
زبان سے گواہی دو گے یا گواہی سے
پہلو تہی کرو گے تو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ
اس سے واقف ہے۔

ان آیات میں مقدمات اور گواہی میں انصاف کے خلاف جتنے پہلو نکل سکتے تھے
سب کی جڑ کاٹ دی، ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ
إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ
أَنْ تَعْدِلُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ يَعْظُمُكُمْ
بِهِ، إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ (نساء-۷)

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت
والوں کو پہنچاؤ اور جب لوگوں کے
جھگڑے فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ
فیصلہ کرو اللہ تم کو جو نصیحت کرتا ہے وہ
بہت اچھی ہے اور اللہ سنتادیکھتا ہے۔

دشمنوں کے معاملہ میں عدل: دشمنوں کے ساتھ بھی بے انصافی کی ممانعت اور جادہ
انصاف پر قائم رہنے کی تاکید ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ
بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ
شَنَاةُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا إِعْدِلُوا
هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ خَبِيرٌ

مسلمانو! خدا کے واسطے انصاف کے
ساتھ گواہی دینے پر آمادہ رہو اور لوگوں
کی عداوت تم کو اس جرم کے ارتکاب کی
باعث نہ بنے کہ تم (معاملات میں ان

بِمَا تَعْمَلُونَ (مائدہ-۲)

کے ساتھ) انصاف نہ کرو، ہر حال میں
انصاف کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب
ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ جو کچھ تم
کرتے ہو اللہ اس سے واقف ہے۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

اور مسلمانو! بعض لوگوں نے تم کو حرمت
والی مسجد (خانہ کعبہ) سے روکا ہے تو یہ
عداوت تم کو زیادتی کرنے کا باعث نہ ہو
اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں
ایک دوسرے کے مددگار بنو اور گناہ اور
زیادتی کے کاموں میں مددگار نہ بنو اور
اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ
صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ
تَعْتَدُوْا وَتَعَاوَنُوْا عَلٰى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى
وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلٰى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ
(مائدہ-۱)

عفو و درگزر: عدل کا مقتضایہ بھی ہے کہ مجرموں کو ان کے جرم کی پوری سزا دی جائے،
اسلام کی عدالت میں ان کے ساتھ کوئی رورعایت نہیں، ورنہ معاشرہ اور حکومت کسی کا نظام
قائم نہیں رہ سکتا، لیکن ذاتی معاملات میں عدالت سے باہر مظلوم کو جس کے ساتھ کسی قسم کی
زیادتی کی گئی ہے، اس کا حق دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو برابر کا بدلہ لے لے اور چاہے معاف
کردے لیکن عفو و درگزر کا درجہ بلند قرار دیا ہے۔

اور برائی کا بدلہ ویسے ہی برائی ہے لیکن
جو شخص معاف کر دے اور صلح کر لے تو
اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ظلم
کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا
وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهُ لَا يُحِبُّ
الظَّالِمِيْنَ (شوریٰ-۴۳)

ایک دوسری آیت میں ہے۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ
(نحل-۱۵)

اور اگر تم پر سختی کی گئی تو تم بھی ویسی ہی سختی کر لو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی اور اگر تم صبر سے کام لو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔

فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ
(بقرہ-۲۴)

پس جو شخص تم پر کسی قسم کی زیادتی کرے تو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے ویسی ہی زیادتی تم اس پر کر لو (لیکن زیادتی کرنے میں) خدا سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ انہی کا ساتھی ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور جو شخص صبر کرے اور دوسرے کی خطا معاف کر دے تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے

وَلِمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ فَإِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (شوری-۴)

عفو و درگزر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور غفار و غفور اس کے اسمائے حسنیٰ میں ہیں، جن کا ذکر کلام مجید میں بار بار آیا ہے اور یہ آیت تو اس کے عفو و درگزر اور رحمت و مغفرت کا منہائے کمال ہے۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ اسْرِفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (زمر-۶)

اے میرے بندو! جنہوں نے (گناہ سے) اپنے اوپر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بیشک اللہ سب گناہ معاف کر دیتا ہے اور بیشک وہی تو بخشنے والا مہربان ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بھی عفو و درگزر کی توقع کرتا ہے، غصہ کا ضبط اور عفو و درگزر ان اوصاف میں سے ہے جن کا صلہ مغفرت اور آسمانوں اور زمین کی جیسی وسیع جنت ہے، اس لیے حکم ہوتا ہے کہ

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ
عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ
لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ
وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ
عَنِ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ
(آل عمران-۱۳)

اور اپنے پروردگار کی بخشش اور جنت
کی طرف لپکو، جس کا پھیلاؤ آسمانوں اور
زمین کے جیسا ہے، جو ان پر ہیزگاروں
کے لیے تیار کی گئی ہے جو تنگ دستی اور
خوشحالی دونوں حالتوں میں خدا کی راہ میں
خرچ کرتے ہیں اور غصے کو گھونٹ جاتے
ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں اور
اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

عفو و درگزر کے صلہ میں خدا درگزر کرنے والے کے گناہوں کو معاف کرتا ہے۔

اور چاہیے کہ وہ (خطا کو) معاف کر دیں
اور درگزر سے کام لیں، کیا تم نہیں
چاہتے کہ خدا تم کو معاف کرے اور اللہ
معاف کرنے والا مہربان ہے۔

اور بھلائی علانیہ کرو یا خفیہ یا برائی سے
درگزر کرو تو اللہ باوجود قدرت کے
درگزر کرتا ہے (اس لیے تم بھی درگزر
سے کام لو)

برائی کا جواب بھلائی سے دینا بڑے حوصلہ کا کام ہے، اس سے دشمن دوست بن

جاتا ہے۔

اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی، اگر
کوئی شخص برائی کرے تو اس کا جواب
بھلائی سے دو تو تمہارے اور جس شخص

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ
يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ
(نور-۳)

إِنْ تَبَدُّوا خَيْرًا أَوْ تُخَفُّوهُ أَوْ تُعْفُوا
عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا قَدِيرًا
(نساء-۲۱)

وَلَا تَسْتَوِ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ
بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ
وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ وَمَا

کے درمیان دشمنی ہے وہ گویا جگری
دوست بن جائے گا اور اس کی توفیق انہی
لوگوں کو ہوتی ہے جن میں صبر ہے اور
انہی کو توفیق ہوتی ہے جن کے بڑے
نصیب ہیں۔

يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا
إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ (حم سجدہ-۵)

جو لوگ خدا کے لیے صبر سے کام لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں

ان کا انجام بخیر ہوگا۔

اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے رب کی
خوشنودی کے لیے صبر کیا اور نمازیں پڑھیں
اور ہم نے ان کو جو رزق دیا تھا اس میں
خفیہ اور علانیہ خدا کی راہ میں خرچ کیا اور
برائی کے بدلہ نیکی کرتے ہیں، یہ وہ لوگ
ہیں جن کا انجام بخیر ہوگا۔

وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ
وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآَنَفَقُوا مِمَّا
رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَتُونَ
الْحَسَنَةَ بِالسَّيِّئَةِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى
الدَّارِ (رعد-۱۳)

تبلیغ اور ہدایت کے سلسلہ میں کفار اور مشرکین کے گستاخانہ رویہ کے مقابلہ میں
عفو و درگزر کا حکم۔

درگزر کا شیوہ اختیار کرو اور لوگوں سے
نیک کام کرنے کو کہو اور جاہلوں سے
کنارہ کش رہو۔

خُذُوا الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ
وَاعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ
(اعراف-۲۴)

برائی کے بدلہ میں اچھے برتاؤ کی ہدایت:

(اے پیغمبر تمہارے ساتھ جو برائی
کرے) اس کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو
جو بہت ہی اچھا ہو وہ تمہاری نسبت جو

إِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ نَحْنُ أَعْلَمُ
بِمَا يَصِفُونَ (مومنون-۶)

کچھ کہا کرتے ہیں اس سے ہم خوب واقف ہیں۔

انسان کے ضبط و تحمل کے امتحان کا اصل موقع وہ ہوتا ہے جب اس کی عزت و ناموس پر حملہ کیا جائے اور اس وقت وہ درگزر سے کام لے، ایسے موقع پر بھی قرآن مجید نے عفو و درگزر کا حکم دیا ہے، ایک صحابی حضرت مسطحؓ حضرت ابوبکرؓ کے رشتہ دار تھے، جن کی آپ کفایت کیا کرتے تھے مگر جب انھوں نے واقعہ افک (۱) میں حصہ لیا تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کی امداد بند کر دی، اس پر یہ حکم نازل ہوا۔

اور تم میں سے جو لوگ معزز اور صاحب قدرت ہیں وہ قرابت داروں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو امداد نہ کرنے کی قسم نہ کھا بیٹھیں، بلکہ چاہیے کہ اس کا قصور معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (نور-۳)

اس سے اور بعض دوسری آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص دوسروں کے قصور معاف کرے، اللہ تعالیٰ بھی اس کی خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔

حدیثوں میں بھی عفو و درگزر کی بڑی ترغیب اور فضیلت ہے، حضرت ابو مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی، جان لو، جان لو، مڑ کر دیکھا تو آنحضرت ﷺ فرما رہے تھے کہ ابو مسعود جتنا قابو تم کو اس غلام پر ہے اس سے زیادہ قابو خدا کو تم پر ہے (یعنی اس کے باوجود تمہاری خطاؤں سے درگزر کرتا ہے،

(۱) بخاری باب افک

اس لیے تم کو بھی عفو و درگزر سے کام لینا چاہیے (ابو مسعودؓ پر اس ارشاد کا اتنا اثر ہوا کہ پھر انھوں نے اپنے کسی غلام کو کبھی نہیں مارا۔

اسی طریقہ سے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ! اپنے خادم کا کتنا قصور معاف کروں؟ آپ چپ رہے، جب دوبارہ پوچھا تو فرمایا کہ ہر روز ستر مرتبہ (۱)

خود رسول اللہ ﷺ اپنی ذات کے لیے کسی سے بدلہ نہیں لیتے تھے بلکہ معاف کر دیتے تھے۔

لَا يَجْزِي بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلَكِنْ يَغْفُو
وَيَصْفَحُ (۲)
آنحضرت ﷺ برائی کا بدلہ برائی سے
نہیں لیتے تھے بلکہ معاف کر دیتے اور
درگزر سے کام لیتے تھے۔

یہ مشہور واقعہ ہے کہ خیبر کی ایک یہودی عورت نے رسول اللہ ﷺ کو کھانے میں زہر دے دیا تھا آپ کو کھانے کے درمیان میں پتہ چل گیا اور جب اس عورت سے پوچھا تو اس نے اقرار کیا لیکن آپ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی اور معاف کر دیا۔ (۳)

احسان و سلوک: زندگی کے کاروبار اور انسانوں کی ضرورتوں میں ایک دوسرے کی عملی ہمدردی، امداد و اعانت اور احسان و سلوک پر انسانی معاشرہ قائم ہے، اگر یہ شریفانہ جذبہ نہ ہو تو معاشرتی مسرتوں کا خاتمہ ہو جائے، اس لیے اسلام میں احسان و سلوک کی بڑی اہمیت ہے، اللہ تعالیٰ خود بڑا محسن ہے، اس کے صفات میں ایک صفت احسان بھی ہے، بندوں کے ساتھ اس کے احسانات کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا
(نحل-۲)
اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار
کرنا چاہو تو اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

(۱) یہ دونوں واقعے ترمذی ابواب البر والصلة باب ماجاء فی ادب الخادم میں ہیں۔ (۲) ترمذی۔
باب ماجاء فی خلق النبی ﷺ (۳) ادب المفرد باب العفو و الصلح عن الناس

اس لیے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے بندے بھی ایک دوسرے کے ساتھ احسان و حسن سلوک سے پیش آئیں۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ
وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ (نحل-۱۳)
اللہ تعالیٰ تم کو لوگوں کے ساتھ عدل و
احسان و سلوک کا اور قرابت داروں کو
دینے کا حکم دیتا ہے۔

ایک دوسری آیت میں ہے۔

أَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ
(قصص-۸)
تم بھی احسان کرو جس طرح خدا نے
تمہارے ساتھ احسان کیا ہے۔

اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ
(بقرہ-مائدہ)
اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست
رکھتا ہے۔

انسانی ضرورتوں اور احتیاجوں کی طرح احسان و سلوک کی شکلیں بھی بے شمار
ہیں، ان کا احاطہ دشوار ہے، اس کی مختصر تعریف یہ کی جاسکتی ہے کہ دوسروں کی ہر قسم کی جائز
امداد و اعانت اور وہ نیک کام جس سے دوسروں کی ضرورت پوری اور مشکل آسان ہو یا اس
کو آرام و راحت اور خوشی و مسرت حاصل ہو اس اعتبار سے احسان میں ایک انسان سے
متعلق دوسرے انسانوں کے جملہ اخلاقی فرائض آجاتے ہیں جن کی تفصیل بہت طویل ہے
اور اس سے ہر سلیم الفطرت انسان واقف ہے۔

رحم: انسانیت کا ایک بڑا وصف جس سے اس کی تکمیل ہوتی ہے رحم ہے، جس انسان
میں رحم نہ ہو وہ حیوان اور جس دل میں لطف و محبت نہ ہو وہ پتھر کا ٹکڑا ہے، اللہ تعالیٰ کا سب
سے بڑا وصف رحمٰن اور رحیم ہے، رحمت اس پر اس قدر غالب ہے کہ رحمٰن و رحیم جو اس کے
اسمائے حسنیٰ میں ہیں، انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اسم علم کی جگہ لے لی ہے، چنانچہ رحمٰن و رحیم کا
اطلاق صرف اس کی ذات پر اور کلام مجید کی ہر سورہ کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ہوتا ہے

سارا عالم اسی کی رحمت کا جلوہ گاہ ہے۔

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا
(مومنون-۱)
اے ہمارے پروردگار تیری رحمت اور تیرا
علم سب چیزوں پر حاوی ہے۔

وہ سب سے بڑا رحم والا ہے۔ اَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ

اس نے اپنے اوپر رحمت واجب کر لی ہے، کلام مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ لِمَنْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
قُلْ لِلَّهِ كَتَبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ
(انعام-۲)
پوچھیے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے
کس کا ہے، کہہ دیجیے اللہ کا ہے، اس نے
(مخلوقات پر) رحمت اپنے اوپر واجب
کر لی ہے۔

چنانچہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ
(انبیاء)
ہم نے تم کو ساری کائنات کے لیے
رحمت بنا کر بھیجا۔

آپ کی ذات سراپا رحم و کرم تھی۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ
عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ
بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (توبہ-۱۶)
لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک
رسول آئے ہیں تمہاری تکلیف ان پر
شاق گذرتی ہے اور ان کو تمہاری بہبود کا

ہو کا ہے اور وہ مسلمانوں پر غایت درجہ
شفیق و مہربان ہیں۔

صحابہ کرام کا یہ خاص وصف تھا کہ وہ آپس میں بڑے رحم دل تھے۔

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ
أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ
(فتح-۴)
محمد رسول اللہ اور جو لوگ ان کے ساتھ
ہیں کفار پر زور آور اور آپس میں بڑے
رحم دل ہیں۔

رحم اللہ تعالیٰ کے اسم صفت رحمٰن ہی کی ایک شاخ ہے، جو شخص اس کو جوڑتا ہے، اللہ اس کو جوڑتا ہے اور جو اس کو کاٹتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو کاٹ دیتا ہے۔

الرَّحْمُ شَجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمَنِ فَقَالَ اللَّهُ
مَنْ وَصَلَكَ وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَ
قَطَعْتُهُ (۱)

رحم رحمٰن کی جڑ سے نکلی ہوئی ایک شاخ
ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص تجھ کو
جوڑے گا میں بھی اس کو جوڑوں گا اور جو
تجھ کو کاٹے گا میں بھی اس کو کاٹوں گا۔

اس سے ظاہر ہوا کہ دنیا میں جہاں بھی رحم و کرم کا جلوہ ہے سب اسی رحمت الہی کا
پرتو ہے، حدیث میں رحم کی بڑی تاکید ہے۔

الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ
إِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ
مَنْ فِي السَّمَاءِ (۲)

رحم کرنے والوں پر خدائے رحمٰن رحم کرتا
ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان
والا تم پر رحم کرے گا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

مَنْ لَا يَرْحَمْ النَّاسَ لَا يَرْحَمْهُ
اللَّهُ (۳)

جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا خدا اس پر رحم
نہیں کرتا۔

اور رحم و کرم کا یہ حکم کسی خاص طبقہ کے لیے نہیں بلکہ ساری مخلوق اس میں برابر کی
شریک ہے، حدیث میں ہے۔

الْخَلْقُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اللَّهِ فَاحْبُ
الْخَلْقَ إِلَى اللَّهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ

ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور اللہ کے
نزدیک سب سے پسندیدہ مخلوق وہ ہے
جو اس کے کنبہ کے ساتھ بھلائی کرتا ہے

بندوں کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ خدا کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ ہے،

(۱) بخاری کتاب الادب باب من وصل وصله اللہ (۲) بخاری ابواب البر والصلة باب ما جاء في

رحمة الناس (۳) ادب المفرد باب من لا يرحم لا يرحم

حدیثِ قدسی میں ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل قیامت کے دن فرمائے گا کہ اے ابن آدم میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہیں کی، بندہ عرض کرے گا پروردگار میں تیری عیادت کس طرح کرتا، تو تو خود سارے جہان کا پروردگار ہے، خدا فرمائے گا کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تو نے اس کی عیادت نہیں کی، اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھ کو اس کے پاس موجود پاتا، اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے نہیں کھلایا، بندہ عرض کرے گا پروردگار تو خود رب العالمین ہے، میں تجھ کو کس طرح کھانا کھلاتا، خدا فرمائے گا میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے نہیں کھلایا، اگر تو اس کو کھلاتا تو اس کو میرے پاس موجود پاتا، اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے نہیں پلایا، بندہ عرض کرے گا پروردگار میں تجھ کو کس طرح پانی پلاتا، تو خود رب العالمین ہے، خدا فرمائے گا میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے نہیں پلایا، اگر پلاتا تو اس کو میرے پاس موجود پاتا۔ (۱)

اس حدیث سے خلقِ خدا کے ساتھ رحم و کرم کے بارہ میں اسلامی نقطہ نظر کی پوری وضاحت ہوتی ہے، ایک دوسری حدیث میں ہے کہ

تم اس وقت تک مومن نہیں کہلا سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرو، میں بتاؤں آپس میں محبت کا ذریعہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! فرمایا: ایک دوسرے کو سلام کرو، تم میں محبت پیدا ہو جائے گی، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس وقت تک تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں محبت کا برتاؤ نہ کرو، لوگوں نے عرض کیا ہم سب رحم کرتے ہیں، فرمایا کسی ایک شخص کی رحمت نہیں بلکہ رحمتِ عام مطلوب ہے۔ (۲)

نرمی اور لطف و مدارا: انسانی اخلاق کا ایک پہلو نرمی، لطف و مدارات اور حسن اخلاق

(۱) مسلم کتاب البر والصلة والآداب باب فضل عیادة المریض (۲) مستدرک حاکم ج ۴

ص ۱۶۷ و ۱۶۸

بھی ہے یعنی ہر معاملہ میں سختی کے بجائے نرمی اختیار کی جائے، اخلاق سے ملا جائے، نرم اور میٹھی بات کی جائے، اللہ تعالیٰ کی ایک صفت لطیف بھی ہے اور بندوں کے ساتھ اس کا معاملہ لطف اور نرمی کا ہے۔

اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ
بِغَيْرِ حِسَابٍ (شوریٰ-۲)
اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ لطف فرماتا ہے، بے حساب روزی دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاص وصف نرم دلی اور بردباری تھی۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ (توبہ-۱۴)
بیشک ابراہیم نرم دل اور بردبار تھے۔

بات نرمی سے کرنی چاہیے، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو ہدایت تھی کہ

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لِّتَنَالَهُ يَعْذَرُكُمَا
يَخْشَى (طہ-۲)
پس دونوں اس (فرعون) سے نرمی سے بات کہو شاید وہ نصیحت پکڑے اور خدا سے ڈرے۔

رسول اللہ ﷺ کی نرمی و ملاطفت کی ان الفاظ میں توصیف کی گئی ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ
كُنْتَ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا
مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران-۱۷)
پس اللہ کی رحمت کے سبب سے آپ ان کے لیے رحم دل ہوئے، اگر آپ مزاج کے اکھڑتے ہوئے تو وہ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔

درحقیقت حلم و بردباری، عفو و درگزر، نرم دلی و نرم خوئی، خوش اخلاقی و خندہ جمینی انسانی اخلاق کا زیور ہیں، جن سے ان کا حسن و بالا ہوتا ہے، نرمی ہر چیز کو سنوارتی اور سختی بگاڑتی ہے، حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ
جس چیز میں بھی نرمی پائی جائے اس کو

سنواری ہے اور جس چیز سے الگ کر لی جاتی ہے اس کو بد نما بنا دیتی ہے۔

وَلَا يَنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ (۱)

اللہ تعالیٰ خود نرم ہے اور نرمی کو پسند اور سختی و درشتی کو ناپسند کرتا ہے۔

اللہ نرم خو ہے اور نرم خوئی کو پسند کرتا ہے اور نرمی پر جو کچھ دیتا ہے وہ سختی یا اور کسی چیز پر نہیں دیتا۔

إِنَّ اللَّهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطَى عَلَى الْعُنْفِ وَمَا يُعْطَى سِوَاهُ (۲)

نرم خو پر آتش دوزخ حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم کو بتاؤں جو شخص آتش دوزخ پر حرام اور جس پر آتش دوزخ حرام ہے ہر اس شخص پر جو لوگوں کے لیے آسان ہو، نرم ہو، قریب ہو اور سہل ہو۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يُحَرَّمُ عَلَى النَّارِ وَبِمَنْ تُحَرَّمُ عَلَيْهِ النَّارُ، عَلَى كُلِّ هَيِّنٍ لَيْنٍ قَرِيبٍ سَهْلٍ (۳)

جو شخص نرمی سے محروم ہے وہ خیر سے محروم ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو نرمی سے محروم رہا وہ خیر سے محروم رہا۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ يُحَرَّمُ الرِّفْقَ يُحَرَّمُ الْخَيْرَ (۴)

رسول اللہ ﷺ امت پر بڑے شفیق تھے، اس لیے آسانی پیدا کرنے کی ہدایت

فرماتے اور سختی پیدا کرنے سے منع کرتے تھے۔

آسانی پیدا کرو اور دشواری پیدا نہ کرو اور تسکین دلاؤ اور وحشت نہ دلاؤ۔

يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَسَكِّنُوا وَلَا تُنْفِرُوا

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ اور معاذ بن جبلؓ کو کسی مقام پر تبلیغ کے لیے بھیجا تو ہدایت فرمائی۔

(۱) تا (۴) یہ سب حدیثیں مسلم کتاب البر والصلہ باب فضل الرفق میں ہیں۔

يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا
وَلَا تُنْفِرُوا (۱)
لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا دشواری
نہ پیدا کرنا، ان کو بشارت دینا، وحشت
نہ دلانا۔

لطف و مدارات کے لیے حسن اخلاق ضروری ہے، اس لیے حسن اخلاق پر بھی
اسلام نے بڑا زور دیا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

إِنَّ خَيْرَكُمْ أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقاً (۲)
تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کا
اخلاق سب سے بہتر ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابو ذرؓ سے فرمایا:

إِتَّقِ اللَّهَ حَيْثُ مَا كُنْتَ وَاتَّبِعِ السَّيِّئَةَ
الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ
حَسَنٍ (۳)
جہاں بھی رہو اللہ سے ڈرتے رہو اور
جب کوئی برائی سرزد ہو جائے تو کوئی اچھا
کام کر لو جو اس کو مٹا دے اور لوگوں کے
ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ۔

خندہ جبینی سے ملنا بھی نیک کام ہے، جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے۔

قال رسول الله ﷺ كل معروف
صدقة ومن المعروف ان تلقاك
أحباك بوجه طلق وان تفرغ من
دلوك في اناء أخيك (۴)
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نیک کام
صدقہ ہے، نیکی یہ بھی ہے کہ اپنے بھائی
سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملو اور اپنے
ڈول سے اس کے برتن میں پانی ڈال دو
دوسری حدیث میں ہے۔

(۱) بخاری کتاب الادب باب قول النبی ﷺ یسروا ولا تعسروا واکان بحب التخیف والیسر علی
الناس (۲) بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب صفۃ النبی ﷺ (۳) ترمذی ابواب البر والصلہ
باب معاشرۃ الناس (۴) ایضاً باب ماجاء فی طلاقۃ الوجه وحسن البشر

کسی نیک کام کو خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو حتیٰ
کہ اپنے بھائی سے خندہ جمینی سے ملنے کو
بھی حقیر مت سمجھو۔

لا تحقرن من المعروف شيئاً ولو ان
تلقى أخاك بوجه طلق (۱)

اللہ کے نزدیک بدترین انسان وہ ہے جس کی بدزبانی کے خوف سے لوگ
ملنا جلنا چھوڑ دیں۔

اللہ کے نزدیک قیامت میں درجہ میں
سب سے برا انسان وہ ہے جس کی
بدکلامی سے بچنے کے لیے لوگ اس کو
چھوڑ دیں۔

ان أشر الناس منزلة عند الله يوم
القيامة من وعد أو تركه الناس اتقاء
فحشه (۲)

ظلم کی مذمت: عدل و انصاف، رحم و کرم، عفو و درگزر اور احسان و سلوک سے جس طرح
انسان سنورتا ہے، معاشرہ سرسبز ہوتا ہے، دنیا شاد و آباد ہوتی ہے، اسی طرح ظلم سے انسانی
فطرت مسخ ہو جاتی ہے، اس کی درندگی سے معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے اور دنیا ویران ہو جاتی ہے،
اس لیے کلام مجید میں جتنی عدل و احسان کی توصیف و قیام عدل کی تاکید ہے اس سے زیادہ
ظلم کی مذمت بیان ہوئی ہے۔

اللہ ظلم کو پسند نہیں کرتا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ (آل عمران)

اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

ظالم ہدایت الہی سے محروم ہیں۔

اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الظَّالِمِينَ

(بقرہ و آل عمران)

ظالموں کے لیے نہایت سخت اور دائمی عذاب ہے۔

(۱) مسلم کتاب البر والصلہ والآداب باب استحباب طلاقه والوجه عند اللقاء

(۲) ایضاً باب مداراة من يتقى فحشه

اور ہم نے ظلم کرنے والوں کے لیے
دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ہم نے ظالموں کے لیے آتش دوزخ
تیار کر رکھی ہے۔

بیشک ظالموں کے لیے دردناک عذاب
ہے۔

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا
(فرقان)

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا (کہف)

إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
(ابراہیم)

ظالموں پر خدا کی پھٹکار ہے۔

ہاں ظلم کرنے والوں پر خدا کی پھٹکار ہے

أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ (ہود-۲)
ظالموں کا کوئی دوست نہیں۔

ظالموں کا کوئی دوست نہیں۔

وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ (مومن)

ان کا کوئی مددگار نہیں۔

اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ (حج)

کلام مجید میں ظلم کے لیے دو اور الفاظ یعنی (سرکشی) اور عدوان (تعدی) بھی
استعمال ہوئے ہیں۔

اور کہہ دیجیے کہ میرے رب نے بے
خیالی کے کاموں کو خواہ وہ کھلے ہوئے
ہوں یا چھپے ہوئے اور گناہ اور ناحق کی
سرکشی کو حرام ٹھہرایا ہے۔

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ
مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ
الْحَقِّ (اعراف-۴)

حدیثوں میں بھی مختلف عنوانوں سے ظلم کی مذمت کی گئی ہے اور ظالموں کے لیے
بڑی وعید آئی ہے، مسلم کی ایک طویل حدیث قدسی کا ٹکڑا ہے۔

اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر
ظلم حرام کر لیا ہے اور تم لوگوں کے

يَا عِبَادِي أَنِّي حَرَمْتُ الظُّلْمَ عَلَى
نَفْسِي وَجَعَلْتَهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا

درمیان بھی ظلم حرام کیا ہے، اس لیے
ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

فلا تظالموا (۱)

مسلم کی دوسری روایت میں ہے۔

اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات يوم
القيامة (۲)

ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن
ظلمات (اندھیرا) ہو جائے گا۔

خدا اور مظلوم کی بددعا کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

اتق من دعوة المظلوم فانما ليس
بينها وبين الله حجاب (۳)

مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ اس کے اور
خدا کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ اللہ عز و جل ظالم کو
ڈھیل دیتا ہے، لیکن جب اس کو پکڑ لیتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا اور آیت پڑھی: إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ
وَهِيَ ظَالِمَةٌ، إِنَّ أَخَذَهُ إِلَيْمٌ شَدِيدٌ (ہود-۹) (۴)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنے
بھائی پر کسی طرح کا ظلم کیا ہو، اس کی آبروریزی کی ہو یا کوئی اور ظلم کیا ہو، اس کو چاہیے کہ آج
اس دن سے پہلے اپنے ظلم کو معاف کرا لے، جب اس کے پاس دوسروں کو دینے کے لیے
درہم و دینار کچھ پاس نہ ہوں گے، ورنہ اس کے پاس جو نیک عمل ہوں گے، وہ بقدر ظلم اس
سے چھین لیے جائیں گے اور اگر نیک عمل نہ ہوں گے تو مظلوم کے گناہ لے کر اس پر ڈال
دئے جائیں گے۔ (۵)

اس قسم کی اور بہت سی روایتیں ہیں جن سے ظلم کی مذمت ثابت ہوتی ہے۔



(۱) مسلم کتاب البر والصلہ والآداب باب تحریم الظلم (۲) ایضاً (۳) بخاری کتاب المظالم
باب الاتقاء والحذر من دعوة المظلوم (۴) مسلم کتاب البر والصلہ والآداب باب تحریم الظلم
(۵) بخاری کتاب المظالم

پانچواں باب

عزیزوں اور رشتہ داروں کے حقوق

یہ تو انسانی حقوق و فرائض کے متعلق کلی احکام و ہدایات تھے، اسلام نے اسی پر بس نہیں کیا ہے بلکہ پوری تفصیل سے عورت مرد، چھوٹے بڑے، اعزہ اقربا، احباب و پڑوسی اور حیوانات و نباتات تک کے حقوق متعین کر دئے ہیں، ان حقوق میں الفت و محبت، ہمدردی و غمگساری، حفظ مراتب اور ہر قسم کی جسمانی و مالی امداد و دستگیری شامل ہے اور اس کا دائرہ درجہ بدرجہ وسیع ہوتا ہوا انسانوں سے لے کر حیوانات تک محیط ہو گیا ہے، ان میں سب سے مقدم حق ذوی القربی یعنی رشتہ داروں کا ہے، کلام مجید میں ان کے حقوق کی ادائیگی کی بڑی تاکید ہے۔

فَاتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ (روم-۴) قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو۔

وَاتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ (بنی اسرائیل-۳) اور قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو۔

دولت و مال کی محبت اور ذاتی ضروریات رکھتے ہوئے قرابت داروں کی امداد بڑی نیکی کا کام ہے۔

وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی (بقرہ-۲۲) اور (اصلی نیکی یہ ہے) مال کی محبت کے باوجود قرابت مندوں کو دے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَ
بِشْكِ اللَّهِ تَعَالَى انصاف، حسن سلوک اور
إِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى (نحل-۱۳) قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔

اگر قرابت داروں سے قصور ہو جائے تو بھی ان کی امداد کو نہ روکا جائے، اوپر
گزر چکا ہے کہ واقعہ افک میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ایک عزیز مسطح بھی شامل تھے، اس
لیے انھوں نے ان کی امداد کرنا بند کر دی، اس پر یہ حکم نازل ہوا۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ
أَنْ يُؤْتُوا الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِينَ
اور تم میں جو لوگ بڑائی اور وسعت رکھتے
ہیں وہ قرابت مندوں اور محتاجوں کو دینے
کی قسم نہ کھالیں۔ (نور-۳)

ذوی القربیٰ کے حقوق کی اتنی اہمیت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دعوت حق اور تبلیغ
اسلام کی راہ میں جو زحماتیں، تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھانی پڑیں ان کے صلہ میں آپؐ نے اپنی
امت سے صرف قرابت داروں کا حق ادا کرنے کی خواہش کی۔

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ
فِي الْقُرْبَى (شوریٰ-۳) کہہ دو اے پیغمبر میں تم سے اس پر
(دعوت حق پر) بجز اس کے اور کوئی
معاوضہ نہیں چاہتا کہ رشتہ داروں کے
ساتھ محبت سے پیش آؤ۔

صلہ رحم کی اہمیت اور اس کی تاکید: ذوی القربیٰ میں ان لوگوں کا حق سب سے مقدم
ہے جن سے خون کا رشتہ ہے، ان کے حقوق کی ادا گی کو صلہ رحم اور نہ ادا کرنے کو قطع رحم کہتے
ہیں، اسلام میں صلہ رحم کی بڑی تاکید اور اس پر بڑے اجر کا وعدہ ہے اور قطع رحم کی بڑی
مذمت اور قاطع رحم کے لیے بڑی وعید آئی ہے، کلام مجید کا حکم ہے۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ
وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا
اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے واسطے سے
آپس میں سوال کرتے ہو اور قرابت والوں
سے خبردار رہو بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔ (نساء-۱)

قطع رحم کرنے والوں کو فاسق کہا گیا ہے۔

وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ الَّذِينَ
يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ
وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ
(بقرہ-۳)

اور (اس مثل سے) گمراہ نہیں کرتا مگر
انہی لوگوں کو جو نافرمانی کرتے اور خدا
سے جو عہد باندھا ہے اس کو توڑتے ہیں
اور خدا نے جن (تعلقات) کو جوڑنے کا
حکم دیا ہے اس کو کاٹتے ہیں۔

اس جوڑنے اور کاٹنے کے اجمال کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔

الرَّحْمُ شَجَنَةٌ مِنَ الرَّحْمَنِ فَقَالَ اللَّهُ
مَنْ وَصَلَكَ وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَ
قَطَعْتُهُ (۱)

رحم (شکم مادر) رحمٰن سے نکلی ہوئی ایک
شاخ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو تجھ کو
جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا اور جو تجھ کو
کاٹے گا میں اس کو کاٹوں گا۔

یعنی جو شخص صلہ رحم کرے گا، خدا اس کے ساتھ رحم سے پیش آئے گا اور جو قطع رحم
کرے گا خدا کا رحم اس سے دور ہوگا، حدیثوں میں مختلف تمثیلی پیرایوں میں صلہ رحم کی بڑی
تاکید کی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ
مخلوقات کی پیدائش سے فارغ ہو چکا تو رحم نے اللہ تعالیٰ کا دامن تھام لیا اور کہا یہ اس کا مسکن
ہوگا جو تیری گرہ (یعنی صلہ رحم کو) کاٹنے (قطع رحم) سے بچے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک
کہا تجھ کو یہ پسند نہیں کہ جو تجھ کو جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا اور جو تجھے کاٹے گا میں اس کو
کاٹوں گا، رحم نے عرض کیا ہاں یا رب فرمایا تو یہ تجھ کو دیا گیا، یہ بڑا حق ہے اس کے بعد رسول
اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم لوگ چاہو تو یہ آیت پڑھ لو۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ أَنْ تَوَلَّيْتُمْ إِنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَّعُوا

(۱) بخاری کتاب الادب باب من وصل وصلہ اللہ

أَرْحَمَكُمُ مُحَمَّدٌ (۲) (۱)

وہ قوم رحمت الہی سے محروم رہتی ہے جس میں کوئی قاطع رحم ہوتا ہے اور اس کو دنیا ہی میں قطع رحم کی سزا مل جاتی ہے۔ (۲)

مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رحم عرش الہی میں لٹکا ہوا کہتا ہے کہ جس نے مجھ کو جوڑا اس کو خدا جوڑے گا اور جس نے مجھ کو کاٹا خدا اس کو کاٹے گا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت پیدا ہو اس کو صلہ رحم کرنا چاہیے، بعض روایتوں میں ہے کہ جو شخص اپنی عمر میں اضافہ چاہتا ہے اس کو صلہ رحم کرنا چاہیے۔

ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے ایسی چیز بتائیے جو مجھ کو جنت سے قریب اور آتش دوزخ سے دور کر دے، فرمایا: اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اس میں شریک نہ کرو، نماز پڑھو، زکوٰۃ ادا کرو اور صلہ رحم کرو۔ (۳)

بدلہ کا صلہ رحم معتبر نہیں ہے کہ ایک شخص نے کسی کے ساتھ صلہ رحم کیا تو اس نے بھی اس کا بدلہ دے دیا بلکہ صلہ رحم یہ ہے کہ جو شخص صلہ رحم نہ کرے اس کے ساتھ بھی صلہ رحم کیا جائے۔ (۴)

والدین کے حقوق: دنیا میں انسان کے سب سے بڑے محسن اس کے والدین ہیں، وہ اولاد سے جیسی بے غرض محبت کرتے اور ان کی پرورش و پرداخت میں جو تکلیفیں اور مشقتیں اٹھاتے اور ان کی خوشی و مسرت اور راحت و آرام کے لیے اپنی ساری راحیں قربان کر دیتے ہیں، اس کا کوئی بدل نہیں ہے، اس لیے والدین کا حق سب سے زیادہ ہے اور ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی اور حسن و سلوک کی کلام مجید میں بڑی تاکید ہے۔

(۱) بخاری کتاب الادب باب من وصلہ وصلہ اللہ، یہ دونوں حدیثیں مسلم باب البر والصلہ والآداب باب صلۃ الرحم والتحریم قطعہا میں ہیں۔ (۲) ادب المفرد (۳) ادب المفرد باب صلۃ رحم (۴) بخاری کتاب الادب باب لیس الواصل بالمکافی

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا
حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا
وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا
(احقاف-۲)

اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ
نیکی اور حسن سلوک کی تاکید کی ہے، اس
کی ماں نے اس کو تکلیف اٹھا کر پیٹ
میں رکھا اور تکلیف اٹھا کر جنا اور حمل میں
رکھنے اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس
مہینے ہے۔

والدین کا حق اتنا بڑا ہے کہ خدا کی عبادت اور شرک کی ممانعت کے ساتھ ہی
ساتھ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا
وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (نساء-۶)
اور اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو
شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ
نیکی اور بھلائی سے پیش آؤ۔

ایک دوسری آیت میں ہے۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ رَبُّكُمْ
الَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ
إِحْسَانًا (انعام-۱۶)
کہہ دو اے پیغمبر! آؤ میں تم کو پڑھ کر
بتاؤں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا حرام
کیا ہے، یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک
نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔

والدین کا اپنی اولاد پر یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ وہ اس کے مستحق ہیں کہ ان کے
سامنے اف نہ کہا جائے، ان سے عاجزی کے ساتھ پیش آیا جائے، ان کی خدمت اور ان
کے لیے دعائے مغفرت کی جائے۔

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ
وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ
الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ
اور تمہارے رب نے قطعی حکم دے دیا
ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو اور
والدین کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ، اگر

ان میں ایک یا دونوں تمہارے سامنے
ضعیفی کی عمر کو پہونچیں تو ان کے آگے
اونھ بھی نہ کرو، نہ ان کو جھڑکوا اگر ان سے
کچھ کہنا ہو تو ادب کے ساتھ کہو اور محبت
سے عاجزی کا پہلو ان کے سامنے جھکا دو
اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار
تو ان پر رحمت فرما جس طرح انھوں نے
مجھ کو بچپن میں پالا۔

اسلام میں شرک سے بری کوئی چیز نہیں ہے، مشرک سب سے بڑا گنہگار ہے لیکن
والدین کا اتنا بڑا حق ہے کہ مشرک والدین کے ساتھ بھی نیکی کرنے کا حکم ہے، البتہ اگر وہ
شرک کی دعوت دیں تو اس کو قبول نہ کرنا چاہیے۔

اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ
نیکی کی تاکید کی ہے اور اگر وہ تجھ کو اس پر
مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک
ٹھہرا تو جس کا ترے پاس کوئی علم نہیں
تو ان کا کہنا نہ مان۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ
جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ
عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (عنکبوت-۱)

ایک دوسری آیت میں ہے کہ مشرک والدین کی خدمت میں کوتاہی نہ
کرنا چاہیے۔

اور اگر والدین تجھ کو اس پر مجبور کریں کہ
میرا شریک ٹھہرا جس کا تجھ کو کوئی علم نہیں تو
ان کا کہنا نہ مان اور دنیا میں بھلائی کے
ساتھ ان کی رفاقت کر۔

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي
مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا
وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا
(لقمان-۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک والدین کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی تھی کہ

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ (ابراہیم-۶) اے میرے پروردگار میرے ماں باپ کو بخش دے۔

حدیثوں میں بھی والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کی بڑی تاکید ہے اور اس کے بارے میں تفصیلی ہدایات ہیں، خدا کے نزدیک نماز کے بعد سب سے پسندیدہ کام والدین کے ساتھ سلوک ہے اور جہاد جیسی عبادت کا درجہ اس کے بعد ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ کام کون سا ہے؟ فرمایا: وقت سے نماز پڑھنا، پوچھا پھر کون ہے، فرمایا: والدین کے ساتھ نیکی کرنا، پوچھا اس کے بعد، فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ۔ (۱)

چنانچہ جن لوگوں کے ضعیف والدین زندہ ہوتے تھے، رسول اللہ ﷺ ان کو جہاد کے بجائے ان کی خدمت کا حکم دیتے اور جہاد سے روک دیتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جہاد کی اجازت مانگی، آپؐ نے پوچھا تمہارے والدین زندہ ہیں، اس نے کہا زندہ ہیں، فرمایا: جاؤ انہی کی خدمت کرو، تمہارا یہی جہاد ہے۔ (۲)

حضرت ابوہریراء انصاریؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو نو چیزوں کی وصیت فرمائی تھی، کسی چیز کو خدا کا شریک نہ ٹھہرانا، خواہ ٹکڑے ٹکڑے کر دئے جاؤ یا جلادئے جاؤ، فرض نمازیں نہ چھوڑنا، جو عہد نماز چھوڑے گا اس سے میں بری الذمہ ہوں، شراب نہ پینا کہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے، والدین کی اطاعت کرنا حتیٰ کہ اگر وہ دنیا چھوڑ دینے کو کہیں تو ان کے لیے دنیا چھوڑ دینا۔ (۳)

(۱) بخاری کتاب الادب باب وصیانا الانسان بوالدیہ (۲) مسلم کتاب البر والصلہ والآداب باب بر الوالدین وانھما حق بھما (۳) ادب المفرد باب بر الوالدیہ مالم یکن معصیۃ اس حدیث میں باقی چیزوں کا کا بھی ذکر ہے۔

وہ بد بخت ہے جو بوڑھے باپ کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر سکا۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ صحابہؓ کے مجمع میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ ذلیل و خوار ہے، وہ ذلیل و خوار ہے، حاضرین نے پوچھا کون یا رسول اللہ! فرمایا: جس نے ماں باپ یا ان میں سے ایک کو بڑھاپے میں پایا اور جنت نہ حاصل کر سکا۔ (۱)

حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ خدا کی رضا مندی باپ کی رضا مندی ہے اور خدا کی ناخوشی باپ کی ناخوشی ہے۔ (۲)

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ والدین کا حق اپنی اولاد پر کیا ہے، آپؐ نے فرمایا وہ تمہاری جنت و دوزخ ہیں (۳) (یعنی ان کی رضا مندی میں جنت ہے اور نارضا مندی میں دوزخ)

جس کے ماں باپ زندہ ہوتے تھے، رسول اللہ ﷺ اس کو جہاد اور ہجرت کی اجازت نہ دیتے تھے کہ اس سے والدین کو تکلیف ہوگی اور وہ اس کی خدمت سے محروم ہو جائیں گے۔

ایک شخص نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں ہجرت اور جہاد پر بیعت کرنا چاہتا ہوں، پوچھا کیا اللہ تعالیٰ سے اجر چاہتے ہو، تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے، عرض کیا ہاں، دونوں زندہ ہیں، فرمایا: واپس جاؤ اور ان کی خدمت کرو۔ (۴)

ادب المفرد میں یہ روایت اس شکل میں ہے کہ ایک شخص نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں ہجرت کی بیعت کرنا چاہتا ہوں اور ماں باپ کو روتا چھوڑ کر

(۱) مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب (۲) ادب المفرد باب قول اللہ تعالیٰ ووصینا الانسان

بوالدینہ حسنا (۳) ابن ماجہ (۴) مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب باب بر الوالدین

وانھما حق بہما

آیا ہوں، فرمایا: واپس جاؤ جس طرح ان کو دلایا ہے، اسی طرح ہنساؤ (۱) ماں باپ کی نافرمانی شرک اور گناہ کبیرہ کے برابر ہے۔

عبدالرحمن بن ابی بکرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو سب سے بڑا گناہ بتا دوں، لوگوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! فرمایا: خدا کی ذات میں شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی، آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے اٹھ بیٹھے اور فرمایا: ہاں جھوٹی بات اور جھوٹی شہادت اور اس کو بار بار دہراتے رہے حتیٰ کہ مجھے خیال ہوا کہ آپ سکوت نہ فرمائیں گے۔ (۲)

حضرت عبدالرحمن بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے بڑا گناہ والدین پر لعنت بھیجنا ہے، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت کس طرح بھیج سکتا ہے، فرمایا: اس طرح کہ کوئی شخص کسی کے باپ پر لعنت بھیجے، وہ بھی بدلہ میں اس کے باپ پر لعنت بھیجے یا کسی کی ماں پر لعنت کرے، وہ اس کے بدلہ میں اس کی ماں پر لعنت کرے۔ (۳)

ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے، حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے، فرمایا تمہاری ماں، پوچھا پھر کون، فرمایا: تمہاری ماں، پوچھا پھر کون، فرمایا: تمہارا باپ (۴)

ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے کیا حکم ہوتا ہے، فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرو، سائل نے تین مرتبہ اس سوال کو دہرایا، آپ نے ہر مرتبہ فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرو، چوتھی مرتبہ باپ کو بھی شامل فرمایا۔ (۵)

(۱) ادب المفرد باب بروالدیہ مالم یکن معصیۃ (۲) بخاری کتاب الادب باب حقوق الوالدین من الکبائر (۳) ابوداؤد کتاب الادب باب فی بر الوالدین (۴) بخاری کتاب الادب باب ووصینا الانسان بوالدیہ (۵) ادب المفرد باب بر الاب

ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے، معاویہ بن چاہمہ روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں جہاد کرنا چاہتا ہوں آپ کی خدمت میں مشورے کے لیے حاضر ہوا ہوں، آپ نے پوچھا: تمہاری ماں موجود ہے، انھوں نے کہا: ہاں، فرمایا: بس ان کے قدموں سے چمٹے رہو، ان کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔ (۱)

ماں کی خدمت گناہوں کا کفارہ ہے، حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے، اب اس سے توبہ کی کوئی سبیل ہے، آپ نے پوچھا تمہاری ماں زندہ ہیں، انھوں نے کہا: نہیں، پوچھا: خالہ زندہ ہیں، انھوں نے کہا: ہاں، فرمایا: تو ان کے ساتھ نیکی کرو۔ (۲)

ماں باپ کا حق ان کے مرنے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتا، ان کے لیے دعائے مغفرت کرنی چاہیے، انھوں نے جو وعدے کیے تھے ان کو پورا کرنا چاہیے، ان کے اعزہ و اقربا اور احباب کا پاس و لحاظ کرنا چاہیے۔

ایک مرتبہ بنی سلمہ کے ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کوئی ایسی نیکی ہے جو ماں باپ کی موت کے بعد ان کے ساتھ کر سکوں، فرمایا: ان کے لیے دعا کرو، ان کی مغفرت چاہو، ان کے بعد ان کے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرو، ان کے اعزہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، ان کے دوستوں کا اعزاز و اکرام کرو۔ (۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد کے ملنے والوں کا اتنا لحاظ کرتے تھے کہ عبداللہ بن دینار کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک اعرابی ابن عمرؓ کو مکہ کے راستہ میں ملا، عبداللہ نے اپنا گدھا جس پر وہ سواری کیا کرتے تھے اور اپنا عمامہ اس کو دے دیا، آپ کی فیاضی دیکھ کر

(۱) مسند ابن حنبل (۲) ترمذی کتاب البر والصلة (۳) ابوداؤد کتاب الادب باب فی

بر الوالدین

ابن دینار نے آپ سے کہا کہ اللہ آپ کا بھلا کرے، یہ اعرابی تو تھوڑے سلوک سے خوش ہو جاتے ہیں (یعنی ان کے ساتھ اتنی داد و دہش کی ضرورت نہ تھی) عبد اللہ نے کہا کہ ان کے باپ میرے والد عمر بن الخطابؓ کے دوست تھے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ سب سے بڑی نیکی اولاد کا اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ (۱)

اولاد کے حقوق والدین پر: اولاد پر والدین کے حقوق کو تو سب مذاہب نے تسلیم کیا ہے اور ان کی ادائیگی اور والدین کی خدمت کی بڑی تاکید ہے، لیکن اسلام کے علاوہ غالباً کسی مذہب نے ماں باپ پر اولاد کا کوئی حق نہیں مانا ہے یا اس کا دائرہ بہت محدود رکھا ہے، اولاد کے حقوق کو والدین کے مرتبہ اور بزرگی کے خلاف سمجھا جاتا تھا، لیکن اسلام نے حقوق کے معاملہ میں چھوٹے اور بڑے کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی، وہ جس طرح چھوٹوں پر بڑوں کے حق کو تسلیم کرتا ہے، اسی طرح بڑوں پر بھی چھوٹوں کے حقوق عائد کرتا ہے اور بڑی تفصیل سے ان کے حقوق کا احاطہ کیا ہے، اس کا ایک جامع اصول آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔

مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوقِرْ كَبِيرَنَا
فَلَيْسَ مِنَّا
جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور
ہمارے بڑوں کا ادب نہیں کرتا، وہ ہم
میں سے نہیں ہے۔

یہ اصول محض عمر میں چھوٹے بڑے نہیں بلکہ مرتبہ میں بھی چھوٹے بڑے سب پر حاوی ہے، اگر اسی اصول پر عمل کیا جائے تو حاکموں، محکوموں، افسروں، ماتحتوں، آقاؤں اور خادموں ہر طبقہ کے چھوٹوں بڑوں میں ناگواری نہ پیش آئے، ناگواری ہمیشہ اس اصول میں عدم توازن سے پیدا ہوتی ہے۔

اولاد کا پہلا حق یہ ہے کہ استقرار حمل کے وقت ہی سے اس کے تحفظ کا اہتمام

(۱) مسلم کتاب البر والصلة والآداب باب فضل صلة اصدقاء الاب والام ونحوہما

کیا جائے، چنانچہ اسلام میں بغیر طبی ضرورت کے اسقاطِ حمل گناہ ہے، پیدائش کے بعد اولاد کی پرورش و پرداخت میں کوتاہی نہ کی جائے، ان کی پرورش اور نشوونما کے لیے وہ تمام ذرائع اختیار کیے جائیں جو والدین کی استطاعت میں ہیں۔

عرب کی وحشیانہ رسموں میں سب سے سفاکانہ رسم اولاد کشی تھی، جو اس زمانہ کی بہت سی قوموں میں رائج تھی، اسلام نے اس کو حرام قرار دیا اور اس کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش کی، اس رسم کے کئی اسباب تھے، ایک سبب مذہبی تھا، والدین دیوتاؤں کی خوشنودی کے لیے اولاد کو بھینٹ چڑھاتے تھے، یہ رسم بعض وحشی اور بت پرست قبائل میں اب بھی جاری ہے، روما کے قانون میں باپ کو اولاد کے مار ڈالنے کا پورا اختیار تھا، اس کی کوئی باز برس نہ تھی اور اولاد کشی کا علانیہ رواج تھا (۱) ایک زمانہ میں راجپوتوں میں دختر کشی عام تھی، لڑکی کی شادی کے عار سے بچے کے لیے پیدا ہوتے ہی اس کو مار ڈالتے تھے، قرآن مجید نے اس مذموم رسم کو جو ساری دنیا میں پھیلی ہوئی تھی حرام قرار دیا۔

وَكَذَٰلِكَ زَيْنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ
قَتَلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَائِهِمْ لِيَرُدُّوهُمْ
وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ
مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ
(انعام-۱۶)

اور اس طرح بہت سے مشرکین کو ان کے
بنائے ہوئے شریکوں (دیوتاؤں) نے
ان کی اپنی اولاد کے مار ڈالنے کو عمدہ
کر کے دکھایا ہے تاکہ ان کو ابدی ہلاکت
میں ڈال دیں اور ان کے دین کو ان
پر مشتبہ کر دیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا
نہ کرتے (تو اے پیغمبر) ان مشرکوں کو
اور ان کی افترا پردازیوں کو (اللہ پر)

چھوڑ دو۔

آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے۔

(۱) لیکٹی کی تاریخ یورپ ج اول ص ۲۲ مترجمہ مولانا عبد الماجد دریابادی

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا
بَغْيٍ عَلِيمٍ (انعام-۶)

بے شک وہ لوگ بڑے گھائے میں ہیں
جنہوں نے اپنی اولاد کو نادانی اور جہالت
سے مار ڈالا۔

عربوں میں قتل اولاد کا ایک سبب ان کا فقر و فاقہ تھا، وہ سمجھتے تھے کہ اگر اولاد زندہ
رہے گی تو وہ ان کے لیے وبال ثابت ہوگی، اس سے بچنے کے لیے سرے سے اس کا قصہ ہی
ختم کر دیتے تھے، کلام مجید نے ان کو بتایا کہ ہر جاندار کو رزق دینے والا خدا ہے، اس لیے
فقر و فاقہ کے خوف سے کسی کو قتل نہ کرنا چاہیے۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْلَاقٍ
نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنْ قَتَلْتُمْ كَانُوا
خَطَاً كَبِيراً (اسراء-۳۴)

اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے خوف سے نہ
مار ڈالا کرو، ہم ہی ہیں جو ان کو اور تم کو
روزی دیتے ہیں، ان کا مار ڈالنا بے شبہ
بڑا گناہ ہے۔

قتل اولاد اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی ممانعت شرک کی ممانعت کے ساتھ ساتھ
کی گئی۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا
تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ
إِحْسَاناً وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ
إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ
(انعام-۱۹)

کہہ دو اے پیغمبر! آؤ میں تم کو پڑھ کر
بتا دوں کہ تمہارے پروردگار نے تم پر کیا
حرام کیا ہے، یہ کہ کسی کو خدا کا شریک نہ
بناؤ، ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو
اور مفلسی کے ڈر سے اپنے بچوں کو نہ
مار ڈالو، ہم تم کو اور ان کو دونوں کو روزی
دیتے ہیں۔

حدیثوں میں بھی اس کو قریب قریب شرک کے برابر قرار دیا گیا ہے، حضرت
عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ

قال قال رجل يا رسول الله ﷺ أي الذنب أكبر عند الله قال أن تدعو لله نداً وهو خلقك قال ثم أي قال أن تقتل ولدك خشية أن يطعم معك

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ! اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون ہے؟ فرمایا: یہ کہ کسی کو خدا کا شریک ٹھہراؤ حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے، پوچھا پھر کون گناہ ہے؟ فرمایا: اولاد کو اس خوف سے قتل نہ کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گا۔

لڑکیوں کے قتل کی حرمت: لڑکیوں کے قتل کرنے کا دوسرا سبب جاہلانہ شرم و عار تھی، لڑکی والدین کے لیے باعث ذلت سمجھی جاتی تھی، ان کو لڑکی کی پیدائش کا بڑا غم ہوتا تھا اور وہ مارے شرم کے لوگوں سے منہ چھپائے پھرتے تھے اور اس کو زندہ دفن کر کے اس عار کو مٹاتے تھے، قرآن مجید کی ان آیات میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ (نحل-۷)

اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی (پیدائش) کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ کالا پڑ جاتا ہے اور غصہ کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے، اس خوشخبری کے رنج سے وہ لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا ہے کہ آیا ذلت اٹھا کر وہ اپنے پاس رہنے دے، یا مٹی میں دفن کر دے۔

اس کے بڑے دردناک واقعات حدیثوں میں ہیں، سنن دارمی کی روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگ جاہلیت کے زمانہ میں بتوں کو پوجتے تھے، اولاد کو مار ڈالتے تھے، میرے ایک لڑکی تھی، جب میں اس کو بلاتا تو وہ دوڑ کر میرے پاس چلی آتی، ایک دن میں نے اس کو بلایا وہ خوش

خوش چلی آئی اور میرے پیچھے ہوئی، میں ایک کنویں کے پاس پہنچا جو میرے گھر کے قریب ہی تھا، میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کنویں میں ڈال دیا، وہ ابا ابا کہہ کر پکارنے لگی، یہ اس کی زندگی کی آخری آواز تھی، یہ واقعہ سن کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، حاضرین میں سے ایک شخص نے اس شخص کو ملامت کی کہ تم نے رسول اللہ کو غمگین کر دیا، آپؐ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو، اس پر جو مصیبت پڑی ہے اس کا علاج پوچھنے آیا ہے اور اس سے دوبارہ اس قصہ کو سنا اور اس قدر روئے کہ آنسو بہہ کر ریش مبارک تک آ گئے، پھر فرمایا: جاؤ جاہلیت کے گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے، اب نئے سرے سے عمل شروع کرو۔ (۱)

قبیلہ تمیم کے رئیس قیس بن عاصم جب اسلام لائے تو انھوں نے آنحضرت ﷺ سے اقرار کیا کہ انھوں نے اپنے ہاتھوں سے آٹھ لڑکیاں زندہ دفن کی ہیں، آپؐ نے فرمایا ہر لڑکی کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کرو، قیس نے کہا یا رسول اللہ! میرے پاس اونٹ ہیں، فرمایا تو ہر لڑکی کے کفارہ میں ایک اونٹ ذبح کرؤ۔ (۲)

اسلام سے پہلے بعض نیک نفس لوگ ایسے موجود تھے جو لڑکیوں کی جان بچانے کے لیے والدین کو قیمت دے کر ان کو خرید لیتے تھے اور خود ان کی پرورش کرتے تھے، چنانچہ مشہور شاعر فرزدق کے دادا صصعہ نے اس میں بڑا نام پیدا کیا تھا، انھوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور اس کے شرف سے مشرف ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے قین سوساٹھ لڑکیوں کو خرید کر موت سے بچایا ہے، کیا مجھ کو اس کا اجر ملے گا، فرمایا: ہاں ملے گا، خدا نے تم کو مسلمان بنا کر تم پر احسان کیا ہے۔ (۳)

اسی طرح ایک اور شخص عمرو بن نفیل جو بعثت نبوی کے پہلے دین ابراہیمی کے پیرو تھے، اس قسم کی لڑکیوں کو لے کر ان کی پرورش کرتے تھے، جب وہ سیانی ہو جاتیں تو ان کے والدین سے کہتے کہ اگر چاہو تو ان کو واپس کر دوں، ورنہ میرے پاس رہنے دو۔ (۴)

(۱) سنن دارمی باب ما کان الناس قبل بعثۃ النبی ﷺ من الجمل والصلالہ (۲) ابن جریر وابن کثیر

تفسیر سورہ تکویر (۳) درمنثور تفسیر سورہ تکویر (۴) بخاری باب حدیث عمرو بن نفیل

لڑکیوں کی پرورش و پرداخت کی فضیلت: لیکن ان انفرادی کوششوں سے اس مذموم رسم کا انسداد نہیں ہو سکتا تھا، اسلام نے اس کے استیصال کے لیے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ لڑکیوں کی پرورش ایک نیک عمل اور مستحسن فعل قرار دیا اور اس کو نجات اخروی کا ذریعہ بنا دیا اور رسول اللہ ﷺ نے لڑکیوں کی پرورش کرنے والوں کو قیامت میں اپنی رفاقت اور ہم نشینی کی بشارت دی، حضرت انسؓ سے روایت ہے۔

قال رسول الله ﷺ من عال
جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیامة
انا و هو هکذا و ضم أصابعه (۱)
رسول اللہ نے فرمایا جو شخص دو لڑکیوں کی
پرورش کرے یہاں تک کہ وہ جوان
ہو جائیں تو قیامت میں میرا اس کا ساتھ
(انگلیوں کو ملا کر فرمایا) اس طرح ہوگا۔

امام بخاری نے ادب المفرد میں کئی روایتیں نقل کی ہیں کہ جس شخص کے دو یا تین لڑکیاں ہوں اور اس نے ان کی پوری پرورش اور پرداخت کی تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (۲)

مسلم کی روایت ہے کہ جو شخص لڑکیوں کی پیدائش میں مبتلا کیا گیا اور اس نے ان کی پوری پرورش و پرداخت کی تو وہ لڑکیاں اس کے لیے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔ (۳)
ابوداؤد میں ہے کہ جس نے تین لڑکیوں کی پرورش اور شادی کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (۴)

حسن سلوک کے استحقاق میں لڑکے اور لڑکی کو برابر قرار دیا، محض لڑکی ہونے کی وجہ سے لڑکے اور لڑکی کے ساتھ طرز عمل میں کوئی فرق نہ کرنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس

(۱) مسلم کتاب البر والصلہ والآداب باب فضل الاحسان الی البنات (۲) ادب المفرد من

عال جاریتین او واحدة (۳) مسلم کتاب البر والصلہ والآداب باب فضل الاحسان الی البنات

(۴) ابوداؤد کتاب الادب باب فضل من عال یتیمًا

کے لڑکی پیدا ہو وہ اس کو زندہ رکھے، اس کی بے توقیری نہ کرے اور نہ لڑکے کو اس پر ترجیح دے تو اس کو خدا جنت میں داخل فرمائے گا۔ (۱)

جو لڑکی شادی کے بعد بے آسرا ہو جائے باپ کے علاوہ اس کا کوئی سہارا نہ ہو، اس کی کفالت بڑے ثواب کا کام ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے سراقہ بن جعشم سے فرمایا کہ تم کو سب سے بڑا کار خیر بتاؤں، سراقہ نے عرض کیا ہاں، یا رسول اللہ! فرمایا: اس لڑکی کی کفالت جو تمہارے پاس لوٹا دی گئی ہو اور اس کے لیے تمہارے سوا کوئی دوسرا کمانے والا نہ ہو۔ (۲)

کلام مجید میں عورتوں سے جن چیزوں پر بیعت لینے کا حکم ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ

وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ (ممتحنہ-۲) اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی۔

اس آیت کے نزول کے بعد جب عورتوں بلکہ مردوں سے بھی بیعت لیتے تھے تو اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے۔ (۳)

اس سلسلہ میں یہ آیت حرف آخر کا حکم رکھتی ہے کہ قیامت کے ہولناک دن میں:

وَإِذِ الْمَوُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (سورہ تکویر)

جب زندہ درگور کی جانے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کی پاداش میں قتل کی گئی۔

تو قاتلوں پر کیا گزرے گی اور وہ اس کا کیا جواب دیں گے۔

لڑکی کا قتل تو بڑی چیز ہے، اس کی موت کی تمنا کرنا بھی حرام ہے، ادب المفرد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک آدمی تھا جس کے کئی لڑکیاں تھیں، اس

(۱) ابوداؤد کتاب الادب باب فضل من عال یتیم (۲) ادب المفرد باب فضل من عال ابنته المودودہ (۳) بخاری کتاب التفسیر باب اذا جاءک المؤمنات ان ینایعنک کی تفسیر میں اس کی متعدد روایتیں ہیں۔

نے ان کی موت کی تمنا ظاہر کی، ابن عمرؓ بہت برہم ہوئے اور فرمایا: کیا تم ان کو رزق دیتے ہو۔ (۱)

لڑکوں کی پیدائش کے بعد ان کی پرورش کا سب سے پہلا کام رضاعت ہے، اس کی مدت کی تعیین خود کلام مجید نے کر دی تھی۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ
كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ
وَالْمَوْلُودُ لَهُ مِنْ رِزْقِهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ
بِالْمَعْرُوفِ (بقرہ-۳۰)

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس
دودھ پلائیں، یہ مدت اس کے لیے ہے
جو چاہے کہ رضاعت کی مدت پوری کرے
اور لڑکے والے (باپ) پر ان ماؤں کا

کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق ہے۔

کھانے کپڑے کی شرط اس لیے لگادی ہے کہ اگر مدت رضاعت میں شوہر نے بیوی کو طلاق دے دی تو بھی اس کا کھانا کپڑا باپ کے ذمہ رہے گا یا اگر باپ کسی دوسری عورت سے دودھ پلوائے تو اس کا کھانا کپڑا بھی باپ کے ذمہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ بیوی کا نان و نفقہ شوہر کے ذمہ ہے، اس لیے اس شرط کی ضرورت ہی نہ تھی، اس آیت سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ اولاد جب تک سن شعور کو پہنچ کر کھانے کمانے کے قابل نہ ہو جائے، اس کی کفالت والد کے ذمہ ہے، حدیثوں میں اس کی تصریح ہے۔

اولاد کے بارہ میں مختلف احکام: حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے افضل دینار وہ ہے جس کو آدمی اپنے اہل و عیال پر صرف کرے اور جس کو جہاد کی سواری خریدنے میں صرف کرے اور جس کو اللہ کی راہ میں اپنے ساتھیوں پر صرف کرے۔

اس روایت کے ایک راوی ابو قلابہ کہتے ہیں کہ پہلے آپؐ نے اہل و عیال کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اس شخص سے بڑا اجر کس کا ہو سکتا ہے جو اپنے صغیر السن بچوں پر خرچ کرتا

(۱) ادب المفرد باب من کرہ ان یتمنی موت البنات

ہے اور اس کے ذریعہ ان کو دوسروں کی مدد سے مستغنی کر دیتا ہے۔ (۱)

اولاد کو خوشحال چھوڑ جانا اخلاقی فرض ہے، اسی لیے ترکہ میں ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ دولت مند صحابی تھے، ان کے صرف ایک لڑکی تھی، وہ ایک مرتبہ ایسے سخت بیمار پڑے کہ زندگی کی امید باقی نہ رہ گئی، رسول اللہ ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے، انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس دولت ہے اور میری وارث تہا ایک لڑکی ہے، میں چاہتا ہوں کہ دو تہائی مال کی وصیت کا خیر کے لیے کر جاؤں، فرمایا: نہیں، سعد نے عرض کیا، اچھا تو نصف کی وصیت کر دوں، فرمایا: نہیں، صرف ایک تہائی کی وصیت کرو اور ایک تہائی بھی بہت ہے، اپنے بعد اپنے ورثہ کو خوشحال چھوڑ جانا اس سے بہتر ہے کہ ان کو محتاج چھوڑ جاؤ اور وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ (۲)

اولاد کی پرورش کے ساتھ اس کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری بھی والدین پر ہے، کلام مجید نے اس کو ایک مختصر اور بلیغ جملہ میں ادا کیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ
وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (تحریم-۱)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

اس سے مقصود ان تمام برائیوں اور خرابیوں سے بچانا ہے جو آتش دوزخ کی مستحق بناتی ہیں، اس میں اخلاقی تعلیم و تربیت کے سارے پہلو آ جاتے ہیں، حدیثوں میں اس کی تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کو اپنی اولاد کو ادب سکھانا، ایک صاع خیرات کرنے سے بہتر ہے، دوسری روایت میں ہے کہ والد کا اولاد کے لیے سب سے بہتر عطیہ حسن ادب کی تعلیم ہے۔ (۳)

(۱) ترمذی باب ماجاء فی النفقہ علی الابل (۲) یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں ہے، مسلم باب الوصیۃ بالثلث (۳) یہ دونوں روایتیں ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی ادب الولد میں ہیں

اس تعلیم کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ اولاد جو والدین کے لیے بلا اور مصیبت سمجھی جاتی تھی وہ دل کا ٹکڑا اور آنکھوں کی ٹھنڈک بن گئی۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ
أَعْيُنٍ (فرقان-۶) اے ہمارے پروردگار ہماری بیویوں اور
ہماری اولاد کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنا۔

اس بارہ میں سب سے بڑا اسوہ خود رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے، اولاد سے آپ کی
محبت کے واقعات حدیثوں میں محفوظ ہیں، آپ کی سب اولادیں آپ کی زندگی ہی میں
وفات پا گئی تھیں، صرف حضرت فاطمہؓ زہراؓ رہ گئی تھیں، ان سے آپ کو غایت درجہ کی الفت
تھی، ان کے متعلق آپ کا ارشاد ہے۔

فاطمۃ بضعة منی فمن أبغضها فقد
أبغضنی (۱) فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جو اس کو
ناراض کرے گا وہ مجھ کو ناراض کرے گا۔

آپ کو حضرت فاطمہؓ سے اس درجہ محبت تھی کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے حضرت
فاطمہؓ کی زندگی میں ابو جہل کی لڑکی سے شادی کا پیام دیا، آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ
نے مخصوص خطبہ دیا اور فرمایا کہ

بنی ہشام علی سے اپنی بیٹی کا عقد کرنا چاہتے ہیں اور مجھ سے اجازت مانگتے ہیں،
میں کبھی اس کی اجازت نہ دوں گا، کبھی نہ دوں گا، کبھی نہ دوں گا، البتہ علی میری بیٹی کو طلاق
دے کر نکاح کر سکتے ہیں، فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جس نے اس کو تکلیف پہنچائی اس نے
مجھ کو تکلیف پہنچائی۔

دوسری روایتوں میں اس مخالفت کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ میں کسی حلال چیز کو
حرام نہیں کرتا اور کسی حرام چیز کو حلال نہیں کرتا، لیکن خدا کی قسم خدا کے رسول کی لڑکی اور اس
کے دشمن کی لڑکی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔ (۲)

(۱) یہ پوری حدیث مسلم اور بخاری دونوں میں ہے۔ (۲) یہ روایتیں بخاری اور مسلم دونوں
میں حضرت فاطمہؓ کے فضائل کے ابواب میں ہیں۔

حضرت فاطمہؑ جب آپ کی خدمت میں آئیں تو ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے اور اپنے پہلو میں بٹھاتے، ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے، جب سفر میں جاتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؑ سے رخصت ہوتے اور جب واپس آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؑ سے ملتے، ان کے صاحبزادوں حضرت حسنین علیہما السلام سے ان کی محبت کے واقعات اتنے مشہور ہیں کہ اس کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ (۱)

آپؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؑ اپنے بعد ایک صغیر السن لڑکی چھوڑ گئی تھیں، اس کا نام امامہؑ تھا، رسول اللہ ﷺ کو اس سے اتنی محبت تھی کہ کبھی کبھی مسجد میں ساتھ لاتے تے اور گود میں لیے ہوئے نماز پڑھاتے تھے، ایک مرتبہ امامہ کو کندھے پر بٹھائے ہوئے مسجد میں تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی، جب رکوع میں جاتے تھے تو اتار دیتے تھے اور جب کھڑے ہوتے تو پھر لے لیتے۔ (۲)

اپنے نواسوں حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے آپؐ کی والہانہ محبت کے حدیثوں میں بکثرت واقعات ہیں، جن کی شہرت کی بنا پر ان کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔



(۱) یہ سب واقعات فضائل فاطمہؑ میں ہیں۔ (۲) بخاری کتاب الصدقات باب اذا حمل

جاریہ صغیرۃ علی عنقہ فی الصلوٰۃ

چٹا باب

عورتوں کا درجہ اور ان کی حیثیت

بیوی کے حقوق

اسلام سے پہلے عورت کا درجہ بہت پست تھا، اس کی کوئی ذاتی حیثیت نہ تھی، وہ زندگی کے ہر مرحلے میں مردوں کی محکوم اور دست نگر تھی، اس کو اپنی املاک پر بھی اختیار نہ تھا، تقریباً تمام مذاہب نے عورتوں کی مذمت کی ہے، اسلام پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کا درجہ بلند کیا، اس کی مستقل حیثیت قائم کی، ان کے حقوق متعین کیے، وراثت میں حصہ دار اور ان کی املاک کا ان کو مالک بنایا، چند کے سوا بیشتر امور میں ان کو مردوں کے برابر حقوق دیے، جو لوگ پیدا ہوتے ہی لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے، ان کے دلور میں ان کی مہر و محبت پیدا کی، ان کی پرورش و پرداخت کو اجر و ثواب قرار دیا، بیوی اور شوہر میں حقوق کی مساوات قائم کی، بیوی کو شوہر کی خادمہ کے بجائے رفیق زندگی اور رب البیت بنایا، ماؤں کے پاؤں کے نیچے جنت رکھی، غرض ہر پہلو سے عورت کا درجہ بلند کیا۔

دوسری اقوام و مذاہب میں عورتوں کی حیثیت اور ان کے حقوق: یونان و روم میں جو اپنے دور میں تہذیب و تمدن کے معلم سمجھے جاتے تھے، عورتوں کو کچھ حقوق ضرور حاصل ہوئے، اس کے باوجود بقول لیکلی ان کی حالت یہ تھی۔

”بہ حیثیت مجموعی باعصمت یونانی بیوی کا مرتبہ بہ غایت پست تھا، اس کی زندگی مدت العمر غلامی میں بسر ہوتی تھی، لڑکپن میں اپنے والدین کی، جوانی میں اپنے شوہر کی اور بیوگی میں اپنے فرزندوں کی، وراثت میں اس کے مقابلہ میں اس کے مرد اعزہ کا حق ہمیشہ رائج سمجھا جاتا تھا، طلاق کا حق اسے قانوناً ضرور حاصل تھا، تاہم وہ عملاً اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی کہ عدالت میں اس کا اظہار دنیا یونانی ناموس حیا کے منافی تھا، البتہ وہ اپنے ساتھ جہیز ضرور لاتی تھی اور اپنی لڑکیوں کو بھی شادی کے وقت جہیز دینا اس کے فرائض میں داخل تھا، دوسری بات یہ تھی کہ اشیاء کا قانون یتیم لڑکیوں پر خاص طور سے مہربان تھا، لیکن بس ان دو باتوں کے سوا کوئی شے حقوق نسواں کی تائید میں پیش نہیں کی جاسکتی، فلاطون نے بے شبہ مرد و عورت کی مساوات کا دعویٰ کیا تھا لیکن یہ تعلیم محض زبانی تھی، عملی زندگی اس سے بالکل غیر متاثر رہی۔“ (۱)

روما میں عورتوں کی یہ پوزیشن تھی۔

”عورت کا مرتبہ رومی قانون نے ایک عرصہ دراز تک نہایت پست رکھا، افسر خاندان جو باپ ہوتا یا شوہر اسے اپنے بیوی بچوں پر پورا اختیار حاصل تھا اور وہ عورت کو جب چاہے گھر سے نکال سکتا تھا، جہیز یا دواہن کے والد کو نذرانہ دینے کی مطلق رسم نہ تھی اور باپ کو اس قدر اختیار حاصل تھا کہ جہاں چاہے اپنی لڑکی کو بیاہ دے بلکہ بعض دفعہ تو وہ کی لڑائی شادی کو توڑ سکتا تھا، زمانہ مابعد یعنی تاریخی دور میں یہ حق باپ کی طرف سے شوہر کی طرف منتقل ہو گیا تھا اور اس کے

(۱) تاریخ اخلاق یورپ ترجمہ اردو جلد دوم ص ۱۸۴

اختیارات یہاں تک وسیع ہو گئے کہ وہ چاہے تو بیوی کو قتل تک کر سکتا تھا،

۵۲۰ سال تک طلاق کا کسی نے نام بھی نہیں سنا۔“ (۱)

قدیم مذاہب نے بھی جو اخلاق کے سب سے بڑے معلم تھے، عورتوں کی حالت میں کوئی خاص تغیر نہیں پیدا کیا، یہودی مذہب نے جو محض اخلاقی تعلیم کا مبلغ نہیں بلکہ یہودیوں کے لیے ضابطہ حیات ہے، عورت کو اس جرم میں کہ اس نے حضرت آدم کو بہکایا تھا ہمیشہ کے لیے مردوں کا محکوم بنا دیا۔

”اور خداوند نے کہا میں تیرے درد حمل کو بڑھاؤں گا، تو درد

کے ساتھ بچہ جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ

پر حکومت کرے گا۔“ (پیدائش باب ۳)

مرد کی موجودگی میں وراثت میں عورت کا کوئی حصہ نہیں ہے، عیسائی مذہب میں عورتوں کے متعلق یہ احکام ہیں۔

”چاہیے کہ عورت چپ چاپ کمال فرماں برداری سیکھے

اور میں اجازت نہیں دیتا عورت سکھائے یا اپنے شوہر پر حاکم بن بیٹھے

بلکہ خاموشی کے ساتھ رہے کیونکہ پہلے آدم بنایا گیا بعد اس کے حوا

اور آدم نے فریب نہیں کھایا، پر عورت فریب کھا کر گناہ میں پھنسی۔“

(پولس پہلا خط تمطاؤس کے نام باب ۱۲)

ایک دوسرے خط میں پولس کا ارشاد ہے۔

”مرد کو نہ چاہیے کہ اپنے سر کو ڈھانپے کہ وہ خدا کی صورت

اور اس کا جلال ہے، پر عورت مرد کا جلال ہے، اس لیے مرد عورت سے

نہیں بلکہ عورت مرد ہے، اور مرد عورت کے لیے نہیں بلکہ عورت مرد کے

لیے پیدا ہوئی۔“ (پولس کا پہلا خط افرنیون کے نام باب ۱۱)

(۱) تاریخ اخلاقی یورپ لکھی ج دوم ص ۱۹۰

عورت سراپا فتنہ و شر بھی جاتی تھی، عابد و زاہدان کے سایے سے بھاگتے تھے بڑے بڑے راہب اپنی ماں تک سے ملنا اور ان کے چہرہ پر نظر ڈالنا معصیت سمجھتے تھے، رہبانیت کی تاریخ عورت سے نفرت کے واقعات سے بھری ہوئی ہے، لیکر نے اس کے بڑے درد انگیز واقعات نقل کیے ہیں۔

ہندو مذہب میں عورتوں کی حالت سب سے بدتر تھی، ان کی کوئی حیثیت نہ تھی، وہ زندگی کے ہر مرحلے میں مرد کی محکوم تھیں، منوسمرتی میں عورتوں کے متعلق یہ احکام ہیں۔
 ”عورت نابالغ ہو یا جوان یا بوڑھی گھر میں کوئی کام خود مختاری سے نہ کرے۔“ (۵/۱۴۷)

”عورت لڑکپن میں اپنے باپ کے اختیار میں رہے، جوانی میں اپنے شوہر کے اختیار میں اور شوہر کی موت کے بعد اپنے بیٹوں کے اختیار میں رہے، خود مختار کبھی نہ کرے۔“ (۵/۱۴۸)

”عورتوں کے لیے عبادت کی ضرورت نہیں، شوہر کی خدمت اس کے لیے سب سے بڑی عبادت اور نجات کا ذریعہ ہے، عورتوں کے لیے یکیہ اور برت اور اپاس علاحدہ نہیں ہے، صرف شوہر کی خدمت گزاری سے سورگ لوک میں پہنچ کر اعلیٰ درجہ پاتی ہے۔“
 ”شوہر کی موت کے بعد عقد ثانی کی اجازت نہیں، اس کا فرض ہے کہ قوت لایموت پر پاکبازی سے زندگی بسر کر دے۔“

”شوہر کی موت کے بعد دوسرے شوہر کا نام بھی نہ لے
 مرتے دم تک نیم سے بھرم چاری ہو کر لاغر بدنی کے ساتھ زندگی بسر کرے۔“ (۵/۱۵۸ و ۱۵۷)

چانکیہ نیقی میں عورتوں کے متعلق یہ خیالات ہیں۔

”جھوٹ بولنا، بغیر سوچے کام کرنا، فریب، حماقت، طمع،

ناپاکی، بے رحمی عورت کے جبلی عیب ہیں۔“ (باب ۲)
 ”شہزادوں سے تہذیب اخلاق، عالموں سے شیریں کلامی،
 قمار بازوں سے دروغ گوئی اور عورتوں سے مکاری سیکھنی چاہیے۔“
 (۱۲/۸)

”آگ پانی، جاہل مطلق، سانپ، خاندان شاہی اور عورت
 یہ سب موجب ہلاکت ہیں ان سے ہوشیار رہنا چاہیے۔“ (۱۳/۱۲)
 دوست، خدمت گار اور عورت، مفلس آدمی کو چھوڑ دیتے
 ہیں اور جب وہ دولت مند ہو جاتا ہے تو پھر اس کے پاس آ جاتے ہیں۔
 (۱۵/۵)

اسلام میں عورتوں کے حقوق: اس کے مقابلہ میں اسلام نے عورت کو اللہ کی نشانی میں
 سے ایک نشانی اور اس کی ایک بڑی نعمت قرار دیا ہے، اس کا ذکر خیر اور مدح کے ساتھ کیا
 ہے، اس کے ساتھ حسن سلوک، حسن معاشرت اور نرمی و ملاطفت کی تاکید کی ہے، ماں، بیٹی،
 بہن اور بیوی کی حیثیت سے اس کے حقوق متعین کیے ہیں، اس کو وراثت میں شریک کیا
 ہے، اس کی املاک کا اس کو مالک بنایا ہے، ماں اور بیٹی کے حقوق کا ذکر اوپر گزر چکا ہے،
 بیوی کے حقوق کی تفصیل آئندہ سطور سے معلوم ہوگی، اس سے اسلام میں عورتوں کے درجہ کا
 پورا اندازہ ہوگا۔

ازدواجی زندگی کی اہمیت: اکثر مذاہب نے عورتوں کو فتنہ کی جڑ مانا ہے اور شادی اور
 ازدواجی تعلق کو روحانیت اور مذہبی تقدس کے منافی اور تجرد کی زندگی اور عورت سے بے تعلقی
 کو اخلاق و روحانیت کا اصلی کمال قرار دیا ہے، عیسائیوں میں رہبانیت اور ہندوؤں میں
 جوگ اور برہمچاریت اسی کا نتیجہ ہے، اسلام نے اس عقیدہ کو باطل قرار دیا ہے، بتلایا کہ
 مذہب و اخلاق کا سب سے اہم پہلو انسانوں کے ساتھ حسن معاملہ، حسن سلوک اور انسانی
 حقوق و فرائض کی ادا کی گئی ہے، اس کے بغیر مذہب و اخلاق کی تکمیل نہیں ہو سکتی، ترک دنیا اور

گوشہ نشینی سے روحانی تزکیہ تو ہو سکتا ہے لیکن جب تک انسانی حقوق و فرائض ادا نہ کیے جائیں، اخلاق کی تکمیل نہیں ہو سکتی، پھر تجرد کی زندگی میں کتنے انسان عفت و عصمت کو جو روحانی زندگی کی جان ہے، قائم رکھ سکتے ہیں اور استثنائی مثالوں کو چھوڑ کر اس پر خار وادی میں کتنوں کا دامن محفوظ رہ سکا ہے، وہ ازدواج کی پاکیزہ زندگی کو چھوڑ کر جیسی جیسی غلاظت اور گندگیوں میں مبتلا ہوئے اس پر رہبانیت کی تاریخ شاہد ہے اس لیے اسلام نے ہر مسلمان کو شادی کرنے کا حکم دیا ہے۔

فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ
مَثْنً وَثُلَاثَ وَرُبْعَ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا
تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ
أَيْمَانُكُمْ (نساء-۱)

جن عورتوں کو تم پسند کرتے ہو ان سے
اپنی مرضی کے مطابق دو دو تین تین چار
چار نکاح کر لو، لیکن اگر تم کو اس کا اندیشہ
ہو کہ ان میں انصاف قائم نہ رکھ سکو گے تو
ایک بیوی پر قناعت کرو یا جو لونڈی تمہارے
قبضہ میں ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا۔

النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ عَنْ
سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي

نکاح میری سنت ہے، جس نے میری
سنت سے روگردانی کی وہ میری جماعت
سے نہیں ہے۔

قدیم معاشرہ میں بیوہ عورت اور لونڈی غلام سب سے زیادہ مظلوم تھے، اس لیے
ان کی شادی کر دینے کا خاص طور سے حکم دیا گیا۔

وَأَنْكِحُوا (۱) الْيَتَامَىٰ مِنْكُمْ
وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ

اور اپنی بیواؤں کا نکاح کرو اور اپنے
غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو نیک ہوں

(۱) ایامی ہر بے شوہر کی عورت اور ہر بے بیوی کے مرد کو کہتے ہیں، اس لیے اس حکم میں سب داخل
ہیں لیکن بیوہ عورتیں خاص طور سے مراد ہیں۔

ان يَكُونُوا فَقَرَاءَ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مَنْ
ضَلَّ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (نور-۴)

اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے
فضل سے ان کو غنی کر دے گا اور اللہ گنجائش
والا اور سب کے حال سے واقف ہے۔

اس آیت میں یہ نکتہ قابل لحاظ ہے کہ شادی نہ کرنے کا ایک سبب اس کی
ذمہ داریوں سے گھبراہٹ ہوتی ہے، اس لیے فرمایا گیا کہ اگر تم کو افلاس کا خوف ہے تو اللہ
تعالیٰ اپنے فضل سے تمہیں غنی کر دے گا، اس لیے افلاس کے خوف سے شادی سے فرار
اختیار نہ کرو۔

شادی کا مقصد محض نفسانی خواہش کی تسکین نہیں بلکہ عفت و پاکیزگی کا حصول
ہے، ”محسنین غیر مسافحین“ پاکدامنی کے لیے نہ کہ شہوت رانی کے لیے۔
بیوی کی حیثیت اور اس کا درجہ: بیوی یا عورت اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور
مردوں کی راحت اور سکون قلبی کا ذریعہ ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ
أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ
مَوَدَّةً وَرَحْمَةً، إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ
لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (روم-۳)

اور اس (خدا) کی نشانیوں میں سے ایک
یہ ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہاری
بیویاں پیدا کیں تاکہ ان کے پاس سکون پاؤ
اور تمہارے آپس میں پیار اور اخلاص پیدا کیا
جو لوگ سوچ سمجھ سے کام لیتے ہیں ان
کے لیے اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔

اس آیت میں میاں بیوی کی سچی رفاقت اور ازدواجی زندگی کی راحتوں اور
مسرتوں کا عطر چند الفاظ میں کھینچ دیا ہے۔
ایک دوسری آیت میں ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ
وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا

وہ اللہ ایسا ہے جس نے تم کو تن واحد سے
پیدا کیا اور اسی لیے اس کا جوڑا بنایا تاکہ

(اعراف-۲۴)

اس سے سکون حاصل کرے۔

میاں بیوی کے گونا گوں اور نازک تعلقات کو قرآن پاک نے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (بقرہ-۲۴)
 وہ (عورتیں) تمہارا لباس ہیں اور تم (مرد)
 ان کا لباس ہو۔

کے جامع اور بلیغ الفاظ سے تعبیر کیا ہے، اس میں وہ سارے لطیف اور نازک پہلو آگئے
 جو میاں بیوی کے تعلقات میں نکل سکتے ہیں۔

معاشرتی زندگی میں میاں بیوی کے حقوق برابر قرار دیئے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ
 وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ ذَرْجَةٌ (بقرہ-۲۸)
 اور عورتوں کا حق مردوں پر نیکی کے ساتھ
 ویسا ہی ہے جیسا کہ عورتوں کا مردوں پر،
 البتہ مردوں کو ان پر فوقیت حاصل ہے۔

مگر اس فوقیت کی نوعیت منحصر ایک سربراہ خاندان کی ہے، اس سے حقوق کی
 مساوات پر اثر نہیں پڑتا، مرد اپنی خلقت اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے اس فوقیت کا مستحق
 ہے، خود قدرت نے عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کو فہم و فراست اور جسمانی و عقلی خوبی میں
 برتری عطا کی ہے، اس ترقی نسواں کے دور میں بھی مردوں اور عورتوں کا یہ امتیاز مسلم ہے،
 مرد خانگی زندگی کی جملہ ذمہ داریوں کا کفیل اس لیے بھی ہے کہ وہ اس امتیاز کا مستحق ہے، اس
 کا ذکر قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر ان الفاظ میں کیا ہے۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا
 فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا
 أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ (نساء-۶)

مرد عورتوں کے نگراں ہیں اس سبب سے
 کہ اللہ تعالیٰ بعض (مرد) کو بعض (عورتوں)
 پر جسمانی اور عقلی حیثیت سے فضیلت دی
 ہے اور اس سبب سے کہ وہ بیویوں پر اپنا
 مال صرف کرتے ہیں۔

مگر اس سے عورتوں کے حقوق میں کوئی فرق نہیں پڑتا، گھر کے معاملات میں

مردوں اور عورتوں کی حیثیت خود رسول اللہ ﷺ نے متعین فرمادی۔

تم میں سے ہر شخص اپنی رعایا کا نگہبان ہے اور تم سے ہر شخص سے اس کی نسبت باز پرس ہوگی، امام وقت رعایا کا نگہبان ہے، اس سے رعایا کے بارہ میں باز پرس ہوگی، مرد اپنی بیوی بچوں کا نگہبان ہے، اس سے اس کی باز پرس ہوگی، عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے، اس سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی۔ (۱)

اس سے ظاہر ہوا کہ جس طرح مرد اپنی بیوی بچوں کا ذمہ دار ہے، اسی طرح بیوی گھر کی ذمہ دار ہے، اس لیے گھریلو معاملات میں عورتوں اور مردوں کی حیثیت مساوی ہوگی۔

بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم: اگر شادی کے بعد مرد عورت کو پسند نہیں کرتا یا دونوں میں کسی سبب سے نا اتفاقی ہو جاتی ہے تب بھی مردوں کو عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت اور تحمل و برداشت کا حکم ہے۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (نساء-۳)

اور بیویوں کے ساتھ حسن سلوک سے گذران کرو، اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو کیا عجب ہے کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت خیر و برکت دے۔

عموماً گھریلو معاملات میں بہت چھوٹی چھوٹی باتوں سے میاں بیوی کے تعلقات میں خرابی کی بنیاد پڑ جاتی ہے، جو بیشتر عورتوں کی نازک مزاجی کا نتیجہ ہوتی ہے، حدیث میں عورتوں کی اس طبعی کمزوری کو ایک بڑی اچھی مثال سے واضح کیا ہے اور اس کو نظر انداز کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ عورتوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ، وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اگر اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اس کو توڑ دو گے تو اس کجی کے ساتھ

(۱) بخاری باب قوا نفسکم و اہلکم ناراً

ان سے نباہ کرو۔ (۱)

ایک حدیث میں ہے۔

خیر کم خیر کم لأهلہ (ترمذی)

تم میں سب سے بھلا وہ ہے جو اپنی بیوی کے لیے بھلا ہے۔

اختلاف کی صورت میں صلح کی کوشش: لیکن اگر میاں بیوی کے درمیان کشیدگی پیدا

ہو جائے یا اس کا اندیشہ ہو تو جہاں تک ممکن ہو دونوں میں صلح کرانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

وَأِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا

حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا

إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقُ اللَّهُ بَيْنَهُمَا

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا (نساء-۶)

اگر میاں بیوی میں کشیدگی کا اندیشہ ہو تو

ایک بیچ مرد کے کنبہ سے مقرر کرو اور ایک

بیچ عورت کے کنبہ سے، اگر یہ (دل سے)

صلح کرانا چاہیں گے، تو اللہ دونوں میں

صلح کرادے گا اور بیشک اللہ (سب کے

ارادوں سے) واقف اور خبردار ہے۔

ایک دوسری آیت میں حکم ہے۔

وَإِنْ امْرَأَةٌ خَانَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ

إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا

بَيْنَهُمْ صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ

(نساء-۱۹)

اور اگر عورت کو شوہر کی طرف سے زیادتی

یا بے رغبتی کا خوف ہو تو دونوں پر کوئی

گناہ نہیں کہ (صلح کی کوئی بات طے کر

کے) آپس میں صلح کر لیں اور صلح ہر حال

میں بہتر ہے۔

طلاق اور عدت کے احکام: لیکن اگر صلح کی کوئی شکل نہ نکل سکے اور دونوں میں

علاحدگی ضروری ہو جائے تو اللہ دونوں کا مالک ہے اور دونوں کو ایک دوسرے سے مستغنی

کردے گا۔

(۱) بخاری باب المدارة مع النساء وقول النبي ﷺ إنما المرأة كالصلح

وَأَن يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهِ
وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا

(نساء-۱۹)

اور (اگر دونوں میں صلح کی کوئی صورت نہ
نکل سکے) اور دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ
دونوں کو اپنی قدرت سے ایک دوسرے
سے بے نیاز کر دے گا اور اللہ وسعت
والا باتدبیر ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ دونوں کا سامان کرے گا۔

گو طلاق بعض حالتوں میں ناگزیر ہو جاتی ہے لیکن وہ شریعت کی نگاہ میں ”الْبَغْضُ
المباحات“ یعنی جائز چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے، اس لیے کلام مجید میں
بار بار صلح کی تاکید ہے لیکن طلاق میں بھی خوش اسلوبی کے ساتھ طلاق دینے کا حکم ہے، تین
طلاقیں ایک ساتھ نہ دے، بلکہ وقفہ وقفہ سے دے کہ شاید دونوں میں صلح و مفاہمت کی کوئی
صورت نکل آئے اور شوہر رجوع کر لے (۱) لیکن اگر اس کی شکل بھی نہ نکل سکے تو مرد کا فرض
ہے کہ ایامِ عدت میں عورت کو اپنے گھر سے نہ نکالے اور ختمِ عدت تک اس کی کفالت کرے۔

اے پیغمبر (مسلمانوں سے کہو) کہ جب
تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کی
عدت کے شروع میں طلاق دو اور طلاق
کے بعد ہی سے عدت کا شمار کرو اور اللہ
سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہو
(عدت میں) ان کو گھروں سے نہ نکالو
اور نہ وہ خود نکلیں مگر اس صورت میں کہ وہ
کھلی ہوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں اور
یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں جس

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ
فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ
وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ وَلَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ
بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ
بِفَاحِشَةٍ مُّبَيَّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ
وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ
لَا تَذَرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ
أَمْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ
بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَى عَدْلِ

(۱) یعنی طلاق بائن پڑنے سے پہلے پھر اس کو بیوی بنالے۔

مِنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ذَالِكُمْ
يُوعِظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ (طلاق-۱)

نے ان سے باہر قدم رکھا تو اس نے
اپنے اوپر ظلم کیا تو نہیں جانتا کہ شاید اللہ
(طلاق کے بعد) ملاپ کی کوئی صورت
پیدا کر دے، جب عورتیں اپنی عدت پوری
کرنے کے قریب ہوں تو (طلاق سے
رجوع کر کے خوش اسلوبی سے) ان کو
روک لو یا خوش اسلوبی سے علاحدہ کر دو
اور اپنے میں سے دو آدمیوں کو گواہ بنالو
اور (ضرورت کے وقت) اللہ کا پاس کر
کے ٹھیک ٹھیک گواہی دو، یہ نصیحت کی
باتیں ان لوگوں کو سمجھائی جاتی ہیں جو اللہ
اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

عرب جاہلی میں کامل علاحدگی سے پہلے اور ایام عدت میں عورتوں کو طرح طرح
سے ستاتے تھے، اس لیے کلام مجید نے خوش اسلوبی سے رجوع کر لینے یا خوش اسلوبی سے
علاحدہ کر دینے کی بار بار تاکید اور ایذا پہنچانے کی ممانعت کی ہے اور اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع
حمل تک ان کو گھر میں رکھنے اور ان کی کفالت کا حکم ہے۔

(مطلقہ عورتوں کو ایام عدت میں) جہاں
تک مقدور ہو ان کو وہیں رکھو جہاں تم
خود رہتے ہو اور ان پر سختی کرنے کے لیے
ان کو ایذا نہ دو اور اگر وہ حاملہ ہوں تو بچہ
جننے (حاملہ عورت کی عدت وضع حمل تک
ہے) تک ان کا خرچ برداشت کرو۔

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ
وَجَدِكُمْ وَلَا تَضَارُّوهُنَّ لِيُضَيِّقُوا
عَلَيْهِنَّ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتٍ حَمْلٍ
فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ
(طلاق-۱)

اور جب تم نے عورتوں کو (دوبار) طلاق
دے دی اور ان کی عدت پوری ہونے کو
آئی تو یادستور کے مطابق ان کو اپنی
زوجیت میں روک لو یا خوش اسلوبی کے
ساتھ ان کو چھوڑ دو، ایذا دہی کے لیے ان
کو نہ روکو، نہ ان پر زیادتی کرو، جو ایسا
کرے گا وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا اور اللہ
کے احکام کو ہنسی کھیل نہ سمجھو۔

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلْيُغْنِ أَجْلُهُنَّ
فَإُمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ
بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا
لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ
نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُورًا
(بقرہ-۲۸)

تین طلاقوں کے بعد رجعت نہیں ہو سکتی، اس لیے پہلے دو طلاقیں دینے کا حکم
ہے کہ شاید مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے اگر نہ نکل سکے تو پھر خوش اسلوبی سے رخصت
کر دے۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَإُمْسَاكِ بِمَعْرُوفٍ أَوْ
تَسْرِیْخٍ بِإِحْسَانٍ (بقرہ-۲۷)
طلاق دو دفعہ کر کے دیجائے، اس کے
بعد یادستور کے مطابق (رجعت کر کے)
زوجیت میں رہنے دیا جائے یا حسن
سلوک کے ساتھ رخصت کر دیا جائے۔

مہر کی ادا گی: طلاق کے بعد مہر کی رقم خوش دلی سے ادا کر دینی چاہیے، اگر عورت اپنی
خوشی سے اس کا کچھ حصہ چھوڑ دے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

وَأَتُوا النِّسَاءَ صَلَاقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ
طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ
هَنِيئًا مَرِيًّا (نساء-۱)
عورتوں کا مہر خوش دلی سے ادا کر دو پھر
اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ
چھوڑ دیں تو اس کو مزے سے کھاؤ پیو۔

شوہر بیوی کو جتنا بھی دے چکا ہو، طلاق کے بعد اس کو واپس نہ لینا چاہیے اور نہ
اس کے لیے اس پر کوئی تہمت لگانا چاہیے، اس کو واپس لینا گزرے ہوئے ازدواجی

تعلقات کے خلاف ہے۔

وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ
زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا
فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا اتَّخَذُوهُ بُهْتَانًا
وَإِنَّمَا مُبِينًا وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ
أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَأَخَذْنَ
مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا (نساء-۲)

اور اگر تمہارا ارادہ ایک بیوی کی جگہ
دوسری بیوی لانے کا ہو تو اگر پہلی بیوی کو
بہت سا مال دے چکے ہو تو اس میں سے
کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اس پر بہتان لگا
کر اور کھلے ہوئے گناہ کی بات کہہ کر دیا
ہو مال واپس لینا چاہتے ہو، حالانکہ تم
ایک دوسرے سے بے حجابانہ مل چکے ہو
اور بیویاں (نکاح کے وقت) تم سے
پکا وعدہ لے چکی ہیں۔

مطلقہ کو عقد ثانی سے روکنے کی ممانعت:
رکھنا کہ وہ دوسری شادی نہ کر سکیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ
تَرْثُوا النِّسَاءَ كُرْهًا لَا تَعْضِلُوهُنَّ
لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ
يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (نساء-۳)

مسلمانو! تمہارے لیے جائز نہیں ہے
کہ عورتوں کو میراث سمجھ کر زبردستی ان پر
قبضہ رکھو اور نہ ان کو اس لیے قید رکھو کہ جو
کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ
چھین ہو مگر اس صورت میں کہ وہ کوئی کھلی
ہوئی بے حیائی کا کام کریں۔

عدت گزر جانے کے بعد ان کو دوسری شادی سے نہ روکنا چاہیے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَلْيُغْنَ أَجَلُهُنَّ
فَلَا تَعْضِلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ
إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ
اپنی عدت پوری کر لیں اور جائز طور سے
آپس (یعنی کسی مرد سے) میں ان کی

مرضی مل جائے تو ان کو دوسرے شوہر کے
ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو۔

زمانہ جاہلیت میں مرد مطلقہ عورت کو جن جن شکلوں سے ستاتے اور تکلیفیں
پہنچاتے تھے، مذکورہ بالا آیات میں ان سب صورتوں کو روک دیا گیا۔
عورتوں کو خلع کا حق: جس طرح مردوں کو عورتوں کو طلاق دینے کا حق ہے، اسی طرح
خاص حالات میں عورتوں کو بھی کچھ دے دلا کر مردوں سے گلو خلاصی کا حق حاصل ہے، جس
کو شرعی اصطلاح میں خلع کہتے ہیں۔

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا
آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا
يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا
فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ
فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (بقرہ-۲۹)

اور تم عورتوں کو جو کچھ دے چکے ہو، اس
میں تم کو کچھ بھی واپس لینا جائز نہیں مگر
اس صورت میں کہ میاں بیوی کو اس بات
کا خوف ہو کہ اللہ نے ان کے درمیان
جو حدیں قائم کی ہیں ان پر قائم نہ رہ سکیں
گے اور عورت (اپنا پیچھا چھڑانے کے
بدلہ میں) کچھ دیدے تو اس میں دونوں
پر کوئی گناہ نہیں ہے، یہ اللہ کی مقرر کی
ہوئی حدیں ہیں، ان کے آگے مت بڑھو
اور جو اللہ کی حدود سے آگے بڑھے گا تو
ایسے لوگ ظالم ہیں۔

اس کی مزید صراحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔

عن حبیبة بنت سهل انہا کانت
تحت ثابت بن قیس بن شماس
وان رسول اللہ ﷺ خرج علی
حبیبة بنت سهل سے روایت ہے جو قیس
بن شماس کے بیٹے ثابت کے نکاح میں
تھیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ صبح کی

الصبح فوجد حبیبة بنت سهل عند بابہ فی المجلس فقال رسول اللہ ﷺ من هذه قالت انا حبیبة بنت سهل یا رسول اللہ ﷺ فقال ما شأنک قالت لا انا ولا ثابت بن قیس لزوجها فلما جاء ثابت بن قیس قال له ﷺ: هذه حبیبة بنت سهل قد ذكرت ما شاء اللہ ان تذكر فقالت حبیبة یا رسول اللہ کل ما أعطانی عندی فقال رسول اللہ ﷺ لثابت خذ منها فخذ منها و جلست فی أهلها (موطأ باب ما جاء فی الخلع)

نماز کے لیے نکلے تو حبیبة بنت سهل کو اندھیرے میں اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑا پایا، آپؐ نے پوچھا کون ہے؟ حبیبة نے جواب میں عرض کیا یا رسول اللہ میں حبیبة بنت سهل ہوں، فرمایا کیسے آنا ہوا، عرض کیا میں اور ثابت بنت قیس ایک ساتھ نہیں رہ سکتے، جب ثابت آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا یہ حبیبة بنت سهل ہیں ان کو جو کچھ کہنا تھا کہ چکیں، حبیبة نے عرض کیا یا رسول اللہ! ثابت نے جو کچھ مجھ کو دیا تھا سب میرے پاس موجود ہے، رسول اللہ ﷺ نے ثابت سے فرمایا کہ اس میں سے کچھ لے لو (اور حبیبة کو چھوڑ دو) چنانچہ انھوں نے لے لیا اور حبیبة اپنے کنبہ میں چلی گئیں۔

یہی روایت حضرت ابن عباسؓ سے دوسرے طریقے سے مروی ہے۔

نکاح میں عورتوں کی پسند اور رضا مندی ضروری ہے: اسلام سے پہلے عورتوں کی شادی میں ان کی رضا مندی ضروری نہ تھی، ماں باپ یا ولی جس کے ساتھ چاہتے تھے نکاح کر دیتے تھے، عورتوں کے لیے اس میں چوں و چرا کی گنجائش نہ تھی، اسلام نے عورتوں کی رضا مندی اور ان کی اجازت ضروری قرار دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الأیم أحق بنفسها من ولیها والبرک تستاذن فی نفسها و اذنہا صماتہا
بے شوہر کی عورت (خواہ وہ کنواری ہو یا
ثیبہ) کو اپنے ولی کے مقابلہ میں اپنے

بارہ میں فیصلہ کرنے کا زیادہ حق ہے،
باکرہ اپنے دل میں اجازت دیدے اس
کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔

یعنی باکرہ کے لیے زبان سے اجازت دینا ضروری نہیں ہے، صرف دل سے اس
کی رضا مندی کافی ہے اور اس کی خاموشی اس کی رضا مندی ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شوہر کی
عورت (یعنی ثیبہ) کا نکاح اس وقت
تک نہ کیا جائے جب تک وہ صریح
اجازت نہ دیدے اور دو شیزہ کا اس وقت
تک نہ کیا جائے جب تک اس کی
رضا مندی نہ معلوم ہو جائے، لوگوں نے
پوچھا: اس کی رضا مندی کی کیا شکل ہے؟
فرمایا کہ خاموش رہے۔

ان رسول اللہ ﷺ قال لاتنکح الایم
حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی
تستاذن قالوا یا رسول اللہ وکیف
اذنہا قال ان تسکت (یہ دونوں
روایتیں مسلم کتاب النکاح باب
استئذان الثیب فی النکاح بالنطق
والبکر بالسکوت میں ہے)

جبریہ شادی میں فسخ نکاح کا حق: اگر باپ مرضی کے خلاف لڑکی کی شادی کر دے تو
لڑکی کی خواہش پر نکاح فسخ کر دیا جائے گا، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک
عورت کا شوہر مر گیا، اس نے ایک شخص سے نکاح کرنا چاہا، اس کے باپ نے اسکی مرضی
کے خلاف ایک دوسرے شخص سے شادی کر دی، عورت نے رسول اللہؐ سے شکایت کی، آپؐ
نے اس کے باپ کو بلا کر استفسار فرمایا کہ تم نے اس کی مرضی کے خلاف اس کی شادی کی ہے
اس نے کہا ہاں، جس سے لڑکی شادی کرنا چاہتی تھی، اس سے بہتر شخص کے ساتھ میں نے
شادی کی ہے، آپؐ نے دونوں میں تفریق کرادی۔ (۱)

(۱) مسند ابو حنیفہ باب زوج بریرہ

حضرت ابن عباسؓ سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک دوشیزہ لڑکی نے رسول اللہ ﷺ سے آکر شکایت کی کہ اس کے باپ نے اس کی مرضی کے خلاف اس کی شادی کر دی ہے، آپؐ نے اس لڑکی کو اختیار دیا کہ چاہے وہ قبول کرے، چاہے رد کر دے۔ (۱)

بریرہؓ ایک لونڈی تھیں، ان کے شوہر مغیث غلام تھے، بریرہؓ کو ان کے مالک نے آزاد کر دیا (آزاد عورت اگر چاہے تو اپنے غلام شوہر کو چھوڑ سکتی ہے) اس لیے آزادی کے بعد بریرہؓ نے مغیث کو چھوڑ دیا، وہ بیوی کے عاشق زار تھے، اس کے پیچھے پیچھے روتے پھرتے تھے، ان کی وارفتگی کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ مغیث کو بریرہؓ کے ساتھ کس قدر شیفتگی اور بریرہؓ کو ان سے کس قدر نفرت ہے اور مغیث کا حال زار دیکھ کر بریرہؓ سے فرمایا کہ مغیث کے پاس لوٹ جاؤ، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ آپ کا حکم ہے؟ فرمایا: نہیں، صرف سفارش ہے، بریرہؓ نے کہا تو پھر میں واپس نہیں جاتی۔ (۲)

اس سے شادی کے معاملہ میں عورتوں کی آزادی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

وراثت میں عورتوں کا حصہ: اسلام سے پہلے عورت اپنی ذاتی املاک تک کی مالک نہ ہوتی تھی، شادی کے بعد شوہر اس کا مالک ہو جاتا تھا، وراثت میں اس کا کوئی حصہ نہ تھا، اسلام نے اس کو ماں بیٹی، بہن، بیوی ہر حیثیت سے ماں، باپ، شوہر، بھائی، بہن اور بیٹے، بیٹی کے ترکہ میں اس کا حصہ بھی مقرر کیا، جس کی تفصیل قرآن مجید میں موجود ہے، اس کی املاک کا اس کو مالک قرار دیا جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے۔

با عصمت عورتوں کی عزت و ناموس کا تحفظ: مختلف حیثیتوں سے ان کی عزت و آبرو کا تحفظ اور ان کا وقار قائم کیا، زمانہ جاہلیت میں عورتوں پر تہمت لگا دینا معمولی بات تھی،

(۱) سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب فی البکر یزوجہا ابوہا لایستامرہا (۲) بخاری کتاب الطلاق

باب شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جس سے عورت کی پوری زندگی برباد ہو جاتی تھی اور اس کا خاندان بدنام ہو جاتا تھا، کلام مجید نے تہمت طرازوں کو دنیا و آخرت دونوں میں لعنت اور قیامت میں عذاب عظیم کا مستحق قرار دیا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ
الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ
(نور-۴)

جو لوگ ایسی پاکدامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں جو (ایسی باتوں سے) بے خبر ہیں اور ایمان رکھتی ہیں ایسے لوگ دنیا و آخرت دونوں میں ملعون ہیں اور (قیامت میں) ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

محض اس تہدید پر بس نہیں کیا بلکہ اگر تہمت لگانے والے اس کے ثبوت میں چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو ان کو فاسق، مردود الشہادۃ قرار دیا اور ان کی سزا اسی کوڑے مقرر کی۔

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ
يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ
ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً
أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (نور-۱)

جو لوگ پاکدامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں اور چار گواہ نہ لاسکیں ان کو اسی کوڑے لگاؤ اور اس کی شہادت کبھی نہ قبول کرو، ایسے لوگ فاسق ہیں۔

اس سزا نے عورتوں کی عزت و آبرو محفوظ کر دی۔

رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں عورتوں کی منزلت: عورتوں کے بارہ میں سب سے بڑا اسوہ خود رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے، آپ کی نگاہ میں عورتوں کی جو قدر و منزلت ہے اس کے ثبوت کے لیے یہ حدیث کافی ہے۔

حبب الی من دنیاکم النساء و
الطیب وجعلت قرۃ عینی فی الصلاة
(جامع صغیر بحوالہ نسائی، مسند احمد بن حنبل و مستدر)

تمہاری دنیا میں سے میرے لیے عورتیں اور خوشبو مرغوب بنادی گئی ہیں، لیکن میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز ہے۔

ایک حدیث میں آپؐ نے ان کو آگینہ سے تشبیہ دی ہے، آپ ازواج مطہرات کے ساتھ سفر کر رہے تھے، ساربان انجشہ نے اونٹوں کو تیز چلانے کے لیے حدی خوانی شروع کی، آپؐ نے فرمایا: انجشہ شیشوں (مستورات) کو سنبھال کر لے چلو۔

امام مسلم نے یہ روایت ”باب فی رحمۃ النبی علیہ السلام للنساء و امر السواق مطایاھن بالرفق لھن“ میں نقل کی ہے۔

نماز تک میں عورتوں کا لحاظ رکھتے تھے، حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں طویل نماز پڑھنے کا ارادہ کرتا ہوں پھر (مقتدی ماں کے) بچے کے رونے کی آواز سن کر اس کی ماں کی پریشانی کے خیال سے مختصر کر دیتا ہوں۔ (۱)

بارگاہ نبوی میں ہر وقت مردوں کا ہجوم رہتا تھا، عورتوں کو وعظ و پند سننے اور مسائل دریافت کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا، انھوں نے درخواست کی کہ ان کے لیے ایک دن مخصوص کر دیا جائے، آپؐ نے ان کی درخواست منظور فرمائی۔ (۲)

آپؐ کی نرمی اور ملاحظت کی بنا پر عورتیں آپؐ سے بے تکلفی سے باتیں کرتی تھیں ایک مرتبہ بہت سی قرابت دار بی بیاء جمع تھیں اور آپؐ سے بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی تھیں، اتنے میں حضرت عمرؓ آگئے ان کو دیکھ کر سب اٹھ کر چل دیں، آنحضرت ﷺ ہنس پڑے، حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ خدا حضور ﷺ کو خنداں رکھے، آپؐ ہنسے کیوں، فرمایا: ان عورتوں پر جو تمھاری آواز سن کر سب چھپ گئیں، حضرت عمرؓ نے ان عورتوں سے کہا ”اپنے جان کی دشمنو! مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ ﷺ سے نہیں ڈرتیں“، انھوں نے جواب دیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی بہ نسبت سخت مزاج ہیں۔ (۳)

ایک مرتبہ آپؐ حضرت عائشہؓ کے گھر میں منہ ڈھانکے آرام فرما رہے تھے، عید کا دن تھا لڑکیاں گاجارہی تھیں، حضرت ابو بکرؓ آئے تو ڈانٹا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا گانے

(۱) مسلم کتاب الصلوٰۃ باب امر الائمة بخفیف الصلوٰۃ (۲) بخاری کتاب العلم باب بل تبجل للنساء یوما علاحدہ (۳) بخاری مناقب عمر بن الخطابؓ

دوان کی عید کا دن ہے۔ (۱)

جب عورتوں کے مجمع سے گذرتے تھے تو خود ان کو سلام کرتے تھے، اسماء بنت یزیدؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں عورتوں کے مجمع کے سامنے سے گذرے تو ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔ (۲)

جن عورتوں سے کسی قسم کا تعلق ہوتا تو کبھی کبھی ان سے ملنے کے لیے تشریف لے جاتے تھے، حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ کے گھر کبھی کبھی تشریف لے جاتے، وہ بستر بچھا دیتیں، آپ آرام فرماتے، جب سو کر اٹھتے تو وہ آپ کا پسینہ ایک شیشی میں جمع کر لیتیں، مرتے وقت وصیت کی تھی کہ کفن کے حنوط میں عرق مبارک ملا لیا جائے۔ (۳)

حضرت انسؓ کی خالہ ام حرامؓ قبا میں رہتی تھیں، جب آپ قبا تشریف لے جاتے تو ان سے ضرور ملتے، وہ اکثر کھانا پیش کرتیں، آپ نوش فرماتے اور جب آپ استراحت فرماتے تو ام حرامؓ آپ کے سر سے جوئیں نکالتیں۔ (۴)

ازواج مطہرات کے ساتھ آپ کا حسن معاشرت: بیوی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے لطف و مدارات کا اندازہ آپ کی گھریلو زندگی کے واقعات سے ہوتا ہے، آپ کا معمول تھا کہ ہر روز تمام ازواج مطہرات کے گھروں میں جو پاس پاس تھے تشریف لے جاتے، ہر ایک کے پاس تھوڑی دیر ٹھہرتے، جب ان بیوی کا گھر آ جاتا جن کے یہاں قیام کی باری ہوتی تو شب کو وہیں قیام فرما دیتے، یہ ابوداؤد کی روایت ہے، زرقانی میں حضرت ام سلمہؓ کے حال میں لکھا ہے کہ آپ عصر کے وقت ازواج مطہرات کے گھروں پر تشریف لے جاتے تھے اور اس کی ابتدا حضرت ام سلمہؓ کے گھر سے ہوتی تھی، بعض روایتوں میں ہے کہ جن بیوی کی باری ہوتی تھی، انہی کے گھر پر تمام ازواج مطہرات آ جاتی تھیں اور دیر تک

(۱) مسلم کتاب العیدین باب الرخصة فی اللعب الذی لا معصیۃ فیہ (۲) ترمذی ابواب

الاستیذان والادب باب ماجاء فی التسلیم علی النساء (۳) بخاری کتاب الاستیذان

(۴) بخاری کتاب الجہاد باب الدعاء باب الجہاد والشہادۃ للرجال

صحبت رہتی تھی، کچھ رات گئے سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتی تھیں۔

آپ کی پہلی بیوی حضرت خدیجہ صدیقہ آپ سے عمر میں پندرہ سال بڑی تھیں، لیکن آپ کو ان سے غایت درجہ کی الفت تھی، ان کی زندگی بھر آپ نے دوسری شادی نہیں کی، ان کی وفات کے بعد بڑی حسرت سے ان کو یاد کرتے تھے اور جب ان کا ذکر آ جاتا ہے تاب ہو جاتے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے خدیجہؓ کو نہیں دیکھا تھا، مگر رسول اللہ ﷺ اس کثرت سے ان کا تذکرہ کرتے تھے کہ مجھے جس قدر خدیجہؓ پر رشک تھا کہ کسی عورت پر نہ تھا، جب آپ قربانی کرتے تو پہلے خدیجہؓ کی سہیلیوں کو حصہ بھجواتے۔

ایک مرتبہ حضرت خدیجہؓ کی بہن حضرت ہالہؓ رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لیے آئیں اور اندر آنے کی اجازت چاہی، ان کی آواز حضرت خدیجہؓ کی آواز سے ملتی ہوئی تھی، اس کو سن کر آپ کو حضرت خدیجہؓ یاد آ گئیں اور جھجک اٹھے، فرمایا: ہالہؓ ہوں گی، حضرت عائشہؓ نے کہا آپ کیا ایک بوڑھی عورت کو یاد کرتے ہیں جو عرصہ ہوا ختم ہو چکیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے بہتر بیوی دیدی۔ (۱)

جنگ بدر میں آپ کے داماد ابوالعاص جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے گرفتار ہوئے ان کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی، انھوں نے اپنی بیوی حضرت زینبؓ کے پاس جو اس وقت مکہ میں تھیں کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں، حضرت زینبؓ کی جب شادی ہوئی تھی تو حضرت خدیجہؓ نے ان کو ایک قیمتی ہار جہیز میں دیا تھا، حضرت زینبؓ نے وہی ہار گلے سے اتار کر بھیج دیا، آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو پچیس برس کا محبت انگیز واقعہ یاد آ گیا، آپ بے اختیار رو پڑے اور صحابہؓ سے فرمایا: تمھاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دو، سب نے تسلیم کی گردنیں جھکا دیں اور وہ ہار واپس کر دیا۔ (۲)

حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت عائشہؓ سے ان کی ذہانت و ذکاوت اور دوسری خصوصیات کی بنا پر آپ کو زیادہ محبت تھی، حضرت عائشہؓ شادی کے وقت بہت کم سن تھیں اور

(۱) یہ سب روایتیں مسلم باب فضائل خدیجہؓ میں ہیں (۲) ابوداؤد و تارخ طبری

لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں، آنحضرت ﷺ اتفاقاً آجاتے تو لڑکیاں بھاگ جاتیں، آپ ان کو بلا کر حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیتے۔ (۱)

جبشی چھوٹے نیزوں سے جس کو حراب کہتے ہیں ایک کھیل کھیلتے تھے ایک مرتبہ عید کے دن وہ یہ تماشا دکھا رہے تھے، حضرت عائشہؓ نے اس کو دیکھنے کی خواہش کی، آنحضرت ﷺ ان کے آگے کھڑے ہو گئے اور حضرت عائشہؓ نے آپ کی آڑ لے کر تماشا دیکھا اور جب تک وہ خود تھک کر نہ بیٹھ گئیں، آپ برابر کھڑے رہے۔ (۲)

ایک مرتبہ آپ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: آؤ تیز چلنے میں مقابلہ کریں، حضرت عائشہؓ اس وقت چھریں بدن کی تھیں، آگے نکل گئیں، جب ذرا سن زیادہ ہوا اور بدن بھر گیا تو پھر تیز قدمی میں مقابلہ ہوا، اس مرتبہ وہ پیچھے رہ گئیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ اس دن کا جواب ہے۔ (۳)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ایک لونڈی کو ساتھ لیے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے اور ان سے پوچھا اس کو پہنچانتی ہو، انھوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ! فرمایا: فلاں شخص کی لونڈی ہے، تم اس کا گانا سننا چاہتی ہو، انھوں نے کہا ہاں، ان کی خواہش پر لونڈی نے گانا سنایا، آپ نے سن کر فرمایا: ان کے نتھنوں میں شیطان باجا بجاتا ہے (۴) یعنی آپ نے حضرت عائشہؓ کی دلجوئی کے لیے گانا تو سنوادی مگر اس کو پسند نہیں فرمایا۔

حضرت عائشہؓ نے ایک انصاری لڑکی کی پرورش کی تھی، سادگی سے اس کی شادی کی، آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو پوچھا کچھ گانا بجانا نہیں ہے، انصاریوں میں اس کا ذوق ہے (۵)، شادی کے موقع پر جائز گانے میں مضائقہ نہیں ہے۔

اکثر کھانا حضرت عائشہؓ کے ساتھ نوش فرماتے تھے، ایک مرتبہ دونوں کھا رہے

(۱) مسلم کتاب الفضائل باب فضائل عائشہؓ (۲) بخاری کتاب النکاح باب حسن المعاشرة

(۳) ابوداؤد ابواب المسبق (۴) مسند احمد ابن حنبل ج ۶ مسند عائشہؓ (۵) ایضاً جلد ۶

ص ۲۶۹ و بخاری کتاب النکاح

تھے کہ حضرت عمرؓ آگئے، آپؐ نے ان کو بھی شریک کر لیا۔ (۱)

کبھی کبھی حضرت عائشہؓ کے زانو پر سر رکھ کر سو جاتے تھے، ایک دفعہ اسی طرح آرام فرما رہے تھے کہ حضرت ابو بکرؓ صدیق آگئے مگر حضرت عائشہؓ نے اس خیال سے حرکت نہیں کی کہ آپؐ کے آرام میں خلل ہوگا۔ (۲)

میاں بیوی کے تعلقات ایسے ہیں کہ دونوں میں کتنا ہی فرق مدارج ہونسواری ادائیں اپنا کام کرتی رہتی ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ سے بے تکلفی سے تیز باتیں کر رہی تھیں، اتنے میں حضرت ابو بکرؓ آگئے، وہ حضرت عائشہؓ کا لہجہ دیکھ کر برہم ہوئے اور اس کی تنبیہ کرنی چاہی، رسول اللہ ﷺ نے روک دیا اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ تم کو کیسا بچایا۔ (۳)

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ سے فرمایا: عائشہؓ جب تم مجھ سے خوش اور ناراض ہوتی ہو تو مجھ کو اس کا پتہ لگ جاتا ہے، ناراض ہوتی ہو تو ابراہیم کے خدا کی قسم اور خوش رہتی ہو تو محمد کے خدا کی قسم کھاتی ہو، عرض کی یا رسول اللہ صرف زبان سے نام چھوڑتی ہوں۔ (۴)

حضرت صفیہؓ کھانا بہت عمدہ پکاتی تھیں، ایک دن انھوں نے کچھ پکا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا، آپؐ اس وقت حضرت عائشہؓ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے انھوں نے خادم سے پیالہ چھین کر زمین پر پٹک دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ کے ٹکڑے چن چن کر جمع کیے اور دوسرا پیالہ منگا کر حضرت صفیہؓ کو واپس کیا۔ (۵)

حضرت صفیہؓ خیر کے رئیس جی بن اخطب کی بیٹی تھیں، جنگ خیبر میں مسلمانوں

(۱) ادب المفرد باب اکل الرجل مع امرأته (۲) بخاری کتاب الیتیم (۳) ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی المزاج (۴) بخاری الادب باب ما یجوز فی البحران (۵) یہ روایت بخاری کتاب النکاح میں ہے لیکن بیویوں کے نام نہیں ہیں، نام کی تصریح نسائی میں ہے، لیکن روایت میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔

کے ہاتھ آئیں اور رسول اللہ کے حصہ میں پڑیں، آپ نے ان کے رتبہ کا لحاظ کر کے ان سے نکاح کر لیا، وہ نسلاً یہودی تھیں اس لیے دوسری ازواج مطہرات ان کو طعنہ دیا کرتی تھیں، ایک مرتبہ وہ اس طعنہ پر رو رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ان سے رونے کا سبب پوچھا، انھوں نے کہا حصہ (حضرت عمرؓ کی بیٹی) مجھ کو طعنہ دیتی ہیں کہ تم یہودی کی بیٹی ہو، آپ نے ان کی ولد ہی کے لیے فرمایا: تم نبی کی بیٹی ہو (یعنی حضرت ہارونؑ کی نسل سے) تمہارے چچا (حضرت موسیٰؑ) نبی تھے اور تم ایک نبی کی بیوی ہو، حصہ تم پر کس طرح فخر کر سکتی ہیں اور حضرت حصہ سے فرمایا کہ خدا کا خوف کیا کرو۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حصہ اور حضرت عائشہؓ نے ان سے کہا تھا کہ ہم دونوں تم سے زیادہ معزز ہیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی بھی ہیں اور چچا زاد بہن بھی، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ جواب کیوں نہ دیا کہ تم دونوں کس طرح مجھ سے بہتر ہو سکتی ہو، میرے شوہر محمدؐ ہیں، میرے باپ ہارونؑ ہیں اور میرے چچا موسیٰؑ ہیں۔ (۱)

اس قسم کے اور واقعات بھی ہیں جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ازواج مطہرات کے ساتھ کتنا تعلق تھا اور آپ ان کی کتنی دلجوئی فرماتے تھے۔

بیواؤں کی شادی کا حکم: عورتوں میں سب سے زیادہ مظلوم طبقہ بیواؤں کا تھا، شوہر کی موت کے بعد اس کی زندگی غم و الم اور حسرت و ناامیدی کی تصویر بن جاتی تھی، شوہر کے ترکہ میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا، شوہر کی موت کے بعد وہ زندگی بھر کے لیے اس کے ورثہ کی دست نگر اور غلام بن جاتی تھیں، عربوں میں شوہر کے ورثہ کی ملکیت ہو جاتی تھیں، وہ ان کے ساتھ جو سلوک چاہتے تھے، کرتے تھے، ہندوستان میں بیواؤں کو دوسری شادی کی اجازت نہ تھی یا وہ شوہر کی لاش کے ساتھ جل کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیتی تھیں یا زندگی کی ساری لذتوں اور راحتوں سے کنارہ کش ہو کر پوری زندگی بیوگی میں بسر کرنے پر مجبور تھیں۔

(۱) یہ دونوں روایتیں ترمذی کتاب المناقب باب فضل المناقب باب فضل ازواج النبیؐ میں ہیں۔

اسلام نے اس مظلوم طبقہ کی بھی دادرسی کی، ساری زندگی کے سوگ کو محدود کر دیا اور اس کی مدت چار مہینے دس دن مقرر کی اور اگر حاملہ ہو تو وضع حمل تک رکھی تاکہ اس درمیان میں اس کا غم و الم کچھ ہلکا ہو جائے اور وہ اپنی آئندہ زندگی کے بارہ میں کوئی فیصلہ کر سکے، اس کے بعد عقد ثانی کی اجازت دے دی، اگر اس کا مہر ادا نہ ہوا ہو تو شوہر کے ترکہ میں سے سب سے پہلے اس کا ادا کرنا ضروری قرار دیا، ترکہ میں اگر شوہر کے اولاد ہے تو بیوہ کا آٹھواں حصہ اور اگر اولاد ہے تو چوتھائی حصہ مقرر کیا کہ وہ شوہر کی موت کے بعد بالکل بے سہارا نہ ہو جائیں، اس طرح اس نے بیواؤں کو بیوگی کی مصیبتوں اور شوہر کے اعزہ و اقربا کے ظلم و ستم اور غلامی کی زندگی سے بالکل آزاد کر دیا، عورتوں کو نہ صرف عقد ثانی کی اجازت ہے بلکہ مسلمانوں کو یہ حکم دیا۔

وانکحوا الأيامی منکم (نور-۴)
اور اپنی بے شوہر والی عورتوں کا نکاح کرو
بیواؤں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم:
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الساعی علی الأرملة والمسکین
کالمجاهد فی سبیل اللہ أو کالذی
یصوم النہار ویقوم اللیل
بیوہ اور مسکین کی مدد کرنے والا خدا کی راہ
میں مجاہد یا اس شخص کی طرح ہے جو دن بھر
روزہ رکھتا ہے اور رات کو نمازیں پڑھتا ہے

ایک دوسری روایت میں ہے۔

الساعی علی الأرملة والمسکین
کالساعی فی سبیل اللہ وأحسبہ
قال کالقائم لا یفترو کالصائم
لا یفترو (۱)
بیوہ اور مسکین کی مدد کرنے والا ایسا ہے جیسے
خدا کی راہ میں مدد کرنے والا (راوی کا بیان
ہے کہ میرا خیال ہے کہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا
(اور جیسے وہ نمازی جو نماز سے کبھی نہیں
تھکتا اور وہ روزہ دار جو کبھی روزہ نہیں توڑتا

(۱) یہ روایتیں بخاری، مسلم اور موطا امام مالک تینوں میں ہیں۔

خود رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل تھا کہ اپنے عنقوان شباب میں جو جوانی کے جذبات اور ولولوں کی ہوتی ہے، ایک سن رسیدہ بیوہ حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا جو عمر میں آپؐ سے پندرہ سال بڑی تھیں اور ان کے ساتھ اس لطف و محبت کی زندگی بسر کی کہ جب تک وہ زندہ رہیں دوسری شادی نہیں کی۔

قرآن مجید نے اگرچہ بیواؤں کی شادی کا حکم دیا ہے لیکن بعض بیوائیں اپنے چھوٹے چھوٹے یتیم بچوں کی محبت میں دوسری شادی کرنا نہیں چاہتیں اور ان کی پرورش و پرداخت میں پاکدامنی کے ساتھ عمر بسر کر دیتی ہیں، ایسی عورتوں کو اس نے شادی پر مجبور نہیں کیا ہے بلکہ آنحضرت ﷺ نے اس کی تحسین فرمائی ہے اور ان کا مرتبہ بہت اونچا قرار دیا ہے چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

”میں اور محنت و مشقت کے سبب سے کالی پڑ جانے والی وہ بیوہ قیامت کے دن مرتبہ میں ان دو انگلیوں کے برابر ہوں گے یعنی وہ حسن و جمال اور جاہ و عزت والی بیوہ جو شوہر کے مرنے کے بعد بیوہ ہو جائے اور اپنے ننھے یتیم بچوں کی خدمت کے خاطر اپنے کو روکے رکھے یہاں تک کہ وہ پرورش پا کر اس سے علاحدہ ہو جائیں یا مرجائیں (۱) ایک دوسری روایت میں اس کو تمثیل یا واقعہ کی صورت میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

قیامت کے دن میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولوں گا تو دیکھوں گا کہ ایک عورت مجھ سے بھی پہلے اندر جانا چاہتی ہے، میں پوچھوں گا تو کون ہے، وہ کہے گی میں ایک بیوہ ہوں جس کے چند یتیم بچے تھے۔ (۲)



(۱) ابوداؤد کتاب الادب باب فضل من عال یتامی (۲) ایضاً

ساتواں باب یتیموں اور مسکینوں کے حقوق

یتیموں کے حقوق اور ان کے متعلق احکام: وہ بچہ جو شعور کی آنکھ کھولنے سے پہلے ہی باپ کی شفقت و محبت سے محروم ہو جائے پوری سوسائٹی کی شفقت و محبت کا مستحق ہے، لیکن بے درد اعزہ اس کو لا وارث سمجھ کر اس کے باپ کے ترکہ پر قبضہ کر لیتے تھے، سرپرست بن کر اس کی املاک سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے اور یتیم لڑکیوں کی شادی میں اپنا مفاد ملحوظ رکھتے تھے، عرب جاہلی میں بڑی اولاد باپ کے ترکہ کی وارث ہوتی تھی اور چھوٹی اولادیں محروم رہ جاتی تھیں، اس لیے تمام مذاہب نے یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی ہے، لیکن اسلام نے ان کے حقوق کے بارہ میں جو تفصیلی احکام دئے ہیں اس کی مثال کسی مذہب میں نہیں ملتی، اس نے ان کو نقصان پہنچانے والی تمام شکلوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔

اس نے حکم دیا کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ یتیم بچوں کو اپنے آغوش شفقت میں لے لے، غریب یتیموں کی پرورش و صاحب املاک یتیموں کے مال و متاع کی حفاظت اور ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرے، سن شعور کے پہونچنے کے بعد ان کی املاک ان کو واپس کر دے، یتیم لڑکیوں کی حفاظت و نگرانی کرے اور جب وہ شادی کی عمر کو پہونچیں تو مناسب جگہ ان کی شادی کر دے اور اپنی اولاد کی طرح ان کی فلاح و بہبود کا خیال رکھے۔

کن للیتیم کالاب الرحیم (۱) یتیم کے لیے مہربان باپ کی طرح بنو۔
 مساکین کی امداد و شگیری: بے کسی و بے نوائی میں وہ غریب و نادار بھی یتیم ہی کے درجہ
 میں ہیں، جو کسب معاش سے معذور ہیں اس لیے کلام مجید نے یتیموں کے ساتھ ہی ساتھ
 غریبوں اور ناداروں کی امداد و شگیری کا بھی حکم دیا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا
 وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ
 وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ (نساء-۶)

اور لوگو! اللہ کی عبادت کرو اور اس کے
 ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں
 باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور
 محتاجوں کے ساتھ سلوک کرو۔

ایک دوسری آیت میں ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَٰئِيلَ
 لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا
 وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ
 (نساء-۶)

اور (وہ دن یاد کرو) جب ہم نے بنی
 اسرائیل سے پکا وعدہ لیا تھا کہ خدا کے سوا
 کسی کی عبادت نہ کرو، ماں باپ کے ساتھ
 حسن سلوک سے پیش آؤ اور قرابت داروں
 اور یتیموں اور مساکین کے ساتھ سلوک کرو

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ غربت اور یتیمی میں آپ کی امداد و شگیری کو یاد دلا کر

ارشاد ہوتا ہے۔

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ وَوَجَدَكَ
 ضَالًّا فَهَدَىٰ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ
 فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ وَأَمَّا السَّائِلَ
 فَلَا تَنْهَرْ (ضحیٰ)

کیا تم کو خدا نے یتیم نہیں پایا تو تم کو پناہ
 دی (راہ حق کی تلاش میں) تم کو بھٹکتا پایا
 تو سیدھا راستہ دکھایا اور تم کو مفلس پایا تو
 غنی کر دیا (اس لیے اس کے شکرانہ میں)
 یتیم پر ظلم نہ کرنا اور سائل کو نہ جھڑکنا۔

(۱) ادب المفرد، باب کن للیتیم کالاب الرحیم

یتیم کے ساتھ بدسلوکی اور محتاجوں سے اعراض کرنا روز جزا کے انکار کا نتیجہ ہے۔

اے پیغمبر کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو روز جزا کو جھوٹ سمجھتا ہے، اسی سبب سے یتیموں کو دھکے دیتا ہے اور محتاجوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالْإِيمَانِ فَذَلِكَ
الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيمَ وَلَا يَحْضُ عَلَى
طَعَامِ الْمَسْكِينِ (ماعون)

ایک دوسری آیت میں ہے۔

ہرگز نہیں (تم اتنے بخیل ہو) کہ یتیم کی خاطر داری نہیں کرتے اور ایک دوسرے کو محتاج کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے اور مردوں کا پورا مال (یعنی یتیم بچہ کے باپ کا چھوڑا ہوا مال) سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور دنیاوی مال و متاع سے بڑی محبت رکھتے ہو۔

كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ وَلَا
تَحَاضُّونَ عَلَى طَعَامِ الْمَسْكِينِ
وَتَأْكُلُونَ التَّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا وَتُحِبُّونَ
الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (فجر)

نیکو کاروں کی یہ نشانی بتائی گئی ہے۔

وہ خدا کی محبت میں محتاج اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور (یہ بھی ظاہر کر دیتے ہیں) کہ ہم تم کو خدا کے لیے کھلاتے ہیں، نہ اس کا بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گزاری۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا
وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ
اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكْرًا
(دھر-۱)

یتیموں کے مال کی حفاظت و نگرانی: صاحب املاک یتیموں کے اولیا کو حکم ہے کہ وہ یتیموں کا مال ان کے حوالہ کر دیں اور اس میں کسی قسم کا ناجائز تصرف نہ کریں۔

وَأَتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَبَدَّلُوا
اور یتیموں کا مال ان کے حوالہ کر دو، ان

کے اچھے مال کو اپنے برے مال سے نہ
بدلو اور نہ ان کے مال میں اپنا مال ملا کر
سب کھا جاؤ، یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

الْخَبِيثَاتُ بِالطَّيِّبِ لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ
إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا
(نساء-۱)

جو لوگ یتیم کا مال کھا جاتے ہیں وہ درحقیقت انگارے کھاتے ہیں اور دوزخ کی
آگ میں ایندھن بنیں گے۔

جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں
وہ انگارے کھاتے ہیں اور وہ عنقریب
دوزخ میں جائیں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى
ظُلْمًا إِنَّهُمْ يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا
وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا (نساء-۱)

ایک دوسری آیت میں ہے۔

اور لوگو! یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ
مگر اس کی بہتری کی غرض سے یہاں
تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ
أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ (انعام-۱۹)

اس ڈر سے کہ یتیم بڑا ہو کر اپنے مال کا مطالبہ کرے گا، اس کو جلدی جلدی اڑانہ
دینا چاہیے، اگر سرپرست صاحب حیثیت ہے تو اس کو یتیم کے مال سے حق الخدمت بھی نہ
لینا چاہیے، لیکن اگر غریب ہے تو بقدر کفاف لے سکتا ہے۔

اور اس اندیشہ سے کہ یتیم بڑے ہو جائیں
گے فضول خرچی کر کے ان کا مال جلدی
جلدی نہ کھاؤ اور جو (سرپرست) غنی ہو
اس کو اس کے (یتیم کے مال سے) بچنا
چاہیے اور جو محتاج ہو وہ دستور کے مطابق
کھا سکتا ہے اور جب تم ان کا مال ان کو
واپس کرو تو (لوگوں کو) اس کا گواہ بنالو

وَلَا تَأْكُلُوها إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبُرُوا
وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ
كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا
دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهَدُوا
عَلَيْهِمْ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا (نساء-۱)

اور حساب لینے والا تو اللہ ہی بس ہے۔

ایسے نا سمجھ یتیموں کو ان کا مال حوالہ نہ کر دینا چاہیے، جو اس کو اڑا ڈالیں بلکہ اس کو ان کی ضروریات میں صرف کرتے اور ان کو نرمی سے سمجھاتے رہنا چاہیے، جب وہ عقل و شعور کو پہنچ جائیں اور ان میں پوری سمجھ آجائے تو اس وقت ان کا مال ان کے حوالہ کرنا چاہیے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ لَكُم مِّمَّا وَارِثُكُمْ فِيهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا وَابْتَلُوا الْيَتَامَى حَتَّى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ (نساء-۱)

اور اپنے مال کو جسے خدا نے تمہارے قیام کا سہارا بنایا ہے کم عقل (یتیموں) کے حوالہ نہ کرو اور اس سے ان کو کھلاتے پہناتے رہو اور ان کو سمجھاتے اور جانچتے رہو، جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں اور ان میں صلاحیت دیکھو تو ان کا مال ان کو واپس کر دو۔

یتیم لڑکیوں کی شادی کے احکام: بعض ولی اور سرپرست خود دولت مند یتیم لڑکیوں سے شادی کر لیتے تھے اور ان کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتے تھے، ان کو حکم دیا گیا کہ جو لوگ ایسی لڑکیوں کے ساتھ انصاف نہ کر سکیں، وہ دوسری عورتوں سے شادی کریں۔

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ (نساء-۱)

اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو گے تو (ان کو چھوڑ کر) دوسری عورتوں سے شادی کرو۔

اس حکم سے یہ غلط فہمی ہوتی تھی کہ یتیم لڑکیوں کے ساتھ شادی کی مطلق ممانعت کر دی گئی ہے جو بعض حالتوں میں ان کے لیے مضر ہوتی تھی، اس لیے دوسری آیت میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ

اور اے پیغمبر! لوگ تم سے (یتیم عورتوں

يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي
الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ الَّتِي
لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ
تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ
الْوَالِدَيْنِ أَنْ يَتَّقُوا لِلْيَتَامَى بِالْقِسْطِ
وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ
عَلِيمًا (نساء-۱۹)

کے بارے میں اجازت مانگتے ہیں تو ان
سے کہہ دو کہ اللہ (ان سے نکاح کی)
اجازت دیتا ہے اور اس سے پہلے تم کو جو
حکم دیا گیا ہے وہ ان یتیم عورتوں کے
بارے میں ہے جن کو تم ان کا حق نہیں
دیتے، جو ان کے لیے مقرر کیا گیا ہے،
مگر ان کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے ہو اور
بے بس بچوں خاص طور سے یتیموں کے
بارہ میں کہ ان کے ساتھ انصاف ملحوظ رکھو
ان کے ساتھ جو بھلائی بھی کرو گے خدا
اس کو جانتا ہے۔

احادیث میں یتیموں کی امداد و ستگیری کے فضائل: یہ یتیموں کے بارہ میں کلام مجید
کے احکام تھے، احادیث نبویؐ میں بھی ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی امداد و ستگیری کی
بڑی تاکید ہے، رسول اللہ ﷺ نے یتیموں کی کفالت کرنے والوں کو جنت میں اپنے برابر
جگہ دی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اور یتیم
کی کفالت کرنے والا جنت میں ان دو
انگلیوں (کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی) کی
طرح قریب ہوں گے۔

قال رسول الله ﷺ أنا وكافل اليتيم
في الجنة كهاتين وأشار باصبعيه
السبابة والوسطى

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس یتیم
لڑکی اور یتیم لڑکے کے ساتھ اچھا سلوک

قال رسول الله ﷺ من أحسن الى
يتيمة ویتيم عنده كنت أنا وهو في

الجنة کھاتین و قرن بین اصبعیه (۱) کرے گا جو اس کے پاس ہے تو میں اور وہ شخص جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح پاس پاس ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور گھر والے اس سے اچھا سلوک کرتے ہوں اور سب سے برا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور گھر والے اس سے برا سلوک کرتے ہوں۔ (۲)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان یتیم کو اپنے گھر میں رکھ کر کھلائے پلائے گا اللہ تعالیٰ اس کو ضرور جنت میں داخل کرے گا، بشرطیکہ اس نے کوئی ایسا گناہ نہ کیا ہو جو معاف نہ ہو سکتا ہو۔ (۳)

صحابہ کا سلوک یتیموں کے ساتھ: اس تعلیم نے عربوں کی کایا پلٹ دی، وہ دل جو بیکس یتیموں کے لیے پتھر سے زیادہ سخت تھے، موم سے زیادہ نرم ہو گئے اور ہر صحابی کا گھر یتیم خانہ بن گیا، ایک ایک یتیم کی پرورش کے لیے کئی کئی ہاتھ بڑھنے لگے اور ہر ایک اس کی کفالت اور پرورش کے لیے اپنی آغوش محبت پیش کرنے لگا۔ (۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کسی یتیم بچہ کے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے کان لایاکل الطعام الا و علی خوانہ یتیم۔ (۵) حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے خاندان اور انصار وغیرہ کی یتیم لڑکیوں کو اپنے گھر لا کر پرورش کرتی تھیں (۶) صحابہ کرام یتیموں کی پرورش نہیں کرتے تھے بلکہ مختلف طریقوں سے ان کی امداد و دستگیری بھی کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک یتیم نے آنحضرت ﷺ کی عدالت میں ایک شخص پر ایک نخلستان کا

(۱) یہ دونوں راایتیں بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی وغیرہ تمام کتب صحاح میں مختلف طریقوں سے

مروی ہیں۔ (۲) ادب المفرد باب فضل من یعول یتیم (۳) ترمذی ابواب البر والصلہ

باب فی رحمۃ الیتیم (۴) بخاری باب عمرۃ القضاء (۵) ادب المفرد باب فضل من

یعول یتیم (۶) موطا امام مالک و مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۳۲ و ۳۶۹

دعویٰ کیا مگر اس کا ثبوت نہ پیش کر سکا، اس لیے آپؐ نے مدعا علیہ کے حق میں فیصلہ فرمایا: وہ یتیم رونے لگا، آپؐ کو رحم آگیا، آپؐ نے مدعا علیہ سے فرمایا کہ یہ نخلستان اس کو دیدو، خدا اس کے بدلہ میں تم کو جنت دے گا، مگر وہ اس کے لیے آمادہ نہ ہوا، ایک صحابی حضرت ابوالدحدادؓ موجود تھے انھوں نے اس شخص سے کہا تم اس نخلستان کو میرے نخلستان سے بدل سکتے ہو؟ وہ تیار ہو گیا، ابوالدحدادؓ نے اس کا نخلستان اپنے نخلستان سے بدل کر یتیم کے حوالہ کر دیا۔ (۱)

مال غنیمت میں یتیموں کا حصہ: اسلام نے محض انفرادی طور پر یتیموں کی پرورش اور ان کی امداد و تنگی کی ترغیب نہیں دی بلکہ مال غنیمت اور فے میں یتیموں کا حصہ مقرر کیا۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ
لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ
وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ
(انفال-۵)

اور مسلمانو! جان لو کہ تم کو جنگ میں
جو مال غنیمت حاصل ہو اس کا پانچواں
حصہ خدا اور رسول کا ہے اور قرابتداروں
اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کا ہے

ایک دوسری آیت میں ہے۔

وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ
الْقُرْأَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ
وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ
(حشر-۱)

اور جو مال اللہ اپنے رسول کو بستیوں سے
بے لڑے بھڑے دلائے وہ اللہ کا اور
رسول کا اور قرابتداروں کا اور یتیموں کا
اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے۔

یتیم خانے: بیت المال میں دوسرے ابواب خیر کے ساتھ یتیموں کی امداد کے لیے بھی
ایک مدرکھی، اسلامی حکومتوں نے مستقل یتیم خانے قائم کیے، جن میں یتیموں کی پرورش کے
ساتھ ان کی تعلیم و تربیت کا بھی پورا انتظام ہوتا تھا، سب سے پہلے باقاعدہ یتیم خانہ ولید بن
عبدالملک نے قائم کیا (۲) اس کے بعد اس کا سلسلہ برابر قائم رہا، ہر اسلامی حکومت میں

(۱) استیعاب تذکرۃ ابوالدحداد (۲) تاریخ الخلفاء سیوطی، ص ۲۲۲

یتیم خانہ ضرور ہوتا تھا، اس کے علاوہ صاحب ثروت اصحاب خیر اپنے ذاتی یتیم خانے بھی قائم کرتے تھے جن پر بڑی بڑی جائدادیں وقف کرتے تھے، جن کا ذکر تاریخوں میں موجود ہے، اس طرح یتیم خانوں کی بنیاد درحقیقت مسلمانوں نے رکھی، جس کی تقلید دوسری قوموں اور حکومتوں نے کی، ان سے پہلے اس کی مثال نہیں ملتی۔

اس کے علاوہ اسلامی حکومت نے قاضیوں کے فرائض میں لاوارث یتیموں کی سرپرستی اور ان کی جائدادوں کی حفاظت و نگرانی بھی رکھی، جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

فقراء و مساکین اور مقروض و مسافر کے حقوق اور اس کی امداد: ہر قوم اور معاشرہ میں ایسے فقراء و مساکین ہوتے ہیں جو زندگی کی بنیادی ضرورتوں اور بقائے حیات کے وسائل سے بھی محروم ہوتے ہیں اور وہ نادار مقروض جو سر سے پاؤں تک قرض میں غرق ہوتے ہیں اور اپنی غربت کی وجہ سے قرض ادا نہیں کر سکتے، اسلام نے ان کو اور غریب الدیار مسافروں کو اہل حاجت میں شامل کر لیا اور ان سب کی امداد و شگیری کی تاکید کی، اس زمانہ میں جبکہ سفر کی ہر طرح کی سہولتیں میسر ہیں شاید مسافروں کی امداد تصور میں نہ آئے لیکن اس زمانہ میں جبکہ سفر کی یہ سہولتیں نہ تھیں مسافر نوازی بھی بڑا کار خیر سمجھی جاتی تھی اور آج بھی ان لوگوں کو چھوڑ کر جن کو ہر طرح کے وسائل عیش میسر ہیں غریب الدیار مسافر اسی طرح امداد کے مستحق ہیں جس طرح اگلے زمانہ میں تھے، فقراء و مساکین کی امداد و شگیری کا تمام مذاہب میں حکم ہے اور اس کو بڑے اجر و ثواب کا کام قرار دیا گیا ہے لیکن اسلام کی تعلیم میں جو جامعیت ہے اور اس نے جس طرح اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے وہ کسی مذہب کی تعلیم میں نہیں ہے۔

یتامی اور غلام اور فقراء و مساکین کی امداد کے احکام و فضائل قریب قریب یکساں ہیں، اس لیے کلام مجید میں عموماً ان سب کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا ہے، یہ آیات اوپر گزر چکی ہیں، اس لیے ان کو دوبارہ نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، دوسرے تمام مذاہب میں غرباد

مساکین کی امداد کی صرف اخلاقی تعلیم ہے اور اس کو اجر و ثواب قرار دیا گیا ہے، لیکن اسلام نے تنہا اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی امداد و اعانت کے لیے زکوٰۃ فرض کی اور اس کا یہ مصرف متعین کر دیا۔

تَوَخَّذْ مِنْ أَغْنِيَاءِهِمْ وَتَرْدِ إِلَى
زکوٰۃ دولت مندوں سے لی جائے گی اور
غریبوں پر صرف کی جائے گی۔

یہ مذہبی ٹیکس خود حکومت وصول کر کے غربا پر صرف کرے گی اور اس میں اتنی سختی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے منکرین زکوٰۃ پر تلوار اٹھانے میں بھی تامل نہیں کیا، جہاں اسلامی حکومت نہ ہو وہاں خود زکوٰۃ دینے والا اس کو اس کے مصرف میں صرف کر سکتا ہے۔

ہر مسلمان کے مال میں حاجتمندوں کو حقدار بنادیا۔

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَ
(مسلمانوں) کے مالوں میں مانگنے والوں
الْمَحْرُومِ (ذاریات) اور محروم کے لیے حق ہے۔

ایک دوسری آیت میں ہے۔

فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ لِّلسَّائِلِ
مسلمانوں کے مالوں میں مانگنے والے
وَالْمَحْرُومِ (معارج) اور محروم کے لیے مقررہ حق ہے۔

اس میں ہر طرح کے سائل اور حاجت مند داخل ہیں۔

نے اور مال غنیمت میں فقراء کا حصہ مقرر کیا۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ
اور جان لو تم کو جو مال غنیمت حاصل ہو
لِلَّهِ خُمُسُهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى
اس کا پانچواں حصہ خدا کا اور رسول کا اور
وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ
قربانداروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا
(انفال-۵) اور مسافروں کا ہے۔

وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ
جو مال اللہ رسول کو بستیوں سے دلوائے
الْقُرْبَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى
وہ ان کے لیے اور ان کے رسول کے

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ
كَسَىٰ لَا يَكُونُ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ
مِنْكُمْ (حشر-۱)

لیے ہے اور یتیموں اور مسکینوں اور
مسافروں کے لیے ہے تاکہ تم میں جو
لوگ دولت مند ہوں ان ہی میں یہ مال
گردش کرتا نہ رہے۔

مستحقین صدقات میں فقراء و مساکین سرفہرست ہیں۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ
وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ
وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ
اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (توبہ-۶)

بیشک صدقات فقراء و مساکین کا حق ہے
اور ان کا رکنوں کا جو صدقات وصول
کرتے ہیں اور مولفۃ القلوب کا اور صدقہ
کے مال کو گردن چھڑانے میں اور قرض
داروں کے قرض ادا کرنے میں اور
مجاہدین فی سبیل اللہ اور مسافروں پر صرف
کیا جائے، یہ اللہ کا مقرر کیا ہوا فرض ہے
اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

جو مقروض تنگ دستی کی وجہ سے قرض ادا نہ کر سکتے ہوں ان کو اس وقت تک مہلت
دینا چاہیے، جب تک ان میں ادائیگی کی وسعت نہ پیدا ہو جائے اور اگر قرض خواہ معاف
کردے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ
وَإِنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُونَ (بقرہ-۳)

اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو فراخی تک
مہلت دو اور اگر تم معاف کر دو تو تمہارے
لیے بہتر ہے اگر تم اس کو سمجھو۔

بھوکوں کو کھانا کھلانے کے بڑے فضائل ہیں وہ لوگ نیکو کار ہیں جو غریبوں کو کھانا
کھلاتے اور ان پر کوئی احسان نہیں رکھتے ہیں۔

وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا
اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور

وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ
 اللَّهُ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا
 (دھر)

قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور یہ جتاتے
 ہیں کہ ہم تم کو خدا کے لیے کھانا کھلاتے
 ہیں، نہ اس کا بدلہ چاہتے ہیں اور نہ
 شکرگزاری۔

ایک حدیث میں یہاں تک ہے کہ

ليس المومن الذي يشبع وجاره
 جائع الى جنبه (۱)

وہ مومن نہیں جو خود تو شکم سیر ہو کر کھائے اور
 اس کے پہلو میں اس کا پڑوسی بھوکا رہے

ان تمام گناہوں اور خطاؤں میں جن کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے اور جس کی تفصیل
 اوپر گزر چکی ہے، اگر غلام میسر نہ ہو تو مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، فقراء و مساکین کی امداد و
 دستگیری کی اتنی آیات و احادیث ہیں کہ ان کو نقل کرنا دشوار ہے۔

اسی کے ساتھ اس میں کچھ خرابیاں بھی ہیں، اسلام نے ان کی اصلاح بھی کی ہے
 ، اس میں دو بڑی خرابیاں ہیں ایک تو صدقات و خیرات سے ناکارہ لوگوں میں مفت خوری کی
 عادت پڑ جاتی ہے، دوسرے غریبوں میں احساس کمتری اور صدقہ دینے والوں میں اپنی
 بڑائی کا احساس پیدا ہو جاتا ہے، اسلام نے ان سب کی اصلاح کی، اس نے اس پیرایہ میں
 مسکینوں کو خودداری کی تعلیم دی ہے کہ اصلی مسکین وہ ہے جو احتیاج و ناداری کے باوجود
 غیرت اور خودداری کو ہاتھ سے نہ دے اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے، ایسے
 مساکین خاص طور سے امداد کے مستحق ہیں۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
 لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ
 يَحْسِبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ
 تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ

خیرات تو ان محتاجوں کا حق ہے جو اللہ کی
 راہ میں گھرے بیٹھے ہیں ملک میں کسی
 طرف جانہیں سکتے، ان کے حال سے
 بے خبر ان کی خودداری کی وجہ سے ان کو غنی

(۱) بخاری کتاب الادب

إِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُونَ مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ (بقرہ-۲۷)

سمجھتا ہے، لیکن تم ان کو بشرہ سے پہچان سکتے ہو (کہ محتاج ہیں) وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے اور جو کچھ تم لوگ اپنے مال سے خرچ کرو گے تو بیشک اللہ اس کو جانتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہے جو لوگوں میں گھومتا اور ایک ایک دو دو لقموں یا ایک ایک دو دو کھجور کے لیے در بدر مارا مارا پھرتا ہے بلکہ اصل مسکین وہ ہے جو اتنا تو نگر نہ ہو جو اس کو دوسروں سے بے نیاز کر دے اور کو اس کی حالت کی خبر نہ ہونے پائے کہ لوگ اس کو خیرات دے دیں اور نہ لوگوں سے کھڑا ہو کر سوال کرے۔ (۱)

مفت خوری کے لیے سوال کی بڑی مذمت کی ہے اور تو انا و تندرست اور غنی کے لیے صدقہ لینا حرام قرار دیا ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ غنی اور تو انا و تندرست کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے، ایک دوسری روایت ہے کہ اگر غنی اور تو انا و تندرست سوال کرے گا تو قیامت میں اس کے چہرے پر اس کا سوال کھروچے کی شکل میں نمایاں ہوگا۔ (۲)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہمیشہ مانگتا پھرتا ہے وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا یعنی گداگری کے اثر سے چہرہ مسخ ہوگا۔ (۳)

ایک حدیث میں ہے کہ صدقہ و خیرات لوگوں کے ہاتھ کا میل ہے (۴) جس کو (۱) بخاری و مسلم (۲) یہ دونوں حدیثیں ترمذی ابواب الزکوٰۃ باب تحلل لہ الزکوٰۃ اور باب ماجاء فی من لا تحلل لہ الصدقہ میں ہیں۔ (۳) بخاری کتاب الزکوٰۃ باب من سئل الناس مکثوا (۴) مسلم کتاب الزکوٰۃ باب ترک استعمال آل النبی صدقہ

مجبوری کے علاوہ کوئی غیرت مند لینا گوارا نہیں کر سکتا، دوسری روایت میں ہے کہ اوپر کا ہاتھ یعنی دینے والا نیچے کے ہاتھ یعنی لینے والے سے بہتر ہے۔ (۱)

سوال کرنے اور بھیک مانگنے کے مقابلہ میں محنت و مشقت کے ذریعہ پیٹ پالنے کی ترغیب دی، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تمہارے لیے لکڑی کا بوجھ ڈھو کر کمانا اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ بھیک مانگے اور دینے والے کو اختیار ہے کہ وہ دے یا نہ دے۔ (۲)

ایک مرتبہ ایک حاجت مند صحابی نے آپؐ سے خیرات مانگی، آپؐ نے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے انھوں نے جواب دیا ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ ہے، آپؐ نے اس کو منگا کر خود نیلام فرمایا اور اس کی قیمت سے کلہاڑی خرید کر سائل کو دی اور فرمایا جاؤ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بیچو، ان کی محنت میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت دی کہ ان کی حالت اتنی بہتر ہو گئی کہ پھر ان کو کسی سے مانگنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ (۳)

دوسری طرف صدقہ دینے والوں کے لیے حکم ہے کہ وہ صدقہ لینے والے پر احسان جتا کر اور ان کو تکلیف پہنچا کر اپنے صدقات کو برباد نہ کریں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا
صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي
يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ كَمَثَلِ سَفْوَانٍ عَلَيْهِ
تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا
(بقرہ-۳۶)

اے مسلمانو! احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد نہ کرو، اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا، اس کی مثال اس چٹان جیسی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہے اس پر زور کا پانی برسا تو اس نے

(۱) بخاری کتاب الزکوٰۃ باب اتقوا النار وبق تمرة (۲) ایضاً باب کراهۃ المسئله

(۳) ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ

(مٹی بہا کر) پتھر سپاٹ کر دیا، (اسی طرح

احسان جتانے والے اور ایذا پہونچانے

والے کے صدقہ کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا

جو لوگ ان دونوں چیزوں سے بچتے ہیں، درحقیقت وہی لوگ اجر و ثواب کے

مستحق ہیں۔

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں صرف

کرتے ہیں اور خرچ کئے پیچھے نہ اس کا

احسان جتاتے ہیں اور نہ (صدقہ لینے

والے کو) کسی قسم کی ایذا پہونچاتے ہیں تو

ان کو اس کا اجر اپنے رب کے یہاں ملے

گا، نہ ان پر خوف طاری ہوگا اور نہ وہ

آزردہ خاطر ہوں گے۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

ثُمَّ لَا يَتَّبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى

لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (بقرہ-۶۶)

صدقہ علانیہ بھی دیا جاسکتا ہے تاکہ دوسرے لوگوں کو ترغیب ہو اور خفیہ بھی، لیکن

خفیہ زیادہ بہتر ہے۔

اور اگر تم ظاہر کر کے صدقہ دو تو وہ بھی اچھا

ہے اور اگر اس کو چھپا کر محتاجوں کو دو تو وہ

تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور یہ

تمہارے گناہوں کا کفارہ ہوگا اور تم جو

کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ

تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ

لَكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ

بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (بقرہ-۳۶)

اس میں فائدہ یہ ہے کہ صدقہ دینے والے کا دامن ریا اور دکھاوے سے محفوظ

رہتا ہے اور لینے والے کی خودداری کو صدمہ نہیں پہنچتا، وہ دوسروں کی نگاہوں میں خفت سے

محفوظ رہتا ہے، اس لیے حدیث میں آیا ہے کہ خیرات اس طرح کرنا چاہیے کہ داہنے ہاتھ

سے دی جائے تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔

غرض اسلام نے غربا و مساکین کی امداد و دستگیری کا بھی حکم دیا ہے، اسی کے ساتھ صحیح و تندرست لوگوں کو مفت خوری کی عادت سے بھی روکا ہے، صدقہ دینے والوں کو احسان جتانے کی بھی ممانعت کی ہے اور صدقہ لینے والوں کی عزت نفس کو بھی بچانے کی کوشش کی ہے، اتنی متوازن تعلیم مشکل سے کسی دوسرے مذہب میں مل سکتی ہے۔

درحقیقت اسلام کا اقتصادی نظام اور دولت کی تقسیم اتنی متوازن ہے کہ اگر اس پر پورا پورا عمل کیا جائے تو مسلمانوں میں نہ تو کوئی قارون بن سکتا ہے اور نہ کوئی ننگا بھوکا رہ سکتا ہے، معذور اور اپانج لوگوں کی کفالت کی ذمہ داری خود سرکاری خزانہ بیت المال پر ہے۔

عام اہل حاجت کی امداد: حاجت مندوں کی بہت سی قسمیں ہیں، یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص مالی امداد ہی کا طالب ہو، دولت مندوں کو بھی کبھی نہ کبھی کسی کام میں دوسروں کی مدد کی ضرورت پیش آتی ہے، انسانی معاشرہ ایک دوسرے کی امداد و اعانت ہی پر قائم ہے، اس لیے امداد و اعانت صرف مالی امداد کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں ہر قسم کی مدد شامل ہے اور اس قسم کی امداد اور اہل حاجت کی حاجت برآری ایک دوسرے کا حق ہے، حدیثوں میں اس کی بڑی تاکید اور فضائل آئے ہیں، ایک حدیث میں ہے۔ (۱)

جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت دور کرے گا تو خدا اس کی قیامت کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور کرے گا۔

من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه من كرب يوم القيامة

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں ہے۔

والله في عون عبده ما كان العبد في عون أخيه (۱)

اللہ اپنے بندہ کی مدد پر اس وقت تک رہتا ہے، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔

اچھے کاموں میں سفارش کرنے کی خود قرآن مجید نے ترغیب دی ہے۔

مَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا وَمَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا (نساء-۱۱)

جو شخص کسی نیک بات کی سفارش کرے گا تو اس کے ثواب میں اس کا بھی حصہ ہوگا اور جو شخص بری بات کی سفارش کرے گا تو اس کے گناہ میں وہ بھی حصہ پائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی سائل یا حاجت مند آتا تھا تو آپ صحابہؓ سے فرماتے تھے کہ تم بھی اس کی سفارش کرو تم کو بھی ثواب ملے گا۔ (۲)

اسلام نے اچھے اور نیک کاموں میں دوسروں کی امداد کو اتنی وسعت دی ہے کہ جو شخص بھولے بھٹکے ہوئے شخص یا اندھے کو راستہ بتاتا ہے تو اس کو بھی صدقہ قرار دیا ہے۔ (۳)



(۱) ترمذی باب ماجاء فی الستر علی المسلمین (۲) بخاری کتاب الادب باب تعاون المؤمنین و
باب قول اللہ من یشفع شفاعہ حسنہ (۳) باب کل بر صدقہ

آٹھواں باب

غلامی اور غلاموں کے حقوق

اسلام سے پہلے غلاموں کی حالت: دنیا میں غلامی کی تاریخ حاکمیت و محکومیت اور فاتح و مفتوح کی تاریخ کے ساتھ ساتھ شروع ہوتی ہے، طاقتور قبائل کمزور قبائل کو فاتح اور حاکم اور مفتوح اور محکوم کو غلام بناتے تھے، غلامی کے رواج میں سب سے زیادہ لڑائیوں کو دخل ہے، ان میں جو شکست خوردہ گرفتار ہوتے تھے، ان کو یا تو قتل کر دیا جاتا تھا یا معاوضہ لے کر چھوڑ دیا جاتا تھا یا غلام بنالیا جاتا تھا اور جو عمر بھر کے لیے غلام بن جاتے تھے جن سے ہر قسم کے کام لیے جاتے تھے، ان میں آخری صورت زیادہ رائج تھی، جس نے رفتہ رفتہ لونڈی غلاموں کی تجارت کی شکل اختیار کر لی، یہ لونڈی غلام زندگی کی ایسی ناگزیر ضرورت بن گئے تھے کہ کوئی ملک اور کوئی قوم بھی غلامی کے رواج سے خالی نہ تھی، یونان، روم، مصر، ہندوستان ہر ملک میں غلامی رائج تھی، بعض بعض ملکوں میں تو غلاموں کی تعداد ملک کی اصل آبادی کے برابر تھی، خود یورپ میں انیسویں صدی کے وسط تک غلامی رائج تھی، یورپین قومیں محض جنگی قیدیوں ہی کو نہیں بلکہ وحشی قوموں کو بھی زبردستی غلام بنالیتی تھیں غلاموں کی حیثیت جانوروں سے بہتر نہ تھی، آقا ان کی جان تک کا مالک ہوتا تھا، غلاموں کے قتل کی کوئی سزا نہ تھی، ان سے طرح طرح کے پر مشقت کام لیے جاتے تھے اور ادنیٰ لغزش اور سرتابی کی

بڑی سخت سزا دی جاتی تھی، ان کی ساری املاک کا مالک آقا ہوتا تھا، تقریباً ساری دنیا میں ان کا یکساں حال تھا، مذاہب میں یہودی مذہب نے غلاموں کو کچھ حقوق دیے تھے اور روما نے بھی اپنے آخری دور میں غلامی میں کچھ اصلاح کی لیکن سوسائٹی میں ان کو انسانیت کا مرتبہ حاصل نہ ہو سکا۔

اسلام میں غلامی کی اصلاح: اسلام پہلا مذہب ہے جس نے دوسرے مظلوم طبقوں کے ساتھ غلاموں کے ساتھ بھی انسانیت اور حسن سلوک کا سبق دیا، ان کو انسانی حقوق عطا کیے اور ان کو اونچا کرنے کی کوشش کی، اس زمانہ میں ساری دنیا میں لونڈی غلام ایسی ناگزیر ضرورت بن گئے تھے جس کو ختم نہیں کیا جاسکتا تھا، اس لیے اسلام نے اس کو ختم تو نہیں کیا لیکن غلامی میں اتنی اصلاحیں کیں اور غلاموں کو اتنے حقوق دیئے اور آقا پر ان کی اتنی ذمہ داریاں عائد کر دیں کہ غلامی کی شکل بالکل بدل گئی، وہ آقائی اور بندگی کے پرانے مفہوم کے اعتبار سے غلامی باقی نہیں رہ گئی بلکہ غلام آقا کے خاندان کا ایک فرد بن گیا، اس کی آزادی اور ترقی کی راہیں کھل گئیں، چنانچہ اسلام کی تاریخ علم و کمال کے ہر میدان میں اصحاب کمال غلاموں سے بھری ہوئی ہے۔

• اسلام غلاموں کے لیے بھی آزادی کا پیام لایا تھا، اس لیے اس کی آواز پر ابتدائی لبیک کہنے والوں میں غلاموں کی بڑی تعداد تھی، جن کو اسلام میں وہ مرتبہ حاصل ہوا جو روسائے قریش کو حاصل نہ ہو سکا، حضرت بلالؓ، عمار بن یاسرؓ، سلمان فارسیؓ، صہیب رومیؓ، زید بن حارثہؓ، سالمؓ، عامر بن فہیرہؓ، خباب بن ارتؓ جیسے اجلہ صحابہ غلام تھے جن پر روسائے قریش رشک کرتے تھے، اسی طریقہ سے اکابر تابعین تبع تابعین اور ائمہ اسلام میں بہت سے غلام تھے۔

آزاد کو غلام بنانے کی ممانعت: اسلام نے غلامی میں پہلی اصلاح یہ کی کہ جنگ کے قیدیوں کے علاوہ کسی آزاد شخص کو زبردستی غلام بنانا حرام اور جرم قرار دیا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں تین آدمیوں سے جھگڑا کرے گا، ان میں سے ایک وہ

شخص ہوتا جو کسی آزاد مسلمان کو غلام بنا کر بیچ دے (۱) اس طریقہ سے تین آدمیوں کی نماز نہ قبول کرے گا، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو کسی آزاد شخص کو غلام بنالے۔ (۲)

آنحضرت ﷺ عربوں کو غلام بنانا پسند نہ فرماتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس ایک لونڈی تھی، جو قبیلہ تمیم سے تھی، آپ نے ان سے فرمایا: اس کو آزاد کر دو کہ یہ بنی اسماعیل میں سے ہے (۳) اس بنا پر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں یہ قانون بنا دیا تھا کہ عرب کو غلام نہیں بنایا جاسکتا ولا یسترق عربی (۴) اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں مرتد قبائل کے جو لوگ گرفتار کر کے غلام بنائے گئے تھے ان کو آزاد کر دیا۔ (۵)

جنگی قیدیوں کے لیے اس زمانہ میں چند شکلیں رائج تھیں یا تو ان کو قتل کر دیا جاتا تھا یا معاوضہ لے کر چھوڑ دیا جاتا تھا یا لونڈی غلام بنالیا جاتا تھا، اسلام نے ان سب شکلوں کو قائم رکھا اور امام کو اختیار دیا کہ وہ حالات کے لحاظ سے ان میں سے جو چاہے اختیار کرے اور بلا معاوضہ چھوڑ دینے کی ایک نئی شکل جاری کی اور معاوضہ لے کر یا بلا معاوضہ چھوڑ دینے کو بہتر قرار دیا اما منا بعد و اما فداء مگر اس کو قانون نہیں بنایا کہ بعض حالات میں دشمن کی رہائی مضر ہوتی ہے۔

غلاموں کی آزادی پر اجر و ثواب: لیکن غلاموں کی آزادی کی بہت سی شکلیں پیدا کیں اور ان کی آزادی کو اجر و ثواب قرار دیا، سورہ بقرہ میں جہاں اعمالِ صالحہ کا ذکر ہے ان میں ایک غلاموں کی آزادی بھی ہے چونکہ غلامی قید کا نتیجہ ہوتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قیدی اور غلام کا ذکر ہر جگہ ساتھ ساتھ کیا ہے۔

وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ
لیکن بڑی نیکی یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور
یوم آخرت اور فرشتوں اور سب کتابوں

(۱) بخاری کتاب الا جارہ باب منع اجرا لآجر (۲) جامع صغیر ج اول ص ۴۸۱ بحوالہ ابوداؤد وابن ماجہ

(۳) مسلم کتاب الفضائل فضائل غفار و اسلم وغیرہم (۴) کنز العمال ج ۲ ص ۳۲۱

(۵) یعقوبی ج اول ص ۱۵۸

وَأَتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ
وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ
وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ
الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ (بقرہ-۲۲)

اور یتیموں پر ایمان لائے اور مال کی
محبت کے باوجود اس کو رشتہ داروں،
یتیموں، محتاجوں، مسافروں اور مانگنے
والوں اور گردنوں کے چھڑانے (یعنی
غلاموں کی آزادی) میں صرف کرے
اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔

زندگی کی دشوار گھائی کو پار کرنے کی ایک راہ غلاموں کی آزادی بھی ہے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ
فَكَ رَقَبَةً أَوْ إِطْعَامًا فِي يَوْمٍ ذِي
مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ أَوْ مَسْكِينًا
ذَا مَتْرَبَةٍ (بلد-۱)

پھر بھی انسان گھائی میں سے ہو کر نہ نکلا
جانتے ہو وہ گھائی کیا چیز ہے گردن
(غلام) کو چھڑانا، بھوک کے دن قرابت
دار یتیم یا خاک نشیں محتاج کو کھانا کھلانا۔

کتب احادیث غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی کی ترغیب اور ان کی فضیلت سے
معمور ہیں، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی مسلمان
غلام کو آزاد کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو
آتش دوزخ سے بچائے گا (۱) بعض روایتوں میں مسلم کے بجائے 'نسمہ' یعنی کسی انسان کا
لفظ ہے، ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھ کو کوئی ایسا عمل بتائیے جو جنت
میں داخل کر دے فرمایا:

اعتق النسمۃ وفك الرقبة غلام کو آزاد کرو اور گردن کو چھڑاؤ۔

اعرابی نے پوچھا کیا یہ دونوں ایک نہیں ہیں، فرمایا: نہیں، حق نسمہ یہ ہے کہ تم تنہا
بلا شرکت غیرے غلام آزاد کرو اور 'فک رقبتہ' یہ ہے کہ تم بھی اس کی آزادی کی قیمت میں

(۱) بخاری کتاب الرهن فی الحضرة باب فی العتق وفضول

شریک ہو جاؤ۔ (۱)

صحابہ کرامؓ اور غلاموں کی آزادی: اس ترغیب کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ بکثرت غلام آزاد کرتے تھے، حضرت عائشہؓ صدیقہ نے اپنی ایک قسم کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد کیے (۲) آپ کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کا دفعۃً سونے کی حالت میں انتقال ہو گیا تھا حضرت عائشہؓ نے ان کی طرف سے بہت سے غلام آزاد کیے۔ (۳)

صحابہؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے، امیر اسماعیل نے شرح بلوغ المرام میں چند صحابہ کے آزاد کردہ غلاموں کی یہ تعداد نقل کی ہے، حضرت عائشہؓ ۶۷، حضرت عباسؓ ۷۰، حضرت حکیم بن حزامؓ ۱۰۰، حضرت عبداللہ بن عمرؓ ۱۰۰، ذوالکلاع حمیری ۸۰۰۰، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ۳۰۰۰۰، حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد نہیں بتائی ہے مگر یہ لکھا ہے کہ انھوں نے بہ کثرت غلام آزاد کیے۔ (۴)

آغاز اسلام میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا، ان میں ایک بڑی تعداد لونڈی غلاموں کی تھی، جو اپنے آقاؤں کے منجہ ستم میں گرفتار تھے، ان کے قبول اسلام کے بعد ان کا ظلم اور بڑھ گیا تھا حضرت ابوبکرؓ نے ایسے بہت سے غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیا تھا، ان میں سے چند مشہور نام یہ ہیں، حضرت بلالؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ، لونڈیوں میں زبیرہؓ، نہدیہ بنت نہدیہؓ۔

امیر اسماعیل نے جو فہرست نقل کی ہے وہ صرف ان صحابہؓ کی ہے جنھوں نے بکثرت غلام آزاد کیے تھے، صحابہؓ میں مشکل سے کوئی ایسا نکلے گا جس نے کچھ غلام آزاد نہ کیے ہوں، حدیث کی کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے۔

خطا اور گناہ کے کفارہ میں غلاموں کی آزادی: غلاموں کی آزادی کی ایک بڑی راہ یہ نکالی کہ بعض گناہوں اور فروگذاشتوں کا کفارہ تحریر رقبہ یعنی غلام کی آزادی مقرر کیا، قتل خطا

(۱) بیہقی میں یہ حدیث طویل ہے، ہم نے اس کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے۔ (۲) بخاری کتاب

الادب باب الحجۃ (۳) موطا امام مالک (۴) سبل السلام کتاب العتق ج ۲ ص ۲۳۵

یعنی جو مسلمان کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کا کفارہ اور تاوان ایک غلام کی آزادی اور خونبہا بتایا۔

اور جو مسلمان کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دے تو ایک غلام آزاد کرے اور مقتول کے ورثہ کو خونبہا ادا کرے الا یہ کہ وہ خود معاف کر دیں۔

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ
مُؤْمِنَةٍ وَدِيَّةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ
يَصَّدَّقُوا (نساء-۱۳)

ظہار یعنی جو شخص اپنی بیوی کو نحرمت سے تشبیہ دے کر اپنے اوپر حرام کر لے مثلاً یہ کہے کہ تو میری ماں یا بہن کی جگہ ہے اور پھر اس کو واپس لے کر اس کو بیوی بنانا چاہے تو اس کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کرے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو دو مہینے مسلسل روزے رکھے، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اسے اپنے قول سے رجوع کرنا چاہیں تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کریں، تم کو اس کی نصیحت کی جاتی ہے اور اگر غلام میسر نہ ہو تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے، جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ
يَعُودُونَ بِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ
قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَا ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ
فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ
يَتَمَاسَا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ
سِتِّينَ مِسْكِينًا (مجادلہ-۱)

قسم توڑنے کا کفارہ:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ

تمہاری لغو قسموں (۱) پر اللہ تعالیٰ تم سے

(۱) لغو قسمیں وہ ہیں جو عام طور پر لوگوں کی زبانوں پر چڑھی رہتی ہیں اور بلا ضرورت واللہ باللہ کہا کہتے ہیں۔

وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَدْتُمْ
الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ
مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ
أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ
فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ
كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا
أَيْمَانَكُمْ (مائدہ-۱۲)

کوئی مواخذہ نہیں کرتا لیکن اگر پکی قسم
کھالو (اور پھر اس کو توڑ دو تو) اس کا
کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجہ کا کھانا
کھلانا ہے، جیسا کہ اپنے اہل و عیال کو
کھلاتے ہو یا اس کو کپڑے پہنانا ہے یا
ایک غلام آزاد کرنا، اگر یہ نہ ہو سکے تو تین
دن روزے رکھنا یہ تمہاری قسموں کا کفارہ
ہے جب کہ تم قسم کھالو (اور اس کو پورا نہ
کر سکو اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو)

اسی طریقہ سے عید افرض روزہ توڑنے کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا یا ساٹھ مسکینوں
کو کھانا کھلانا ہے (۱) ان کفاروں سے غلاموں کی بڑی تعداد آزاد ہو جاتی تھی۔

سورج گرہن میں غلام آزاد کرنا مستحب ہے، بخاری کی روایت ہے۔ (۲)

عن أسماء بنت أبي بكر أمرنا
رسول الله ﷺ بالعقاة في كسوف
الشمس
اسماء بنت ابی بکرؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول
اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو سورج گرہن
میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔

مکاتبت: یعنی جو غلام آزاد ہونا چاہے اسلام نے اس کو یہ حق دیا ہے کہ وہ آقا کو ایک
مقررہ رقم دے کر جو دونوں میں طے ہو جائے آزادی حاصل کر سکتا ہے، اس کو شرعی اصطلاح
میں مکاتبت کہتے ہیں، کلام مجید نے آقاؤں کو حکم دیا ہے۔

وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ
فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا
اور تمہارے مملوکہ لونڈی غلاموں میں
سے جو مکاتبت چاہتے ہوں تو تم ان کو

(۱) بخاری کتاب الصیام باب اذا جامع فی رمضان ولم ین شئ فصدق الخ (۲) بخاری کتاب
الرہن فی الحضر باب ما یستحب من العتاقۃ فی الکسوف ولآیات

وَأَتَوْهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ
(نور-۴)
مکاتب بنادو اگر ان میں بہتری کے آثار
دیکھو اور اس مال میں سے جو اللہ نے تم کو
دیا ہے ان کو دو۔

اس آیت میں مکاتبت کا حکم صیغہ امر کے ساتھ ہے جو وجوب کے لیے ہے، اس لیے کچھ ائمہ کی رائے ہے کہ جو غلام مکاتب بننا چاہے، اس کو مکاتب بنانا ضروری ہے، لیکن اکثر ائمہ کا فیصلہ ہے کہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے، آقا کو اختیار ہے چاہے مکاتب بنائے یا نہ بنائے۔ (۱)

حضرت عمرؓ وجوب کے قائل تھے، بخاری کی روایت ہے کہ ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ میں نے عطا سے پوچھا کہ جب مجھے یقین ہو جائے کہ غلام کے پاس مال ہے (یعنی وہ مکاتبت کا معاوضہ ادا کر سکتا ہے) تو کیا مکاتب بنادینا واجب ہے، عطا نے کہا میرے خیال میں تو واجب ہے، عمرو دینار نے پوچھا اس بارہ میں کوئی اثر منقول ہے، انھوں نے کہا نہیں، لیکن موسیٰ بن انس نے ان سے بیان کیا کہ سیرین (انس کے غلام) نے حضرت انسؓ سے مکاتبت کی درخواست کی، وہ دولت مند تھے، انھوں نے انکار کر دیا، سیرین حضرت عمرؓ کے پاس پہونچے اور واقعہ بیان کیا، حضرت عمرؓ نے انسؓ کو بلا کر کہا سیرین کو مکاتب بنادو، انھوں نے انکار کیا، حضرت عمرؓ نے ان کو کوڑے سے مارا اور یہ آیت پڑھی 'فکاتبوہم ان علمتم فیہم خیرا' اس کو سن کر حضرت انسؓ نے سیرین کو مکاتب بنادیا۔ (۲)

مکاتبت میں بہتری کے آثار دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس غلام میں کھانے کمانے کی صلاحیت ہو، ایسا نہ ہو کہ آزادی کے بعد ٹھو کریں کھاتا پھرے اور آتوہم من مال اللہ سے مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو بھی اس کی آزادی میں مالی مدد کرنی چاہیے (۳)

(۱) تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۷ (۲) بخاری کتاب المکاتب باب المکاتب و نجومہ کل سہ نجم

(۳) تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۷

امام مالکؒ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جب غلام کتابت کے معاوضہ کا بڑا حصہ ادا کر دے تو آقا کو کچھ حصہ چھوڑ دینا چاہیے۔ (۱)

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید: یہ تو غلاموں کی آزادی کی صورتیں اور ان سے متعلق احکام تھے، غلامی کی حالت میں ان کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کی اتنی تاکید ہے اور آقاؤں پر اتنی ذمہ داریاں عائد کر دی گئی ہیں کہ غلاموں کی حیثیت غلام کی نہیں بلکہ گھر کے ایک فرد کی ہو جاتی ہے، حدیث میں ہے مولی القوم من انفسہم یعنی قوم کا غلام اس کے گھر کا ایک فرد ہے۔

کلام مجید میں جہاں جہاں والدین، اقربا اور غربا و مساکین وغیرہ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے، غلام کے ساتھ بھی ہے۔

وَأَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا
وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِالْقُرْبَى
وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي
الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجَنْبِ وَالصَّاحِبِ
بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ
أَيْمَانُكُمْ (نساء-۱۶)

اور اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا
شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ نیکی
کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں
کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ اور عزیز
پڑوسی کے ساتھ اور اجنبی پڑوسی کے
ساتھ اور پاس بیٹھنے والوں کے ساتھ اور
جو لونڈی غلام تمہارے قبضہ میں ہوں ان
کے ساتھ۔

آقا جو خود کھائے پہنے وہی غلاموں کو کھلائے پہنائے: اس سلسلہ کی اور آیات بھی
ہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو خود کھائے پہنے وہی غلاموں کو کھلائے پہنائے، حضرت
ابو ذرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لونڈی غلام تمہارے بھائی بہن ہیں،
خدا نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے تو جس کے بھائی بہن کو اللہ تعالیٰ اس کے ماتحت

(۱) موطا امام مالک کتاب المکاتب باب القضاء المکاتب

کر دے اس کو چاہیے کہ جیسا وہ خود کھاتا ہے ویسا ہی ان کو کھلائے اور جیسا خود پہنتا ہے ویسا ہی ان کو پہنائے، ان کو ایسے کام کی تکلیف نہ دے جو ان کی طاقت سے باہر ہو، اگر کبھی ایسا کام پیش آجائے تو خود اس کام میں اس کا ہاتھ بٹائے، چنانچہ حضرت ابوذرؓ کا معمول تھا کہ جو خود کھاتے پہنتے تھے وہی غلام کو بھی کھلاتے پہناتے تھے۔ (۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم لوگوں میں سے کسی کا خادم اس کے لیے کھانا تیار کر کے لائے تو چونکہ اس نے کھانے کی تیاری میں آگ کی گرمی اور دھوئیں کی تکلیف اٹھائی ہے اس لیے اس کو اپنے ساتھ بیٹھا کر کھلانا چاہیے اور اگر کھانا کم ہو تب بھی اس کے ہاتھ پر ایک دو لقمے رکھ دینا چاہیے۔ (۲)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا جو خادم کھانا تیار کر کے لائے تو اس کو ساتھ بیٹھا کر کھلائے اور اگر اس کو پسند نہ کرے تو کھانے میں سے کچھ اس کو بھی دیدے، ابو مخذومؓ کا بیان ہے کہ عمرؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ صفوان بن امیہ ایک بڑا طشت یا سینی جس کو کئی آدمی اٹھائے ہوئے تھے، لائے اور عمرؓ کے سامنے رکھ دیا، اس وقت حضرت عمرؓ کے پاس جو غرابو مساکین بیٹھے ہوئے تھے، ان سب کو انھوں نے اپنے ساتھ کھلایا اور فرمایا ان کو برا ہو جو غلاموں کو ساتھ کھلانے میں عار کرتے ہیں۔ (۳)

لوٹڈی غلام کو لوٹڈی غلام نہ کہنا چاہیے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوٹڈی غلام کو لوٹڈی غلام نہ کہنا چاہیے، تم سب خدا کے غلام ہو اور تمہاری عورتیں خدا کی باندیاں ہیں، اس لیے لوٹڈی غلام کو میری چھو کری اور میرے چھو کرے کہنا چاہیے (۴) بعض روایتوں میں ہے کہ میرا بیٹا اور میری بیٹی کہنا چاہیے۔ (۵)

لوٹڈی غلاموں کو مارنا نہ چاہیے، حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

(۱) بخاری باب قول النبی العبد اخوانکم فاطعموہم مما تاکلون (۲) مسلم کتاب الایمان باب

الطعام والمملوک مما یاکل (۳) ادب المفرد ہل تجلس خادمہ اذا اکل (۴) ادب المفرد

باب لا یقول عبدی (۵) کنز العمال ج ۵

نے فرمایا: لوگو! میں تم کو بتاؤں، بدترین آدمی کون ہے، وہ جو تنہا کھاتا ہے، اپنے غلام کو تازیانہ لگاتا ہے مگر اس کو دیتا کچھ نہیں۔ (۱)

حضرت جابر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لونڈی غلاموں کے ساتھ بھلائی کرنے کی ہدایت فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو تم کھاتے اور پہنتے ہو وہی ان کو کھلاؤ پہناؤ اور اللہ عز و جل کی مخلوق (یعنی غلام) کو سزا نہ دو۔ (۲)

غلاموں کو مارنے کی ممانعت: حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام کو مارے تو اللہ کو یاد کر لے (یعنی مارنے میں خدا کا خوف کرے۔)

حضرت ابو مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے غلاموں کو مار رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے آواز دی، ابو مسعود جان لو، ابو مسعود جان لو، پیچھے مڑ کر دیکھا تو رسول اللہ ﷺ تھے، آپؐ نے فرمایا: جتنا تم کو اپنے غلام پر قابو ہے، اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ تم پر قدرت رکھتا ہے، ابو مسعودؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد پھر میں نے اپنے کسی غلام کو نہیں مارا (۳) مسلم میں اتنا اور اضافہ ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ لوجہ اللہ آزاد ہے، آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم اس کو آزاد نہ کرتے تو آگ تم کو چھوتی۔ (۴)

غلاموں کو مارنے کا کفارہ آزادی ہے: غلام کو مارنے کا کفارہ اس کی آزادی ہے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے غلام کو تھپڑ مارے یا کسی اور چیز سے مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کر دے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اتفاقاً اپنے کسی غلام کو مارتے تھے تو اس کو آزاد کر دیتے تھے۔

امام مالک روایت کرتے ہیں کہ ایک لونڈی حضرت عمرؓ کے پاس آئی، اس کو اس

(۱) مشکوٰۃ باب الحفقات وحق المملوک (۲) ادب المفرد باب اکسوهم بما تلبسون

(۳) ترمذی ابواب البر والصلة باب ما جاء فی ادب الخادم (۴) مسلم کتاب الایمان باب

ضرب الممالیک وکفارتہ

کے مالک نے آگ سے جلا کر زخمی کر دیا تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو آزاد کر دیا۔ (۱)

عمر بن الحکم کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک لونڈی میری بکریاں چراتی ہے، ایک دن ایک بکری گم ہو گئی، میں نے لونڈی سے پوچھا اس نے کہا بھڑیا کھا گیا، مجھے بہت افسوس ہوا، انسان ہی تھا غصہ آ گیا، لونڈی کے چہرہ پر تھپڑ مار دیا، کیا اسی آن میں اس کو آزاد کر دوں، رسول اللہ ﷺ نے لونڈی کو بلا کر پوچھا اللہ کہاں ہے، اس نے کہا: آسمان پر، پوچھا میں کون ہوں، لونڈی نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں، رسول اللہ ﷺ نے عمر بن حکم سے فرمایا اس کو آزاد کر دو۔ (۲)

معاویہ بن سوید روایت کرتے ہیں کہ میرے گھر کا ایک غلام تھا، میں نے اس کو مارا (پھر والد کے خوف سے) گھر سے بھاگ گیا، ظہر کے وقت واپس آیا اور والد کے پیچھے نماز پڑھی، نماز کے بعد والد نے مجھ کو اور غلام کو بلایا، غلام کو حکم دیا کہ تم اپنا بدلہ لے لو، اس نے مجھ کو معاف کر دیا، اس کے بعد والد نے یہ واقعہ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہمارے خاندان بنی مقرن میں صرف ایک غلام تھا، ہم میں سے کسی نے اس کو مار دیا، رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو، لوگوں نے عرض کیا: اس کے سوا ہمارے پاس اور کوئی خادم نہیں ہے، آپؐ نے فرمایا: اچھا جب تک دوسرے خادم کا انتظام نہ ہو جائے اس سے کام لو، لیکن جیسے ہی انتظام ہو جائے اس کو آزاد کر دو۔ (۳)

غلاموں کی غلطیوں سے درگزر کا حکم: اگر غلام ایک دن میں ستر مرتبہ غلطی کرے تب بھی اس کو معاف کر دینا چاہیے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کتنی مرتبہ غلام کی غلطیوں کو معاف کر دو، یہ سن کر آپؐ خاموش رہے، اس شخص نے پھر یہی سوال کیا، آپؐ نے فرمایا: ایک دن میں ستر مرتبہ (۴)

(۱) یہ دونوں روایتیں موطا امام مالک باب عتق امہات الاولاد میں ہیں (۲) موطا امام مالک کتاب العتق والولاء باب عتق امہات الاولاد و جامع القضاء فی العتاقۃ (۳) مسلم کتاب الایمان باب ضرب الممالیک و کفارتہ (۴) ترمذی ابواب البر و الصلۃ باب ما جاء فی ادب خادم

یہ تعداد تحدید کے لیے نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ غلام جتنی غلطیاں بھی کرے اس کو معاف کر دینا چاہیے۔

لوٹڈی غلاموں کی شادی کی ذمہ داری: آقا کے فرائض میں یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ہونہار اور سعادت مند لوٹڈی غلاموں کی شادیاں کرے، کلام مجید کا حکم ہے۔

وَانكِحُوا الْاَيَامِي مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ
مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ اِنْ يَكُونُوا
فُقَرَاءَ يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللّٰهُ
وَاسِعٌ عَلِيمٌ (نور-۴)

اور مسلمانو! اپنی بیواؤں کا نکاح کرو اور
تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے
جو نیک بخت ہوں (یعنی بدراہ نہ ہوں)
ان کا نکاح کرو، اگر یہ لوگ محتاج ہوں
گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے
گا اور اللہ گنجائش والا اور جاننے والا ہے

لوٹڈیوں کی پرورش و پرداخت کا اجر: حدیثوں میں خاص طور پر لونڈیوں کی پرورش و
پرداخت اور ان کی شادی بیاہ کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ روایت
کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے پاس لونڈی ہو اور اس نے اس کی
پرورش کی، اس کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھا پھر آزاد کر کے اس کی شادی کر دی تو اس کو دو ہرا
اجر ملے گا۔ (۱)

لوٹڈیوں اور غلاموں کے لڑکوں کو ان سے جدا نہیں کیا جاسکتا، رسول اللہ ﷺ کا
ارشاد ہے کہ جو شخص ماں اور اس کے لڑکے کو جدا کرے گا تو خدا قیامت میں اس کو اس کے
پیاروں سے جدا کر دے گا۔ (۲)

بلکہ ایسے دو غلاموں کو جو آپس میں بھائی ہوں جدا نہ کرنا چاہیے، حضرت علیؓ سے
روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دو غلام دئے جو آپس میں بھائی تھے، میں نے ان
میں سے ایک غلام کو بیچ دیا، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا تم نے ایک غلام کو کیا کیا؟ میں

(۱) بخاری ابواب المظالم، باب من ادب جاریہ و علمھا (۲) ترمذی

نے بتایا تو فرمایا: اس کو فوراً واپس لو، اس کو فوراً واپس لو۔ (ترمذی)

جو عورتیں جنگ میں گرفتار ہوتی تھیں، ان کے لیے سب سے بہتر شکل یہ تھی کہ ان کو بیوی بنالیا جائے، اس سے ان کے ساتھ آقا کا تعلق بڑھ جاتا تھا اور ان کی حیثیت بدل جاتی تھی، اس لیے اسلام نے لونڈیوں کی بہتری کے لیے اس کی اجازت بھی دی ہے، ایسی لونڈیوں کے بطن سے جب بچہ پیدا ہو جاتا تھا تو ان کا درجہ بلند ہو جاتا تھا، وہ 'ام ولد' یعنی بچہ کی ماں کہلاتی تھیں اور ان کو فروخت نہیں کیا جاسکتا تھا، حضرت عمرؓ کا فیصلہ ہے کہ جس لونڈی کے بطن سے آقا کا بچہ پیدا ہو جائے نہ اس کو بیچا جاسکتا ہے نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ وہ وراثت میں دی جاسکتی ہے، آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جائے گی۔ (۱)

آنحضرت ﷺ کے محبوب غلام زیدؓ اور ان کے لڑکے اسامہؓ: خود رسول اللہ ﷺ کا سلوک اپنے غلاموں اور خادموں کے ساتھ یہ تھا کہ اپنے ایک غلام زید بن حارثہؓ کو منہ بولا بیٹا بنالیا تھا اور لوگ ان کو زید بن محمد کہتے تھے، جب کلام مجید کا یہ حکم 'ادعوہم لابائہم' یعنی لوگوں کو ان کے باپ کی نسبت سے پکارا جائے، نازل ہوئی تو اس وقت لوگوں نے زید بن محمد کہنا چھوڑا۔ (۲)

اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کی شادی حضور ﷺ نے زید بن حارثہؓ کے ساتھ کر دی تھی، لیکن دونوں میں نبھ نہ سکی اس لیے طلاق ہو گئی، اس کا ذکر قرآن مجید میں ہے ان کو جنگی مہموں میں امیر بنا کر بھیجتے تھے، چنانچہ غزوہ موتہ میں ان کو امارت عطا فرمائی، جس میں انھوں نے شہادت پائی۔ (۳) اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے چچیرے بھائی حضرت جعفرؓ بھی امارت کے متوقع تھے لیکن یہ شرف زیدؓ ہی کو عطا ہوا ان کے لڑکے اسامہؓ کو بھی آپ بہت محبوب رکھتے تھے، ایک زانو پر حضرت حسنؓ کو بٹھاتے اور دوسرے پر اسامہؓ کو اور دونوں کو ملا کر فرماتے کہ خدایا میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، اس لیے تو بھی محبت

(۱) موطا امام مالک باب عتق امہات الاولاد الخ (۲) مسلم کتاب الفضائل باب فضائل زید

بن حارثہ (۳) بخاری کتاب المغازی باب غزوہ موتہ

سر یہ موتہ میں ان کے والد زیدؓ اور ان کے بعد حضرت جعفر طیارؓ نے شہادت پائی تھی، اس کا انتقام لینے کے لیے آپؐ نے جو سر یہ بھیجا تھا، اس کا امیر انہی کے صاحبزادہ اسامہؓ کو بنایا، بعض معمر لوگوں کو اس پر اعتراض ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کے باپ کی امارت پر لوگوں نے اعتراض کیا تھا، اب اس کی امارت پر اعتراض کرتے ہیں، خدا کی قسم اس کا باپ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب تھا اب یہ سب سے زیادہ عزیز ہے۔ (۲)

حضرت زیدؓ اور اسامہؓ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی محبت کے اور واقعات بھی ہیں جن کی تفصیل طویل ہوگی، اس لیے ان کو نقل نہیں کیا گیا۔

جو مال غنیمت آتا تھا، اس میں غلاموں کو بھی حصہ دیتے تھے، حضرت ابوبکرؓ صدیقؓ کا بھی یہی طریقہ تھا (۳) آپؐ کے لطف و کرم کا نتیجہ یہ تھا کہ کفار کے جو غلام بھاگ کر آپؐ کے دامن میں پناہ لیتے تھے، آپؐ ان کو آزاد فرما دیتے تھے۔ (۴)

عام خدام کے ساتھ آپؐ کا حسن سلوک: عام خادموں کے ساتھ بھی یہی شفقت تھی حضرت انس بن مالکؓ غلام نہیں تھے بلکہ انصار کے معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے لیکن بچپن ہی سے ان کو آپؐ کی خدمت کا شرف حاصل ہوا اور دس سال تک خلوت اور جلوت میں آپؐ کی خدمت کی سعادت حاصل کی، صبح سویرے کا شانہ نبویؐ پر حاضر ہو جاتے اور دوپہر کو گھر واپس جاتے، دوسرے پہر پھر حاضر ہوتے اور عصر کی نماز پڑھ کر گھر جاتے، آنحضرت ﷺ کو ان سے بڑی محبت تھی اور پیار میں ان کو بیٹا کہتے تھے، کبھی کبھی انہیں کہہ کر مخاطب فرماتے، کبھی کبھی ان کے گھر تشریف لے جاتے اور کھانا نوش فرماتے، دوپہر کا وقت ہوتا تو استراحت فرماتے پھر اٹھ کر نماز پڑھتے اور حضرت انسؓ کے لیے دعا کرتے، حضرت

(۱) بخاری کتاب المناقب باب مناقب اسامہ بن زیدؓ (۲) بخاری کتاب المغازی باب

بعث اسامہ (۳) ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی قسمۃ الفیء (۴) مسند احمد بن

حنبل جلد اول ص ۲۴۳

انس کا بیان ہے کہ میں نے دس برس تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی لیکن آپ نے کبھی کسی بات پر غصہ فرمایا اور نہ پوچھا کہ یہ کام کیوں نہ ہوا۔ (۱)

تاریخ اسلام میں غلاموں کا مرتبہ: اس تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ اسلام نے کس طرح غلامی کی برائیوں کو مٹایا اور غلاموں کو اتنے حقوق عطا کیے کہ غلامی کی نسبت کے سوا عام انسانی حقوق میں ان میں اور آقاؤں میں بہت کم فرق رہ گیا، ان پر ہر طرح کی ترقی کے دروازے کھل گئے اور بہت سے غلام آقا کے ہمسر بلکہ مرتبہ میں ان سے بڑھ گئے، اسلام کی تاریخ غلاموں کی عظمت اور ان کے کارناموں سے بھری ہوئی ہے، اکابر صحابہ میں حضرت بلالؓ، سلمان فارسیؓ، صہیب رومیؓ، عمار بن یاسرؓ، زید بن حارثہؓ، سالم مولیٰ ابو حذیفہؓ، خباب بن ارت وغیرہ غلام ہی تھے، جن کے سامنے سردارانِ قریش گردنیں خم کرتے تھے۔

تابعین میں عکرمہؓ، سعید بن جبیرؓ، نافع بن کاؤسؓ، محمد بن سیرینؓ، حسن بصریؓ، طاؤس بن کیسانؓ، عطاء بن ابی رباحؓ، کنحول و مشقیؓ، محمد بن اسحاقؓ، ابوالعالیہ ریاحیؓ، ربیعۃ الرائیؓ وغیرہ غلام تھے۔

تابعین میں عبداللہ بن مبارکؓ، یحییٰ بن معینؓ، سفیان بن عیینہؓ، امام محمدؓ، حماد بن زیدؓ، لیث بن سعدؓ، علی بن المدینیؓ وغیرہ دینی علوم کے امام تھے، جن کے سامنے بڑے بڑے ہاشمی و مطلبی زانوائے تلمذتہ کرتے تھے۔

یہ چند نام مثلاً لکھ دئے گئے، ورنہ حکومت و کشور کشائی کے ایوان سے لے کر علم و فن اور تعلیم و تدریس کی مسند اور ارشاد و ہدایت کے زاویوں تک کوئی میدان ایسا نہیں ہے، جس میں غلاموں نے نام نہ پیدا کیا ہو، اسلام کی تاریخ غلاموں کے کمالات اور کارناموں سے معمور ہے۔



(۱) یہ سب واقعات مسند احمد بن حنبل ج ۳ مسند انس بن مالکؓ سے ماخوذ ہیں۔

نواں باب

پڑوسیوں اور مہمانوں کے حقوق

پڑوسیوں کے حقوق اور ان کے متعلق ذمہ داریاں: اسلام نے درجہ بدرجہ ہر قسم کے تعلق رکھنے والوں پر ایک دوسرے کے حقوق رکھے ہیں اور ان سے متعلق ذمہ داریاں عائد کی ہیں، اعزہ واقربا کے بعد سب سے زیادہ سابقہ پڑوسیوں سے رہتا ہے، وہی شادی و غمی اور رنج و راحت میں شریک ہوتے ہیں، اس لیے اسلام میں پڑوسیوں کے بڑے حقوق ہیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور لطف و مدارات کی بڑی تاکید ہے، قرآن مجید نے پڑوسیوں میں ہمسایوں کے علاوہ ہر قسم کے رفقاء کار کو شامل کیا ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔

وَأَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا
وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ
وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي
الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ
بِالْجُنُبِ وَأَبْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ
أَيْمَانُكُمْ (نساء-۶)

اور اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی
کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین اور قرابت
مندوں اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت
والے پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس
بیٹھنے والوں اور مسافروں اور لونڈی غلاموں
کے ساتھ احسان و سلوک سے پیش آؤ۔

اس آیت میں پڑوسی میں تین قسم کے آدمیوں کو شامل کیا ہے، ایک جو عزیز بھی ہو اور پڑوسی بھی، دوسرے جو صرف پڑوسی ہو، تیسرے پاس بیٹھنے والے، اس میں ہر قسم کے ساتھی اور رفقاء کا آگئے، اسلام میں ان سب پڑوسیوں کے اتنے حقوق ہیں کہ

عن عائشة عن النبی ﷺ قال مازال جبرئیل یوضئنی بالجار حتی ظننت أنه سیورثہ (۱)

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبریلؑ پڑوسیوں کے بارہ میں اتنی مسلسل وصیت کرتے رہے کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ ان کو وراثت میں حصہ دار بنادیں گے۔

پڑوسی کا سب سے مقدم حق یہ ہے کہ اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی جائے، ابوشریح روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے خاص انداز میں فرمایا: خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، کسی نے پوچھا کون یا رسول اللہ! فرمایا: جس کے شر سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔ (۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔ (۳)

جو شخص پڑوسی کو ستاتا ہے اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی، ایک مرتبہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ فلاں عورت رات بھر نمازیں پڑھتی اور دن کو ہمیشہ روزے رکھتی ہے اور صدقہ بھی کرتی ہے لیکن اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے تکلیف پہنچاتی ہے، فرمایا: وہ دوزخی ہے پھر کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ فلاں عورت صرف نمازیں پڑھتی ہے اور رمضان کے روزے رکھتی ہے، کچھ کپڑے بھی خیرات کر دیتی ہے لیکن کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتی، فرمایا: وہ جنتی ہے۔ (۴)

(۱) بخاری کتاب الادب باب الوصایا بالجار (۲) ایضاً باب اثم من لایامن جارہ بوائقہ (۳) ایضاً باب من کان یومن باللہ ویوم الآخرۃ فلا یؤذ جارہ (۴) ادب المفرد باب لایؤذی جارہ

مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل ہوگا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں، دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے۔ (۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس وقت تک بندہ مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی یا پڑوسی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے۔ (۲)

سب سے بہتر وہ انسان ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے بہتر ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک ساتھیوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لیے بہتر ہے اور اللہ کے نزدیک پڑوسیوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے بہتر ہے۔ (۳)

کسی عمل کی اچھائی اور برائی کا معیار یہ ہے کہ پڑوسی اس کو اچھا یا برا کہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ مجھ کو کیسے معلوم ہو کہ میں نے اچھا کام کیا یا برا کام کیا، فرمایا: جب تم اپنے پڑوسیوں سے سنو کہ تم نے اچھا کام کیا تو سمجھو کہ اچھا ہے اور جب پڑوسیوں سے سنو کہ برا کام کیا تو سمجھو کہ برا کیا۔ (۴)

ہر پڑوسی اپنے پڑوسی کے مال و متاع اور عزت و ناموس کا امین اور محافظ ہوتا ہے، اس لیے اگر ان میں اس نے خیانت کی تو اس کا گناہ دوسروں کے ساتھ جرم کرنے سے دس گناہ بڑھ جاتا ہے، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے پڑوسی کے مال اور اس کی عزت کے بارہ میں دوسرے پڑوسی کی ذمہ داری کی اہمیت ان الفاظ میں واضح فرمائی، آپؐ نے حاضرین

(۱) مسلم باب الایمان باب المحث علی اکرام الجار (۲) ایضاً باب الدلیل علی ان من خصال

الایمان ان یحب للاحیہ ما یحب لنفسہ (۳) ادب المفرد باب خیر الجیران (۴) ابن ماجہ

سے زنا کے بارہ میں پوچھا انھوں نے عرض کیا: وہ حرام ہے، اللہ اور اس کے رسولؐ نے اس کو حرام کیا ہے، فرمایا لیکن اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرنا دس عورتوں کے ساتھ بدکاری کرنے سے زیادہ سنگین ہے، پھر چوری کے بارہ میں سوال کیا، صحابہؓ نے عرض کیا حرام ہے، اللہ اور اس کے رسولؐ نے اس کو حرام کیا ہے، فرمایا: پڑوسی کے گھر میں چوری کرنا دس گھروں میں چوری کرنے سے زیادہ سنگین ہے۔ (۱)

یہ سنگینی اس لیے ہے کہ پڑوسی کے ساتھ اس قسم کے واقعات کا زیادہ امکان رہتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کا محافظ اور امین بنایا ہے، وہی خائن اور بددیانت بن جاتا ہے، اس لیے اس کی برائی اور بڑھ جاتی ہے، پڑوسی کی امداد و اعانت کی اہمیت ان الفاظ میں ظاہر فرمائی کہ قیامت میں بہت سے ایسے پڑوسی ہوں گے جو اپنے پڑوسیوں کا دامن تھامے ہوئے کہیں گے کہ یارب اس نے اپنا دروازہ مجھ پر بند کر رکھا تھا اور روزمرہ کی معمولی چیزوں سے روکتا تھا (۲) ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ مومن نہیں ہے جو خود تو شکم سیر ہو اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہے۔ (۳)

جو بھی میسر آئے اس میں پڑوسی کا بھی حصہ رکھنا چاہیے، حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوذر! جب تم شور بہ پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ کر دیا کرو تا کہ پڑوسیوں کو بھی دے سکو۔ (۴)

اس قسم کی چیزیں بھیجنے کا تعلق زیادہ تر عورتوں سے ہوتا ہے، جو معمولی چیزوں کو حقیر سمجھتی ہیں، اس لیے ان کو خاص طور سے ہدایت فرمائی کہ مسلمان عورتو! تم میں سے کوئی عورت دوسری عورت کو حقیر نہ سمجھے خواہ وہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو (۵) یعنی نہ معمولی ہدیہ کو حقیر سمجھے اور نہ بھیجنے والی اور لینے والی کو۔

(۱) ادب المفرد باب حق الجار (۲) ایضاً باب من اغلق الباب علی الجار (۳) ایضاً باب

لا شیع دون جارہ (۴) ادب المفرد باب یکثر ماء المرق فیقسم فی الجیران (۵) بخاری

کتاب الادب باب لا تحقرن جارة بجارتها

سب سے زیادہ وہ پڑوسی حقدار ہے جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ پوچھا یا رسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے کس کو ہدیہ بھیجا کروں، فرمایا: جس کا دروازہ تمہارے گھر سے زیادہ قریب ہو۔ (۱)

پڑوسیوں میں مسلم اور غیر مسلم کی تخصیص نہیں، ان حقوق میں سب برابر ہیں، ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک بکری ذبح کرائی اور اپنے غلام کو ہدایت کی کہ وہ سب سے پہلے پڑوسی کو گوشت پہنچا دے، ایک شخص نے کہا وہ تو یہودی ہے، آپ نے فرمایا: یہودی ہے تو کیا ہوا، رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ جبریلؑ پڑوسی کے بارہ میں مجھ سے اتنی مسلسل وصیت کرتے رہے کہ مجھے خیال ہونے لگا تھا کہ وہ ان کو وراثت میں حصہ دار بنادیں گے (۲) اس سے ظاہر ہوا کہ پڑوسیوں کے حقوق میں مسلم و غیر مسلم کی تفریق نہیں۔

ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے، اس کی عزت کرے، اس کی مشکلات میں کام آئے، ضرورت کے وقت اس کی مدد کرے، اس کے مال و متاع اور عزت و ناموس کا محافظ و امین رہے۔

مہمان اور میزبان کے حقوق و فرائض: ہر انسان کبھی نہ کبھی دوسرے کا مہمان ہوتا ہے، اس لیے میزبانی اور مہمانوں کی خاطر و مدارات ہر قوم کے اخلاق و تہذیب میں داخل ہے، مشرقی قوموں میں خاص طور سے اس کی بڑی اہمیت ہے، یورپ میں بھی جہاں ہوٹلوں نے مہمانی اور میزبانی کا قصہ بڑی حد تک ختم کر دیا ہے، میزبانی کی رسم قائم ہے اور عربوں کے تو خمیر میں میزبانی داخل تھی، ان کی میزبانی ساری دنیا میں مشہور ہے، اسلام نے اس کو اور زیادہ موکد کر دیا اور مہمانی و میزبانی کے حدود مقرر کر دیئے، کلام مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں ہے۔

هَلْ آتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ
الْمُكْرَمِينَ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا
کیا تم کو ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر
پہنچی ہے کہ جب وہ ان کے پاس آئے تو

(۱) ایضاً باب حق الجوار فی ضرب الابواب (۲) ادب المفرد باب جار الیہودی

سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ فَرَاغَ
إِلَى أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعَجَلٍ سَمِينٍ فَقَرَّبَهُ
إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ
خِيفَةً قَالُوا لَا تَحْزَنْ وَبَشِّرُوهُ بَغْلَامٍ
عَلِيمٍ (ذاریات)

سلام کیا، انھوں نے اس کا جواب دیا
(اور دل میں خیال کیا) کہ یہ لوگ اجنبی
معلوم ہوتے ہیں، پھر جلدی سے اپنے
گھر جا کر ایک فر بہ بکرا (بھون کر) لائے
اور ان کے سامنے پیش کیا (ان لوگوں
نے کھانے میں تامل کیا) تو ابراہیم نے
ان سے کہا کہ آپ لوگ کھاتے کیوں
نہیں اور ان سے جی ہی جی میں ڈرے،
ان لوگوں نے کہا آپ کسی قسم کا اندیشہ نہ
کیجیے اور ان کو ایک ہوشیار فرزند (کے
تولد) کی خوشخبری دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی مہمان آئے تو سلام کے بعد خواہ وہ اجنبی کیوں نہ
ہو اس کے لیے اچھے کھانے کا انتظام کرنا چاہیے، حضرت ابراہیمؑ کے لیے ان کے مہمان
اجنبی تھے مگر انھوں نے ان کے لیے فر بہ بکرا بھنوا یا۔

حدیثوں میں ان حقوق و فرائض کی زیادہ تفصیل ہے، آنحضرت ﷺ نے مہمان
کے اعزاز و اکرام کو ایمان کا جز قرار دیا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ
ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو
تکلیف نہ دے، جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کا
اکرام کرے، جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اچھی بات کہے یا
چپ رہے۔ (۱)

ان حقوق کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن رات خاطر مدارات اور پر تکلف کھانا، تین

(۱) مسلم کتاب الادب باب الحث علی اکرام الجار والضعیف

دن عام کھانا اس کے بعد میزبان جو کچھ کھلائے گا وہ صدقہ ہوگا مہمانی کا حق نہ ہوگا۔
بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے، جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کا جائزہ عزت کے ساتھ کرے، لوگوں نے پوچھا جائزہ کیا ہے؟ فرمایا: ایک دن رات، تین دن ضیافت، اس کے بعد میزبان جو کھلائے گا وہ صدقہ ہوگا۔ (۱)

امام بخاری نے ایک طویل واقعہ باب صنع الطعام والتکلف للضيف میں نقل کیا ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابو درداء انصاریؓ کے مہمان ہوئے تو ابو درداءؓ نے ان کے لیے کھانے کا اہتمام کیا، جب کھانے کا وقت آیا تو ابو درداءؓ نے معذرت کی کہ میں روزے سے ہوں، حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا کہ جب تک تم نہ کھاؤ گے میں بھی نہ کھاؤں گا، اس لیے حضرت ابو درداءؓ کو ساتھ کھانا پڑا۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ خاص مہمانوں کے لیے کچھ نہ کچھ تکلف کرنا چاہیے اور مہمان کو میزبان کے ساتھ کھانا کھانا چاہیے، اس کے لیے نفل روزہ تک توڑا جاسکتا ہے۔
صحابہ کرامؓ بال بچوں پر مہمان کو ترجیح دیتے تھے، حضرت ابو درداءؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری کے یہاں ایک مہمان شبِ باش ہوا، انصاری کے پاس صرف اس کے اور اس کے بال بچوں کے بھر کھانا تھا، اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ بچوں کو سلا دو، چراغ گل کر دو اور جو کھانا ہے وہ مہمان کے سامنے رکھ دو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ترمذی)

مہمان جب رخصت ہونے لگے تو گھر کے دروازے تک اس کو رخصت کرنا سنت ہے، حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سنت میں یہ بھی ہے کہ جب مہمان جانے لگے تو میزبان دروازہ تک اس کو رخصت کرنے کے لیے

(۱) بخاری کتاب الادب باب من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارہ (۲) بخاری کتاب الادب باب صنع الطعام والتکلف للضيف

(۱)۔ جائے۔

یہ تو میزبانی کے فرائض ہوئے، مہمان کا فرض یہ ہے کہ وہ اتنا نہ ٹھہرے کہ میزبان پر بار ہو جائے۔ (۲)

ولا یحل لہ ان یشوی عندہ حتی یحرجہ (۳) مہمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اتنا ٹھہرے کہ میزبان پر بار ہو جائے۔

مہمانی اور میزبانی میں عام دعوت بھی شامل ہے، اسلام نے اس کے آداب بھی مقرر کیے ہیں، وہی آداب سب مہمان کے لیے ہیں، جب کوئی شخص کسی کے یہاں دعوت میں جائے تو اجازت کے بغیر گھر میں داخل نہ ہونا چاہیے اور کھانے سے فراغت کے بعد اتنا نہ ٹھہرنا چاہیے کہ داعی پر گراں گذرے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرٍ نَاطِرٍ إِنَّمَا هُوَ وَاكِلٌ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذَى النَّبِيَّ فَلَيْسَتْحَبِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ (احزاب-۷)

اے مسلمانو! پیغمبر کے گھروں میں بے بلائے مت جاؤ الا یہ کہ تم کو کھانے کی اجازت دی جائے (یعنی کھانے کے لیے بلایا جائے) تو ایسے وقت جاؤ کہ کھانے کی تیاری کا انتظار نہ کرنا پڑے اور جب تم کو (کھانے کے لیے) بلایا جائے (تو جب کھا چکو) تو واپس چلے جایا کرو، باتوں میں جی لگا کر بیٹھے نہ رہا کرو، اس سے نبی کو ناگوار می ہوتی ہے، وہ تمہارا لحاظ کر کے کچھ نہیں کہتے، لیکن اللہ صاف بات کہنے میں نہیں شرماتا۔

یہ حکم اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے گھر کے بارے میں ہے، لیکن یہ آداب ہر شخص

(۱) ابن ماجہ (۲) ادب المفرد باب جائزة الضیف (۳) باب لا یقیم عندہ حتی یحرجہ

کے لیے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ اتنا پہلے جانا چاہیے کہ گھنٹوں کھانے کا انتظار کرنا پڑے اور نہ کھانے کے بعد اتنا بیٹھنا چاہیے کہ صاحب خانہ پریشان ہو جائے۔

داعی کی اجازت کے بغیر کسی غیر مدعو شخص کو مدعو کے ساتھ نہ جانا چاہیے، ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری ابو شعیب کا ایک غلام قصائی کا پیشہ کرتا تھا، ایک دن انھوں نے اس سے کہا کہ میرے لیے تھوڑا سا کھانا تیار کرو، میں رسول اللہ ﷺ کو کھانے پر بلاؤں گا، ان کے ساتھ چار آدمی اور ہوں گے، چنانچہ آپ چار آدمیوں کے ساتھ تشریف لائے، راستہ میں ایک اور شخص آپ کے ساتھ ہو گیا، آپ نے انصاری سے فرمایا تم نے ہم پانچ آدمیوں کو بلایا تھا، ایک شخص اور ہمارے ساتھ ہو گیا ہے، اگر تم چاہو تو اس کو کھانے میں شریک ہونے کی اجازت دے دو اور چاہو تو نہ دو، انھوں نے اجازت دے دی۔ (بخاری)

جب تک دسترخوان نہ اٹھ جائے، اس وقت تک کسی کھانے والے کو نہ اٹھنا چاہیے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب دسترخوان لگ جائے تو اس وقت تک کوئی شخص نہ اٹھے جب تک دسترخوان بڑھانہ دیا جائے اور نہ کوئی شخص خواہ وہ کھا چکا ہو اس وقت تک کھانے سے ہاتھ روکے جب تک سب لوگ کھانے سے فارغ نہ ہو جائیں اور اگر اٹھنا ہی چاہے تو اس کی معذرت کر لے، عذر کے بغیر دسترخوان سے اٹھ جانے سے اس کے پاس بیٹھا ہوا شخص بھی شرم سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے، جو ابھی شکم سیر نہیں ہوا ہے۔ (ابن ماجہ)



دسواں باب

مسلمانوں کے باہمی حقوق

ظہور اسلام سے پہلے عربوں کی خانہ جنگی مشہور تھی، ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کا دشمن تھا، ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر میان سے تلواریں نکل آتی تھیں اور جنگ کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو جاتا تھا، جب تک ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے پورا انتقام نہ لیتا تھا اس کی پیاس نہ بجھتی تھی اور انتقام در انتقام کا یہ سلسلہ پشہا پشت تک چلتا رہتا تھا، جس نے عربوں کی قوت بالکل پارہ پارہ کر دی تھی، یہ لڑائیاں 'ایام عرب' کے نام سے موسوم ہیں اور عرب جاہلی کی تاریخ کا نہایت اہم باب ہیں۔

اسلامی وحدت و اخوت: عربوں پر اسلام کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے دشمنوں کو دینی اخوت کے رشتہ میں منسلک کر کے ایسا متحد کر دیا کہ وہ پرانی عداوتوں کو بھلا کر ایک دوسرے کے بھائی اور ایک جسم کے اعضا بن گئے اور ان کی اخوت ایک زمانہ تک ساری دنیا میں ضرب المثل رہی، قرآن مجید نے ان الفاظ میں اس احسان کا ذکر کیا ہے۔

اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس
سے ڈرنے کا حق ہے اور تم نہ مرد مگر

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ
تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ

مسلمان رہتے ہوئے اور سب مل کر خدا
کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور
ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو اور اپنے اوپر اللہ کا
احسان یاد کرو، تم آپس میں دشمن تھے،
اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم
اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔

وَاَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا
وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ
فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا

(آل عمران-۱۱)

دوسری آیت میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے۔

اور خدا نے مسلمانوں کے دلوں کو ملا دیا
اگر تم روئے زمین کی ساری چیزوں کو بھی
خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں کو نہ
ملا سکتے، لیکن خدا نے ان کو ملا دیا، بیشک
وہ غالب آنے والا ہے، حکمت والا ہے۔

وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي
الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ
وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ
حَكِيمٌ (انفال-۸)

مسلمانوں کی وحدت کا مسئلہ اسلام کی نگاہ میں اتنا مہتمم بالشان ہے کہ اس نے
اس کے ہر رخنے کے دور کرنے کی کوشش کی، مسلمانوں کو پھوٹ کے انجام سے ڈرا کر
اختلاف سے روکا۔

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت
کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، اس سے
ہمت ہار جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ
جائے گی۔

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا
فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ

(انفال-۶)

جب مسلمانوں میں کوئی جھگڑا یا کوئی اختلافی معاملہ پیش آئے تو اس کو دور کرنے
کے لیے خدا اور اس کے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ

پس اگر تم میں کسی بات میں اختلاف

وَالرَّسُولِ (نساء-۸)

ہو جائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔

اگر جھگڑا بڑھ کر جنگ کی صورت اختیار کرے تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ فریقین میں صلح کرانے کی کوشش کریں پھر جو فریق زیادتی سے کام لے تو مسلمان قوت کے ذریعہ اس کو صلح پر مجبور کریں، لیکن عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ، فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ (حجرات-۱)

اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو، پھر اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کر لے اور جب وہ رجوع کر لے تو دونوں میں انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور عدل سے کام لو اور اللہ عدل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں، اس لیے دونوں بھائیوں میں صلح کرادو۔

اس نے یہ بھی معلوم ہوا کہ اخوت کا رشتہ اتنا مضبوط ہے کہ جنگ سے نہیں ٹوٹتا، اس کے بعد بھی مسلمان بھائی بھائی رہتے ہیں، ان آیات کی اس حدیث سے مزید وضاحت ہوتی ہے "انصر اخاك ظالما كان أو مظلوما" اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد تو کی جاسکتی ہے لیکن ظالم کی مدد کس طرح کی جائے؟ فرمایا: اس کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکو۔

دو مسلمانوں میں صلح کرانا عبادت سے بھی زیادہ افضل ہے، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ میں تم کو ایسی چیز بتاؤں جو روزہ، نماز اور صدقہ سے بھی زیادہ

افضل ہے، صحابہؓ نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ! فرمایا: دو آدمیوں میں صلح کرادو (۱) اس کے لیے دروغ مصلحت آمیز کی بھی اجازت ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں میں مصالحت کرانے کے لیے جھوٹ بول دے جس سے اس کا مقصد صلح کرانے کے علاوہ اور کچھ نہ ہو تو وہ جھوٹ نہیں ہے۔ (۲)

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو وحدت و اخوت اور ایک دوسرے کی محبت اور غم گساری کی مختلف عنوانوں اور مختلف تمثیلات سے تلقین فرمائی ہے، سارے مسلمان ایک جسم کے مختلف اعضاء کی طرح ہیں کہ ایک کی تکلیف سے دوسرے کو تکلیف ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے ایک دوسرے سے محبت کرنے، رحم کرنے اور شفقت کرنے کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ جب ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو سارے اعضاء بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

قال رسول الله ﷺ مثل المومن في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد ان اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى

ایک دوسری روایت میں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سارے مسلمان مل کر ایک آدمی کی طرح ہیں کہ اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے اور اگر سر دکھتا ہے تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے۔

قال رسول الله ﷺ المسلمون كرجل واحد ان اشتكى عينه اشتكى كله وان اشتكى راسه اشتكى كله

مسلمان ایک دوسرے کے لیے عمارت کے مختلف حصوں کی طرح ہیں جن سے مل کر پوری عمارت مستحکم ہوتی ہے۔

(۱) ابوداؤد ج ۲ کتاب الادب باب فی اصلاح ذات البین (۲) ایضاً

قال رسول الله ﷺ المؤمن للمؤمن
كالبنیان یشد بعضهم بعضا (۱)

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے
عمارت کی طرح ہیں جس کا ایک حصہ
دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے۔

یعنی جس طرح ایک اینٹ دوسری اینٹ سے جڑ کر یا عمارت کا ایک حصہ
دوسرے حصہ سے مل کر پوری عمارت کو مضبوط کرتا ہے، اسی طرح ملت اسلامیہ کی عمارت
مسلمانوں کے اتحاد سے قائم اور مستحکم ہوتی ہے، اگر ان میں کوئی اینٹ اپنی جگہ سے کھسک
جائے تو پوری عمارت کو نقصان پہونچے گا۔
مسلمانوں کی صفت یہ ہے۔

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (فتح-۴)

وہ آپس میں رحم و شفقت رکھتے ہیں۔

أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ (مائدہ-۸)

مسلمانوں سے جھک کر ملتے ہیں۔

ایک دوسرے کے لیے دعا کرتے ہیں۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا
بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا
لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ
(حشر-۱۱)

اے ہمارے رب ہماری اور ہمارے ان
بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان لائے،
مغفرت فرما اور ہمارے دلوں میں
مسلمانوں کی طرف سے کینہ نہ رہنے
دے، اے ہمارے پروردگار تو مہربان

اور رحمت والا ہے۔

مسلمانوں کے جان کی حرمت: اس لیے جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو عداً قتل
کرتا ہے وہ خدا کے غضب اور اس کی لعنت کا مستحق ہے اور اس کی سزا دائمی عذاب جہنم ہے
جو کافروں کے لیے مخصوص ہے۔

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فِجْزَاءُ هُ

اور جو کوئی کسی مسلمان کو عداً قتل کرے گا

(۱) یہ تینوں روایاتیں مسلم کتاب البر والصلة والآداب باب تراحم المؤمنین میں ہیں۔

جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ
وَلَعْنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا أَلِيمًا (نساء-۱۴)
تو اس کی سزا دائمی جہنم ہے اور اس پر خدا
کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اس
نے اس کے لیے دردناک عذاب تیار
کر رکھا ہے۔

حدیث میں ہے۔

قال رسول الله ﷺ سباب المومن
فسوق وقتاله كفر (۱)
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو
گالی دینا گناہ کا کام اور ان سے جنگ
کرنا کفر ہے۔

ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ جو ہم (مسلمانوں) پر ہتھیاراٹھائے وہ ہم میں
سے نہیں ہے (۲) مسلمانوں کی علامت یہ ہے کہ اس کے ہاتھ اور زبان سے کسی مسلمان کو
نقصان نہ پہونچے۔

المسلم من سلم المسلمون من
لسانه ويده
مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ
سے مسلمان محفوظ رہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یا رسول
اللہ! سب سے اچھا اسلام کیا ہے یعنی سب سے اچھا مسلمان کون ہے؟ فرمایا: جس کی زبان
اور جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ (۳)

مسلمانوں کی وحدت کا مسئلہ آپؐ کی نگاہ میں اتنا اہم تھا کہ حجۃ الوداع کے خطبہ
میں آپؐ نے مسلمانوں کو جن باتوں کی وصیت فرمائی تھی ان میں سے ایک یہ بھی تھی۔

لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب
میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک

(۱) مسلم کتاب الایمان باب قول النبی ﷺ سباب المومن فسوق وقتاله كفر (۲) ایضاً باب من
حمل السلاح علینا فلیس منا (۳) یہ دونوں روایتیں بخاری کتاب الایمان باب المسلم من سلم
المسلمون من لسانه ويده میں ہیں۔

بعضکم رقاب بعض (۱)

دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

اس میں اتنی احتیاط برتی کہ اگر کافر دشمن بھی صرف زبان سے اسلام کا اقرار کر لے تو کسی مسلمان کو اس سے انکار کرنے اور اس پر ہاتھ اٹھانے کا حق نہیں ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَى إِلَيْكُمْ السَّلَامَ
لَسْتُ مُؤْمِنًا (نساء-۱۳)

اور جو شخص (اظہار اسلام کے لیے) تم سے سلامتی کا کلمہ کہے، اس سے تم یہ نہ کہو کہ تم مسلمان نہیں ہو۔

یہ آیت اس واقعہ سے متعلق ہے کہ ایک صحابی نے ایک لڑائی میں ایک کافر کو زد میں پا کر اس پر حملہ کر دیا، اس نے کلمہ پڑھ دیا، صحابی نے یہ سمجھ کر کہ اس نے محض جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا ہے اس کو قتل کر دیا، رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے ان صحابی کو بلا کر پوچھا، انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے جان کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا، آپؐ نے فرمایا: ہلا شقت قلبہ کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا۔ (۲)

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو بغیر معقول وجہ کے کافر نہ کہنا چاہیے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی مسلمان بھائی اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہتا ہے تو کفر ان دونوں میں سے کسی ایک پر عائد ہو جاتا ہے (۳) یعنی اگر اس مسلمان نے حقیقت کفر کا کوئی عمل کیا ہے تو کہنے والے نے صحیح کہا اور اگر ایسا نہیں ہے تو مسلمان کو کافر کہنا خود ایک قسم کا کفر ہے، اس لیے جو لوگ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ دیتے رہتے ہیں، ان کو اس حدیث سے سبق لینا چاہیے۔

اسلام نے مسلمانوں میں اختلاف اور پھوٹ پیدا کرنے والے ہر رخنہ کو بند کرنے کی کوشش کی ہے اور ان میں باہم مودت و اخوت اور الفت و محبت کا رشتہ استوار کرنے کے لیے ایک دوسرے پر اتنے حقوق و فرائض اور اتنی ذمہ داریاں عائد کر دی ہیں کہ

(۱) ایضاً باب لا ترجعوا بعدی کفاراً الخ (۲) بخاری کتاب المغازی (۳) بخاری کتاب

الادب باب من اکفر اخواہ

اگر ان سے عہدہ برآ ہوا جائے تو مسلمان حقیقۃً جسم واحد بن جائیں اور امت مسلمہ کا قلعہ ناقابل تسخیر ہو جائے، ان حقوق و فرائض اور ذمہ داریوں کی تفصیل اتنی طویل ہے کہ ایک باب میں ان کا احاطہ دشوار ہے، اس لیے مثال کے طور پر ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے حقوق و فرائض: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کی

جان و مال اور آبرو کا محافظ اور امین ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا مال، اس کی آبرو اور اس کا خون حرام ہے، کسی

مسلمان کے لیے یہ برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے، ایک دوسری

روایت میں ہے کہ سب سے بڑا سود مسلمان کی آبرو پر دست درازی ہے۔ (۱)

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی

مسلمان کی کسی منافق کے مقابلہ میں حمایت کی اور اس کو بچایا تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر

کرے گا جو قیامت میں اس کو آتش دوزخ سے بچائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی بے

آبروئی کے ارادہ سے اس پر کوئی تہمت لگائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کے پل پر روک لے

گا، یہاں تک کہ وہ اس کی سزا بھگت لے۔ (۲)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان کسی مسلمان کو

ایسے موقع پر بے یار و مددگار چھوڑے گا، جس میں اس کی عزت و آبرو کو خطرہ ہو تو خدا اس کو

بھی ایسے موقع پر چھوڑ دے گا، جہاں اس کو اس کی مدد کی ضرورت ہوگی اور جو مسلمان کسی

مسلمان کی ایسے موقع پر مدد کرے گا، جہاں اس کی عزت و آبرو کو خطرہ ہو تو اس کی بھی امداد

کے موقع پر مدد کرے گا۔ (۳)

ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کے مال پر ناجائز تصرف کرنا حرام ہے،

مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق

(۱) ابوداؤد ج ۲ کتاب الادب باب فی الغیبة (۲) ابوداؤد ج ۲ کتاب الادب باب فی الغیبة

(۳) ایضاً باب الرجل یذب عن عرض اخیہ

مارے گا تو خدا اس کے لیے دوزخ واجب اور جنت حرام کر دے گا، ایک شخص نے پوچھا: اگر کوئی معمولی چیز ہو؟ فرمایا: اراک کی شاخ ہی کیوں نہ ہو (۱) ایک مسلمان کے مال کی حفاظت دوسرے مسلمان کا فرض ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کا آئینہ ہے، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، جو اس کی چیزوں کو بربادی سے بچاتا ہے اور اس کی غیر حاضری میں اس کی حفاظت کرتا ہے۔ (۲)

مشکلات و مصائب کے وقت ایک دوسرے کی اعانت و دستگیری: حضرت سالمؓ سے روایت ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے، نہ اس کو دشمن کے حوالہ کرے، جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے گا، خدا اس کی مدد کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی کسی مشکل کو آسان اور اس کی مصیبت کو دور کرے گا تو خدا اس کی مشکل آسان کرے گا۔ (۳)

دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا تو خدا قیامت میں اس کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا، جو کسی تک دست مسلمان کے لیے آسانی پیدا کر دے گا تو خدا دنیا و آخرت دونوں میں اس کے لیے آسانی پیدا کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی عیب پوشی کرے گا خدا دنیا و آخرت دونوں میں اس کی عیب پوشی کرے گا، جب تک کوئی بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے خدا اس کی مدد میں رہتا ہے۔ (۴)

اختلاف اور پھوٹ کے اسباب سے بچنے کی تاکید: مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آپس میں حسد اور ایک دوسرے کو خوفزدہ نہ کرو، کینہ نہ رکھو، پیٹھ پیچھے برانہ

(۱) مسلم کتاب الایمان باب وعید من اقتطع حق مسلم یمین فاجر بالنار (۲) ادب المفرد باب المسلم مرآة احیہ (۳) ابوداؤد کتاب الادب باب المواخاة (۴) ایضاً جلد ۲ کتاب الادب باب فی معویۃ المسلم

کہو، ایک دوسرے کے مقابلہ میں دام نہ چڑھاؤ، اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے، نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑے، نہ اس کی تحقیر کرے، پھر سینہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: تقویٰ یہاں ہے، آدمی کے لیے یہ شر کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے، ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی آبرو حرام ہے۔ (۱)

بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آپس میں کینہ نہ رکھو، حسد نہ کرو، پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو برانہ کہو، خدا کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ، ایک مسلمان کے لیے اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک تعلق جائز نہیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ بدگمانی سے بچو، بدگمانی سب سے چھوٹی بات ہے، ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو، پیٹھ پیچھے برانہ کہو، اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔ (۲)

ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے عیوب کا تجسس نہ کرو، جو شخص ان کے عیوب کی ٹوہ میں رہے گا تو خدا اس کے عیوب کا تجسس کرے گا اور جس کے عیوب کا خدا تجسس کرے گا اس کو اس کے گھر کے اندر رسوا کر دے گا۔ (۳)

وہ مسلمان مومن کہلانے کا مستحق نہیں ہے جو اپنے بھائی مسلمان کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے۔ (۴)

جو مسلمان ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے، وہ جنت کے مستحق نہیں ہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے، جب تک مومن نہ ہو اور ایک دوسرے سے محبت نہ کرو

(۱) مسلم کتاب البر والصلة والآداب باب تحریم ظلم المسلم (۲) یہ دونوں روایتیں بخاری کتاب

الادب باب ما تنهى عن التحاسد والتدابیر (۳) ابوداؤد کتاب الادب باب فی الغیبة

(۴) بخاری کتاب الایمان باب من الایمان بحب لایحیہ ما یحب لنفسه

میں تم کو ایسی چیز بتاتا ہوں کہ اگر اس پر عمل کرو گے تو آپس میں محبت بڑھے گی، ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔ (۱)

مسلمانوں کے ساتھ اخلاص اور ان کی ہوا خواہی ہر مسلمان کا فریضہ ہے، رسول اللہ ﷺ دوسرے فرائض کے ساتھ اس کے لیے بھی بیعت لیتے تھے، جریر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں پر تین چیزوں کے لیے بیعت کی، نماز، زکوٰۃ اور ہر مسلمان کے ساتھ اخلاص و محبت و ہوا خواہی۔ (۲)

ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترک سلام و کلام جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترک تعلق حرام ہے، تین دن کے بعد جب دونوں کا آمنا سامنا ہو تو ان میں سے ایک کو سلام میں پیش قدمی کرنی چاہیے، اگر دوسرے نے سلام کا جواب دیا تو دونوں کو ثواب ملے گا، ورنہ جو جواب نہ دے گا وہ گنہگار ہوگا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جس نے ایک مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک تعلق رکھا اس نے گویا اس کا خون کیا۔ (۳)

سلام سے محبت بڑھتی ہے اور مصافحہ سے مغفرت ہوتی ہے، اس لیے جب دو مسلمانوں میں ملاقات ہو تو آپس میں سلام و مصافحہ کرنا چاہیے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملتے اور مصافحہ کرتے ہیں تو قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوں خدا ان کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ (۴)

ہر مسلمان پر اس کے مسلمان بھائی کے پانچ حق ہیں، سلام کرنا، سلام کا جواب دینا، جب وہ چھینکے تو یرحمکم اللہ کہنا، دعوت قبول کرنا اور اس کی عیادت کرنا، اس کے جنازہ

(۱) ابوداؤد کتاب الادب باب افشاء السلام (۲) بخاری کتاب الایمان باب قول النبی ﷺ

الدین النصیحہ (۳) ابوداؤد کتاب الادب باب فی ہجرة الرجل اخاه (۴) ابوداؤد کتاب

الادب باب فی المصافحہ

میں شرکت کرنا۔

بعض روایات میں چھ حق بیان کیے گئے ہیں چھٹا حق یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان مشورہ چاہے تو نیک مشورہ دینا۔ (۱)

مسلم میں ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کے لیے جاتا ہے تو جب تک واپس نہ آجائے، جنت کی روش پر رہتا ہے۔ (۲)

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر آخری حق اور اس کی آخری خدمت یہ ہے کہ اس کے جنازہ میں شرکت کی جائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ایمان و اخلاص کے ساتھ کسی مسلمان کے جنازہ میں شرکت کی اور نماز و دفن تک برابر ساتھ رہا تو اس کو دو قیراط ثواب ملے گا۔

ایک قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا اور جس نے صرف نماز جنازہ میں شرکت کی اور دفن سے پہلے لوٹ آیا تو اس کو ایک قیراط اجر ملے گا (۳) اس تمثیل کا مقصد اجر و ثواب کی کثرت ہے۔

ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے جنازہ میں شرکت کی اور تین مرتبہ جنازہ کو کندھا دیا تو اس نے اپنا حق ادا کر دیا۔ (۴)

اس قسم کے اور بھی بہت سے حقوق و فرائض ہیں، اس باب میں ان سب کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے، جو حدیثیں اوپر نقل کی گئی ہیں، اگر ان کے ایک حصہ پر بھی عمل کیا جائے تو مسلمانوں کے سارے اختلافات کا خاتمہ ہو جائے اور وہ حقیقتہً بھائی بھائی اور ایک جسم کے مختلف اعضاء بن جائیں۔



(۱) ایضاً کتاب البر والصلة والآداب (۲) بخاری جلد اول کتاب الایمان باب اتباع الجنائز

(۳) ترمذی

گیارہواں باب عام انسانوں کے حقوق

عام انسانی برادری کا حق: اسلام کی رحمت و شفقت کا دائرہ کسی خاص طبقہ اور کسی خاص قوم و ملت تک کے لیے محدود نہیں بلکہ پورے عالم انسانیت تک وسیع ہے، اس نے ساری مخلوق کو خدا کا کنبہ مانا ہے اور تمام مخلوق کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا حکم دیا ہے۔

الخلق کلہم عیال اللہ فأحب
الخلق عند اللہ من أحسن الی
عیالہ (۱)

ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور اس کے
نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ مخلوق وہ
ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ نیکی کرے۔

تمام انسانوں کو انسانیت کے رشتہ سے بھائی مانا ہے اور ان کو بھائی کی طرح
اتحاد و اتفاق کے ساتھ رہنے کی تلقین کی ہے۔

لا تقاتعوا ولا تدابروا ولا تباعضوا
ولا تحاسدوا وكونوا عباد اللہ
اخوانا (۲)

ایک دوسرے سے تعلقات منقطع نہ کرو،
ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو، ایک
دوسرے سے کینہ نہ رکھو اور ایک دوسرے
سے حسد نہ کرو اور خدا کے بندے بھائی

(۱) طبرانی و بیہقی (۲) ترمذی ابواب البر والصلة باب ما جاء فی الحسد

بھائی بن جاؤ۔

ہر انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ رحم و کرم کی تعلیم دی ہے جو انسان دوسرے انسان پر رحم نہیں کرتا وہ رحمتِ خداوندی کا مستحق نہیں ہے۔

أَرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمُكُمْ
مَنْ فِي السَّمَاءِ
تم لوگ زمین کے رہنے والوں پر رحم کرو
تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔ (۱)

مَنْ لَمْ يَرْحَمْ النَّاسَ لَمْ يَرْحَمْهُ اللَّهُ
جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اس پر خدا
بھی رحم نہیں کرتا۔

کوئی مسلمان اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک سب کی بھلائی نہ

چاہے۔ (۲)

لَا يَزُومُنْ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَحِبَّ لِلنَّاسِ
مَا يَحِبُّ لِنَفْسِهِ وَحَتَّى يَحِبَّ الْمَرْءُ
وَلَا يَحِبُّهُ إِلَّا اللَّهُ
تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن
نہیں ہو سکتا، جب تک دوسروں کے لیے
وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا
ہے اور جب آدمی کسی کو دوست رکھے تو
خدا کے لیے دوست رکھے۔

ایک دوسری حدیث کا ٹکڑا ہے، جس میں مسلمان ہونے کے لیے کئی شرطیں بتائی
گئی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے۔ (۳)

وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تَحِبُّ لِنَفْسِكَ
تَكُنْ مُسْلِمًا
تم لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے
لیے پسند کرتے ہو، تب مسلمان ہو گے۔

کلام مجید میں عدل و انصاف اور احسان و سلوک کا عام حکم ہے، اس میں کسی کی
تخصیص نہیں۔

(۱) ایضاً باب ما جاء في رحمة الناس (۲) مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۳۷۲ (۳) ترمذی ابواب الزہد

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ
(نحل-۱۳)

بیشک اللہ (سب کے ساتھ) عدل اور
احسان و سلوک کا حکم دیتا ہے۔

أَحْسِنُ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ
(قصص-۸)

تم دوسروں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرو،
جیسا کہ خدا تمہارے ساتھ بھلائی کرتا ہے

اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ سب کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا چاہیے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، جہاں بھی جاؤ خدا سے ڈرتے رہو، کوئی برائی سرزد ہو جائے تو کوئی ایسا نیک کام کرو جو اس کو مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ۔ (۱)

اسلام میں اس قسم کے جتنے اخلاقی احکام ہیں وہ مذہب و ملت کی تخصیص کے بغیر سارے انسانوں کے لیے عام ہیں اس میں مسلم اور غیر مسلم سب شامل ہیں مثلاً غریبوں کی دستگیری، مظلوموں کی امداد اور اس قبیل کے دوسرے نیک کام کسی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں، یہ اور بات ہے کہ اولیت اور ترجیح اپنے اہل مذہب کے غریب اور ناداروں کو حاصل ہوگی کہ چراغ پہلے گھر سے جلتا ہے۔

اس بارہ میں اسلام کے نقطہ نظر کا اندازہ اس حدیث قدسی سے ہوگا جو اس سے پہلے بھی کسی باب میں گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ اللہ عز و جل قیامت میں فرمائے گا اے ابن آدم میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی، بندہ عرض کرے گا: میں تیری عیادت کس طرح کرتا تو تو خود سارے جہاں کا پروردگار ہے، خدا فرمائے گا کیا تجھ کو نہیں معلوم کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تو نے اس کی عیادت نہیں کی، اگر تو عیادت کرتا تو مجھ کو اس کے پاس موجود پاتا، اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے نہیں کھلایا، بندہ عرض کرے گا: پروردگار! تو تو خود رب العالمین ہے، میں تجھ کو کس طرح کھلاتا، خدا فرمائے گا: میرے فلاح بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا، تو نے نہیں کھلایا، اگر تو اس کو کھلاتا تو اس کھانے کو میرے پاس موجود پاتا، اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے نہیں پلایا، بندہ

(۱) ایضاً باب ماجاء فی حسن الخلق

عرض کرے گا پروردگار میں تجھ کو کس طرح پانی پلاتا، تو خود رب العالمین ہے، خدا فرمائے گا، میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے نہیں پلایا تو اگر پلاتا تو میرے پاس موجود پاتا۔ (۱)

یہ حدیث تمثیلی ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر حاجت مند کی امداد و دستگیری ایک مسلمان کا اخلاقی فرض ہے، اس میں کسی کی تخصیص نہیں۔

دوسرے مذاہب کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر: اس سلسلہ میں اسلام نے ایک بڑی اور بنیادی اصلاح یہ کی کہ دوسرے مذاہب اور ان کے ماننے والوں کے متعلق مسلمانوں کے خیالات میں تبدیلی پیدا کی، جس سے خود بخود ان میں غیر مسلموں کے ساتھ وسعت نظر، کشادہ دلی اور رواداری پیدا ہو گئی، اسلام سے پہلے کے تمام اہل مذاہب اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذاہب کو باطل اور ان کے پیغمبروں کو کاذب سمجھتے تھے حتیٰ کہ یہودی اور عیسائی جن کے مذہب ایک ہی درخت یعنی دینِ ابراہیمی کی دو شاخیں ہیں، ایک دوسرے کو جھوٹا سمجھتے تھے۔

اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کا مذہب کچھ نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں یہود کا مذہب کچھ نہیں، حالانکہ دونوں کتاب الہی کے پڑھنے والے ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ (بقرہ-۱۴)

یہود نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کذاب و مفتری سمجھتے تھے اور ان کو اپنے گمان میں سولی دلوائی تھی، یہی حال عیسائیوں کی یہود دشمنی کا بھی تھا جہاں تک ان کا بس چلا یہودیوں کو تباہ و برباد کرنے میں انھوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، جب تک یورپ میں مذہب کا اثر باقی رہا بلکہ اس کے بعد بھی ایک مدت تک یہودیوں پر عرصہ حیات تنگ رہا اور وہاں یہودی مجموعہ ذمائم سمجھا جاتا تھا، ہندو اپنے مذہب کے علاوہ دنیا کے کسی مذہب کو

(۱) مسلم کتاب البر والصلة والآداب فضل عیادة المریض

مذہب ہی نہیں سمجھتے تھے اور ساری دنیا کو ملچھ اور چندال کا لقب دے رکھا تھا، یہاں تک کہ اپنے اوپر کسی غیر مذہب والے کا سایہ بھی نہ پڑنے دیتے تھے، اس کی پوری تفصیل بیرونی نے کتاب الہند میں لکھی ہے، یہی حال ایرانیوں کے احساس برتری کا تھا، سب سے پہلے اسلام نے یہ نفرت دور کی، اس نے بتایا کہ دنیا کی کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم نہیں، اس نے ہر قوم کی ہدایت و رہنمائی کے لیے پیغمبر مبعوث فرمائے، کلام مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ (روم-۵)

اور ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی پیغمبران کی اپنی قوم کی رہنمائی کے لیے بھیجے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ (یونس-۵)

اور ہم نے ہر قوم کے لیے ایک رسول بھیجا

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ هَادٍ (رعد-۱)

اور ہم نے ہر قوم کے لیے رہنما بھیجا۔

اور مسلمانوں کے لیے ان تمام انبیاء و رسل اور ان کی کتابوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔

كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتِبَ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ (بقرہ-۲۰)

اور ہر ایک خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا اور ہم خدا کے رسولوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے۔

ان سے انکار کفر و ضلالت ہے۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتِبَ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا (نساء-۲۰)

اور جو شخص خدا کا، اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا انکار کرتا ہے وہ سخت گمراہی میں ہے۔

اس لیے اسلام سے پہلے تمام انبیاء و رسل پر مسلمانوں کے لیے ایمان لانا ضروری ہے، اس کے بغیر وہ مسلمان نہیں ہو سکتے، لیکن ان کی تعداد اتنی ہے کہ قرآن مجید میں

ان سب کا ذکر نہیں ہو سکتا تھا، جیسا کہ خود قرآن کہتا ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ فَمِنْهُمْ
مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّن لَّمْ
نَقْصُصْ عَلَيْكَ (مومن-۸)

اور ہم نے یقیناً بہت سے پیغمبر بھیجے ان
میں سے کچھ کا حال تم سے بیان کیا اور
کچھ کا نہیں بیان کیا۔

جن پیغمبروں کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے ان کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ وہ
توحید کی تعلیم دیتے ہیں، کیوں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا اولین مقصد توحید اور
خدا شناسی کی تعلیم ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ
اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ
(نحل-۵)

اور یقیناً ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ
اللہ کی پرستش کرو اور جھوٹے معبودوں
سے بچو۔

ایک دوسری آیت میں ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا
نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ
(انبیاء-۲)

اور ہم نے تم سے پہلے کسی نبی کو نہیں بھیجا
لیکن اس کو یہی وحی بھیجی کی میرے سوا
کوئی معبود نہیں، اس لیے مجھی کو پوجو۔

یہ آیات اس بات کا ثبوت ہیں کہ اسلامی عقیدہ کی رو سے دنیا کی کوئی قوم ایسی
نہیں ہے جس کی ہدایت و رہنمائی کے لیے پیغمبر نہ آئے ہوں لیکن آج جس قدر قدیم مذاہب
ہیں ان کے پیغمبروں کے حالات افسانوں میں اس قدر گم ہیں اور ان کی تعلیمات میں اتنی
تحریف ہو گئی ہے کہ ان کی اصل حقیقت کا پتہ چلانا مشکل ہے، اس لیے کلام مجید میں جن
پیغمبروں کا ذکر ہے ان پر تو ہر مسلمان کے لیے ایمان لانا ضروری ہے لیکن جن کا ذکر نہیں ہے
ان کو پورے اذعان و یقین کے ساتھ پیغمبر تسلیم نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ پیغمبر مان لینے کے
بعد ان پر ایمان لانا ضروری ہو جاتا ہے اور اسلام نے ان ہی چیزوں پر ایمان لانے کا حکم دیا
ہے جو تصریح کے ساتھ قرآن مجید میں آئی ہیں، اس لیے جو قومیں جن برگزیدہ شخصیتوں کو اپنا

پیغمبر مانتی ہیں اور ان کی تعلیم میں توحید ہے اور وہ پیغمبرانہ اوصاف سے متصف ہیں ان کو یقینی طور پر پیغمبر تو نہیں مانا جاسکتا لیکن ان کو خدا کا برگزیدہ بندہ بہر حال ماننا اور ان کا احترام کرنا چاہیے۔

دین میں جبر نہیں: اس نقطہ نظر کی بنا پر اسلام میں دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں زیادہ رواداری ہے، عیسائیت جس کے پیروؤں نے اسلام اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ بدنام کیا ہے، اس کی تاریخ کے صفحات خون سے رنگین ہیں، انھوں نے ادنیٰ ادنیٰ مذہبی اختلافات پر اپنے ہم مذہبوں پر جو ظلم و ستم ڈھائے ہیں اسکی تفصیل آج بھی یورپ کے ازمینہ وسطیٰ کی تاریخ میں دیکھی جاسکتی ہے، لیکن اسلام نے پہلے دن اعلان کر دیا کہ دین میں جبر نہیں ہے۔

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (بقرہ-۳۴) دین میں زبردستی نہیں، راہ راست گمراہی سے علانیہ ممتاز ہو چکی ہے۔

اسلام کا قبول کرنا نہ کرنا ہر شخص کی مرضی پر موقوف ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ (کہف-۴) اور کہہ دو حق (اسلام) تمہارے رب کی طرف سے آچکا، بس جو چاہے قبول کرے جو چاہے نہ قبول کرے۔

تبلیغ حکمت و دانائی اور پسند و موعظت کے ذریعہ کرنی چاہیے، اگر بحث و مباحثہ کی نوبت آجائے تو اس کو بھی خوبصورتی سے کرنا چاہیے۔

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (نحل-۱۶) اپنے رب کے راستہ کی طرف دانشمندی اور اچھی اچھی باتوں کے ذریعہ بلاؤ اور بہت پسندیدہ طریقہ سے بحث کرو۔

یہ تعلیم عین فطرت کے مطابق ہے اور یہی تبلیغ کا صحیح طریقہ ہے، اس لیے کہ اسلام نام ہے اسلام پر دل سے یقین اور زبان سے اقرار کا، جبر و قوت سے زبان سے تو

اقرار کیا جاسکتا ہے، لیکن دل میں یقین نہیں پیدا کیا جاسکتا، اس لیے وہ اسلام معتبر ہی نہیں ہے جس کو جبر و قوت سے منوایا جائے، اسلام کی رواداری کا تو یہ عالم ہے کہ اس نے دوسرے مذاہب کے باطل معبودوں کو بھی برا کہنے کی ممانعت کی ہے۔

مسلما نو! جو لوگ خدا کے سوا دوسرے
معبودوں کی پرستش کرتے ہیں ان کو برا
نہ کہو، یہ لوگ بھی نادانی سے خدا کو برا
کہنے لگیں گے۔

لَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ
(انعام-۱۲۸)

اہل کتاب کے ساتھ رواداری: ابتدا میں اسلام اور مسلمانوں کا سابقہ مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ رہا اور یہ تینوں اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے، انھوں نے ان کو مٹانے کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا، اس کے باوجود اسلام نے ان کو انسانی حقوق سے محروم نہیں کیا اور ان کی مخالفت اور دشمنی کے حدود مقرر کر دیے، یہودیوں میں زیادہ شقاوت و سنگ دلی تھی اس اعتبار سے مسلمانوں کے ساتھ ان کی دشمنی بھی شدید تھی، ان کے مقابلہ میں عیسائی دیندار تھے، ان میں رقت قلب، اثر پذیری اور قبول حق کی زیادہ صلاحیت تھی، اس لیے مسلمانوں کے ساتھ ان کی دشمنی بھی کم تھی، کلام مجید نے ان کی تعریف کی ہے۔

اے پیغمبر مسلمانوں کے ساتھ دشمنی میں
یہود اور مشرکین کو زیادہ سخت پاؤ گے اور
مسلمانوں کے ساتھ دوستی میں سب
لوگوں میں ان کو زیادہ قریب پاؤ گے
جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں، یہ اس
سبب سے ہے کہ ان میں علما و مشائخ ہیں
یہ لوگ تکبر نہیں کرتے اور جب قرآن
سننے ہیں جو رسول پر نازل کیا گیا ہے تو

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ
آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا
وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا
الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ذَٰلِكَ بِأَنَّ
مِنْهُمْ قَسِيصِينَ وَرُهَبَانًا وَإِنَّهُمْ
لَا يَسْتَكْبِرُونَ وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ
إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ
الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ

رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ وَمَا
لَنَا لَأَنُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ
الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ
الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ (مائدہ-۱۱)

دیکھو گے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو
جاری ہیں، اس لیے کہ انھوں نے حق کو
پہچان لیا ہے اور یہ لوگ دعائیں مانگتے ہیں کہ
اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے،
اس لیے تو ہم کو (دین حق) کی تصدیق
کرنے والوں میں لکھ لے اور ہم کو کیا
ہو گیا ہے کہ ہم اللہ پر اور جو حق بات
ہمارے پاس آتی ہے، اس پر ایمان نہ
لائیں اور توقع رکھیں کہ ہمارا رب ہم کو
نیک بندوں کے ساتھ داخل کرے گا۔

یہودیوں کے ساتھ بھی جو سب سے بڑے دشمن تھے، عدل و انصاف کرنے کا حکم ہے

سَمِعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَلُونَ لِلسُّخْتِ
فَإِنْ جَاوَوْكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ
أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ
يَضُرُّوكَ شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم
بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ
الْمُقْسِطِينَ (مائدہ-۷)

یہودی جھوٹی باتوں کی ٹوہ لیتے پھرتے
ہیں اور حرام مال کھاتے چلے جاتے ہیں
(تو جب وہ لوگ آپ کے پاس اپنے
معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے آئیں)
تو آپ کو اختیار ہے کہ آپ فیصلہ کیجیے یا
ان سے کنارہ کش رہیے (اگر ان کے
درمیان میں پڑنے سے) کنارہ کش
رہیے تو وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے لیکن
اگر فیصلہ کیجیے تو انصاف کے ساتھ کیجیے
کیوں کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو
دوست رکھتا ہے۔

اہل کتاب کے ساتھ بحث و مباحثہ میں جھگڑانہ کرنا چاہیے، بلکہ خوبصورتی کے

ساتھ سمجھانا چاہیے۔

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَالْهَنَا وَالْهُكْمُ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ (عنکبوت-۵)

اور اہل کتاب سے جھگڑانہ کرو مگر شایستہ طریقہ پر، البتہ جو لوگ زیادتی کریں (ان کا جواب دیا جاسکتا ہے) ان لوگوں سے کہو کہ ہم ایمان لائے اس چیز پر جو ہماری طرف اتری (یعنی قرآن) اور جو تمہاری طرف (توراة و انجیل) اتری اور ہمارا تمہارا خدا ایک ہے، اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔

دو مختلف اہل مذاہب کے درمیان تعلق کا ایک بڑا ذریعہ ساتھ کھانا پینا اور شادی بیاہ ہے، اسلام میں اہل کتاب کا کھانا مسلمانوں کے لیے حلال اور ان کی عورتوں سے شادی کرنا جائز قرار دیا۔

الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ

مسلمانو! آج تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور مسلمان بیاہتا بی بیوں اور جن جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے ان کی بھی بیاہتا عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں بشرطیکہ ان کا مہر ادا کر دو اور تمہارا ارادہ ان کو نکاح میں لانے کا ہو نہ کھلم کھلا

بدکاری کرنے کا اور نہ چوری چھپے آشنائی
کرنے کا اور جو ایمان کی باتوں کو نہ مانے
ان کے اعمال اکارت ہیں اور وہ آخرت
میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔

لیکن اس سے مراد وہی اہل کتاب ہیں جو اپنے مذہب پر قائم اور اس کے حلال و
حرام کے پابند ہیں۔

عیسائی رسول اللہ ﷺ کے مہمان ہوتے تھے اور آپ خود ان کی خدمت انجام
دیتے تھے، ایک مرتبہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے یہاں سے ایک سفارت آئی، آپ نے اس
کو اپنا مہمان بنایا اور بہ نفس نفیس مہمان داری کے تمام کام انجام دینا چاہے تو صحابہؓ نے عرض
کیا: ہم یہ خدمت انجام دیں گے، ارشاد فرمایا: ان لوگوں نے میرے دوستوں کی خدمت کی
ہے، اس لیے میں خود ان کی خدمت کروں گا۔ (۱)

ان کو اپنی مسجد میں نماز پڑھنے تک کی اجازت دے دیتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ
نجران کے عیسائیوں کا وفد جب مدینہ آیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مسجد میں حاضر
ہوا تو عیسائیوں کی نماز کا وقت آگیا، انھوں نے مسجد نبوی ہی میں نماز پڑھنی شروع
کردی، مسلمانوں نے روکنا چاہا مگر آنحضرت ﷺ نے ان کو منع کیا اور فرمایا: نماز پڑھنے دو،
چنانچہ انھوں نے مسجد نبوی میں اپنے مذہب کے مطابق مشرق کی جانب رخ کر کے
نماز پڑھی۔ (۲)

اسلام کے دشمن مشرکین عرب کے ساتھ عدل و رواداری: اسلام اور مسلمانوں کے
اصلی دشمن مشرکین عرب تھے، جنھوں نے ان کے مقابلہ کے لیے عرب قبائل کا متحدہ محاذ
قائم کر لیا تھا، اور برسوں ان سے جنگ کرتے رہے، ان کے استیصال کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں
رکھا، ان سے مقابلہ کے بغیر مسلمانوں کا وجود قائم نہیں رہ سکتا تھا، اس لیے اسلام نے ان کو

(۱) شرح شفا خفاجی جلد ۲ ص ۱۰۰ (۲) زاد المعاد ج ۱ ص ۳۵

ان کے مقابلہ کا تو حکم دیا لیکن جنگ کی حالت میں بھی ظلم و زیادتی کرنے کی ممانعت کر دی۔
 وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (بقرہ-۲۲)

جو لوگ تم سے لڑیں اللہ کی راہ میں ان سے لڑو لیکن کسی قسم کی زیادتی نہ کرو، اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

جن لوگوں نے مسلمانوں کو صلح حدیبیہ میں مسجد حرام کی زیارت سے زبردستی روک دیا تھا، ان کے ساتھ بھی زیادتی کرنے سے روکا۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاَنْ تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ اِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (مائدہ-۲)

جن لوگوں نے تم کو مسجد حرام سے روکا تھا ان کی عداوت تم کو ان کے ساتھ زیادتی کرنے کا سبب نہ بنے، نیکی اور پرہیزگاری کے ساتھ ایک دوسرے کے مددگار رہا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں مددگار نہ بنا کرو۔

دشمنی کی بنا پر کسی کے ساتھ بے انصافی نہ کرنا چاہیے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَى اَلَّا تَعْدِلُوا اِعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللَّهَ اِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (مائدہ-۱)

اے ایمان والو! انصاف کی گواہی دینے کے لیے اللہ کے واسطے تیار ہو جایا کرو، کسی قوم کی دشمنی کی بنا پر انصاف کو نہ چھوڑو بلکہ انصاف سے (ہر حال میں) کام لو، یہ بات تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ جانتا ہے جو کام تم کرتے ہو۔

برسر جنگ مشرکین کے ساتھ مصالحت کا حکم: برسر جنگ کفار و مشرکین سے مقابلہ کے لیے تیار رہنا چاہیے مگر جب وہ صلح کے لیے ہاتھ بڑھائیں تو صلح کر لینا چاہیے۔

اور اگر کافر صلح کے لیے جھکیں تو تم بھی صلح کے لیے جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اگر ان کا ارادہ دھوکا دینے کا ہو تو اللہ تمہارے لیے کافی ہے۔

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا
وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ
وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ
حَسْبَكَ اللَّهُ (انفال-۸)

مشرکین میں سے جو پناہ چاہے اس کو پناہ دے کر اس کے ٹھکانے پر پہنچا دینا چاہیے۔

اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص تم سے پناہ چاہے تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ اللہ کے کلام کو سن لے، پھر اس کو اس کے امن کی جگہ واپس پہنچا دو یہ اس لیے کہ یہ لوگ (اسلام کی حقیقت سے) ناواقف ہیں۔

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ
فَاجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ
أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ
لَا يَعْلَمُونَ (توبہ-۱)

جنگی دشمنوں سے بھی بد عہدی نہ کرنا چاہیے۔

مشرکین میں سے جن کے ساتھ تم نے عہد و پیمان کیا پھر انھوں نے عہد کی پابندی میں کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی تو ان کے ساتھ عہد و پیمان کی جو مدت مقرر ہے اس کو پورا کرو جو لوگ (بد عہدی سے) بچتے ہیں اللہ ان کو دوست رکھتا ہے۔

الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ
يَنْقُصُوا شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ
أَحَدًا فَآتِمُوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَى
مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ
(توبہ-۱)

ایک دوسری آیت میں ہے۔

اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ

اللّٰهُ وَعِنْدَ رَسُوْلِهِ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُمْ
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا
لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُتَّقِيْنَ (توبہ-۲)

نزدیک مشرکین کا عہد کیوں کر معتبر ہو
(جب کہ انھوں نے عہد شکنی کر کے اپنا
اعتبار کھو دیا ہے) مگر جن کے ساتھ تم نے
مسجد حرام کے پاس عہد کیا تھا (یعنی صلح
حدیبیہ میں) تو جب تک وہ لوگ سیدھے
رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو،
اللہ متقیوں کو دوست رکھتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی معاہدہ کو قتل کرے گا تو جنت کی بوتل سو گنگھنے نہ
پائے گا، حالاں کہ اس کی مہک چالیس سال تک کی مسافت تک پھیلی ہوگی۔ (۱)
اس لیے مسلمان حالت جنگ میں بھی معاہدہ کی پابندی کا بڑا لحاظ رکھتے تھے
حضرت عمرؓ خاص طور سے افسران فوج کو اس کی تاکید کرتے رہتے تھے، جنگ قادسیہ کے
زمانہ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو خاص فرمان لکھ کر بھیجا جس میں منجملہ اور ہدایتوں کے
ایک ہدایت یہ بھی تھی کہ

وعدہ کی پابندی ضروری ہے، دوسرے کی بدعہدی کے موقع پر عہد کی پابندی مفید
اثر پیدا کرتی ہے اور غلطی سے بھی بدعہدی کرنا ہلاکت ہے، اس سے تمھاری قوت کمزور
پڑے گی اور دشمن کی طاقت بڑھے گی، تمھاری ہوا کھڑ جائے گی اور دشمن کی ہوا بندھ جائے
گی، اس لیے میں تم کو ان باتوں سے باز رہنے کی تاکید کرتا ہوں، جو مسلمانوں کے لیے
باعث عار ہوں اور اس سے ان کی قوت کمزور پڑتی ہو۔ (۲)

حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ بعض فوجی دشمنوں کو امان کے بہانہ سے بلا کر قتل کر دیتے
ہیں اس لیے آپ نے کوفہ کے افسر فوج کو سخت خط لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض مسلمان
عجمی ذمیوں کو جو بھاگ کر پہاڑ پر پناہ لیتے ہیں 'مترس' (یعنی ڈرو مت چلے آؤ) کہہ کر اپنے

پاس بلا لیتے ہیں اور جب وہ آجاتے ہیں تو ان کو قتل کر دیتے ہیں، خدا کی قسم اگر آئندہ اس قسم کا کوئی واقعہ میرے علم میں آیا تو قتل کرنے والے کی گردن اڑا دوں گا۔ (۱)

اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھ بھیجا کہ اگر کوئی مسلمان ہنسی مذاق میں بھی کسی عجمی کو امان دیدے یا اس کا اشارہ کر دے یا ایسی زبان میں کوئی لفظ کہے جس کو عجمی نہ سمجھتا ہو لیکن اس کے یہاں امان کے ہم معنی ہو تو اس کو امان دے دینا چاہیے۔ (۲)

حضرت عمرؓ کو ذمیوں کے ساتھ معاہدہ کی پابندی میں جو اہتمام تھا اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

حضرت امیر معاویہؓ اور ذمیوں کے درمیان ایک معین مدت تک کے لیے معاہدہ تھا جب معاہدہ کی میعاد ختم ہونے کے قریب آئی تو حضرت امیر معاویہؓ نے آہستہ آہستہ رومیوں کی طرف پیش قدمی شروع کر دی کہ جیسے ہی معاہدہ کی مدت ختم ہو فوراً حملہ کر دیں اتنے میں ایک شخص گھوڑے یا خچر پر دوڑتا ہوا آیا، جو کہہ رہا تھا اللہ اکبر اللہ اکبر عہد کو پورا کرو، بد عہدی نہ کرو، دیکھا تو حضرت عمرو بن عبسہؓ صحابی تھے، امیر معاویہؓ نے ان سے پوچھا کیا واقعہ ہے؟ انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ جس شخص اور کسی جماعت میں معاہدہ ہو تو اس میں کوئی تغیر نہ کرے، جب تک مدت نہ پوری ہو جائے، یہ سن کر حضرت امیر معاویہؓ ٹوٹ گئے۔ (۳)

حالت جنگ کے احکام: تہذیب جدید کے اس دور میں جب کہ انسان دوستی کا بڑا دعویٰ ہے، مہذب سے مہذب قومیں اپنے دشمنوں پر ایسے وحشیانہ مظالم کرتی ہیں جو وحشی انسانوں کے تصور میں بھی نہ آئے ہوں گے، جنگ میں انسانی آبادیوں کو تاخت و تاراج کر ڈالتی ہیں ان پر بے دریغ بم برساتی ہیں جس سے عورتیں بچے سب ہلاک ہو جاتے ہیں لیکن اسلام نے ان وحشیانہ حرکتوں سے بالکل روک دیا اور عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے کی قطعی ممانعت کر دی۔

(۱) موطا امام مالک باب الوفاء بالامان (۲) طبری ج ۴ ص ۲۲۳ (۳) ترمذی و ابوداؤد

لَا تَقْتُلُوا شَيْخاً فَانِيّاً وَلَا طِفْلاً
وَلَا صَغِيْرًا وَلَا امْرَأَةً (۱)
بوڑھوں، بچوں، کم عمروں اور عورتوں کو
قتل نہ کرو۔

ایک مرتبہ ایک مقتول عورت کی لاش پر رسول اللہ ﷺ کی نظر پڑی تو آپؐ نے سخت ناپسندیدگی ظاہر فرمائی۔

دشمن کے گھروں اور ان کے فوجی ٹھکانوں کو لوٹنے سے منع کر دیا، انس جہنی روایت کرتے ہیں کہ ایک غزوہ میں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا کچھ لوگوں نے دشمن کے گھروں پر جا کر ان کو تنگ کیا اور لوٹ مار کی، آپؐ کو معلوم ہوا تو ایک آدمی بھیج کر منادی کرادی کہ جو شخص دوسروں کے گھروں پر جا کر ان کو تنگ اور لوٹ مار کرے گا اس کا جہاد مقبول نہیں۔ (۲)

ایک مرتبہ ایک غزوہ میں مسلمانوں کو کھانے پینے کی چیزوں کی سخت دشواری پیش آئی، ایک جگہ بکریوں کا گلہ ان کو نظر آیا تو اس کو لوٹ لیا اور ان کو ذبح کر کے گوشت پکانے کے لیے ہانڈیاں چڑھائیں، رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے سب ہانڈیاں الٹ دیں اور ان کا گوشت مٹی میں ملا کر فرمایا: لوٹ کا مال مردار کے برابر ہے۔ (۳)

آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی سرا کا خیال رکھا کہ نہ صرف غیر مصافی اور پر امن آبادی پر کسی قسم کی زیادتی نہ ہونے پائے بلکہ جانوروں اور کھیت باڑی وغیرہ کو بھی کوئی نقصان نہ پہونچنے پائے، چنانچہ جب شام پر فوج کشی کا ارادہ کیا تو فوجوں کو رخصت کرتے وقت سپہ سالار فوج کو ہدایت فرمائی۔ (۴)

انك تجدد قوماً زعموا انهم حبس
أنفسهم الله فذرهم وانی موصيك
تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے اپنے
آپؐ کو خدا کی عبادت کے لیے وقف

(۱) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین (۲) ایضاً باب ما یومر من الضمام العسکر

(۳) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی النہی عن النہب (۴) تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۹۶

بعشر خلال لا تقتلوا امرأة ولا صبياً
ولا كبيراً هرماء ولا تقطع شجراً
مثمراً ولا تخربن عامراً ولا تعقرن
شاة ولا بعيراً الا لماكلة ولا تفرقن
نخللاً ولا تحرقنه ولا تغلل ولا تجبن
کر دیا ہے ان کو چھوڑ دینا، میں تم کو دس
وصیتیں کرتا ہوں: کسی عورت بچے، اور
بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھل دار درخت کو نہ
کاٹنا، آبادیوں کو ویران نہ کرنا، بکری اور
اونٹ کو کھانے کے سوا بے کار ذبح نہ کرنا،
نخلستان کو نہ جلانا، مالی غنیمت میں
خیانت نہ کرنا اور نامردی نہ دکھانا۔

آج اس مہذب دور میں فوج کے لیے اس سے زیادہ اخلاقی درس اور کیا ہو سکتا
ہے، قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم خود قرآن مجید میں ہے۔

وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا
وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (دہر-۱)
یہ لوگ خدا کی محبت میں مسکینوں، یتیموں
اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔

قیدیوں کو کھانا کھلانے کی کئی آیات اوپر گزر چکی ہیں، اس لیے مسلمان قیدیوں کو
آرام سے رکھتے تھے، جنگ بدر کے قیدیوں کو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے حوالہ
کر دیا تھا اور تاکید فرمادی تھی کہ ان کو کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے پائے، اس کا نتیجہ یہ تھا
کہ صحابہؓ بخود بھوکے رہتے تھے مگر ان کو کھلا دیتے تھے۔

جنگ حنین میں چھ ہزار آدمی قید ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو
چھوڑ دیا اور پہننے کے لیے چھ ہزار کپڑے ان کو مرحمت فرمائے۔ (۱)

دشمنان اسلام کے ساتھ رسول اللہ کا سلوک: اسلام اور مسلمانوں کے سب سے
بڑے دشمن عرب کے مشرکین خصوصاً قریش تھے، انھوں نے اسلام کی بیخ کنی اور مسلمانوں
کی ایذا رسانی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا، یہاں تک کہ ان کو ترک وطن پر مجبور کر دیا اور وہ
مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے گئے، مگر کفار و مشرکین نے ان کو یہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دا اور
(۱) یہ دونوں واقعے ابن سعد میں ہیں۔

مسلل آٹھ سال تک ان سے لڑتے رہے لیکن آخر میں حق کو فتح ہوئی اور ۸ھ میں مشرکین کا مرکز مکہ فتح ہو گیا اور ان کے لیے کوئی جائے پناہ باقی نہ رہ گئی، اگر رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی دنیاوی فاتح ہوتا تو کوئی قریشی اور مشرک زندہ نہ بچنے پاتا مگر آپ کو دنیا کے سامنے عفو و کرم کا نمونہ پیش کرنا تھا اس لیے آپ نے معافی کا عام اعلان کر دیا، چند مشرکین کے سوا جنہوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا تھا، عام آبادی کے خون کا ایک قطرہ نہ گرنے پایا، فتح مکہ کے واقعات بہت طویل اس لیے ان سب کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں، صرف چند واقعات نقل کیے جاتے ہیں، جن سے جانی دشمنوں کے مقابلہ میں اسلام کے عفو و کرم کا اندازہ ہو سکے۔

مکہ میں داخلہ کے وقت قدرتا مسلمانوں میں بڑا جوش تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے نہایت سختی سے ممانعت فرمادی تھی۔

کان رسول اللہ ﷺ أمر امراہ أن لا یقتلوا الا من قاتلہم (۱)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے فوجی سرداروں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ ان لوگوں کے علاوہ جو خود جنگ کی ابتدا کریں کسی سے جنگ نہ کریں۔

مگر اس احتیاط کے باوجود چند مشرکین جنہوں نے خود حملہ کر دیا تھا مارے گئے، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے حضرت خالد بن ولیدؓ سے باز پرس کی، انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے خود حملہ کر دیا تھا، میں نے جہاں تک ممکن تھا بچانے کی کوشش کی تھی، یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا: خدا کا فیصلہ بہتر ہے، اس واقعہ کے سوا اور کوئی شخص نہیں مارا گیا۔ (۲)

مکہ فتح ہو جانے کے بعد مشرکین میں قدرتا اپنے انجام کے خیال سے خوف و ہراس پھیل گیا، ان کے سرخیل ابوسفیان جو مسلمانوں کی دشمنی میں سب سے آگے تھے، بہت گھبرائے ان میں اور حضرت عباسؓ میں پرانے تعلقات تھے، اس لیے وہ ان کو کسی طرح

(۱) فتح الباری ج ۸ ص ۹ (۲) ایضاً ص ۹

لوگوں کی نظر بچا کر عفو تقصیر کے لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے آئے، آپ نے نہ صرف اس سب سے بڑے دشمن اسلام کو معاف کر دیا بلکہ اعلان فرمایا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے یا اپنے گھر کے دروازے بند کر لے یا مسجد حرام میں چلا جائے وہ مامون ہے۔ (۱)

فتح مکہ اور حرم کو بتوں سے پاک کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک موثر خطبہ دیا جو خطبہ فتح کے نام سے موسوم ہے، ہم اس کو علامہ شبلیؒ کے قلم سے نقل کرتے ہیں۔ خطبہ کے بعد آپؐ نے مجمع کی طرف دیکھا تو جباران قریش سامنے تھے، ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں سب سے پیشرو تھے، وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ ﷺ پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں، وہ بھی تھے جن کے تیغ و سنان نے پیکر قدسی ﷺ کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں، وہ بھی تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت ﷺ کی ایڑیوں کو لہو لہان کر دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جن کی تشنہ غمی خون نبوت کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی، وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے ٹکراتا تھا، وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریت پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے۔

رحمت عالم ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا: ”تم کو کچھ معلوم ہے میں تم نے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟“ یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، بے رحم تھے، لیکن مزاج شناس تھے پکاراٹھے۔

آخ کریم ابن آخ کریم
تو شریف بھائی اور شریف برادر زادہ ہے
ارشاد ہوا۔

لَا تَشْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمْ
الطُّلُقَاءُ
تم پر آج کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب
آزاد ہو (۲)

(۱) فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۱ اوزاد المعاد ج ۲ ص ۲۲۳ (۲) سیرۃ النبیؐ ج ۱ طبع چہارم ص ۲۰-۵۱۹

کیا چشمِ عالم نے جان کے دشمنوں اور خون کے پیاسوں کے ساتھ عفو و درگزر اور رحم و کرم کا یہ پراثر منظر کبھی دیکھا ہے، مکہ کے کفار و مشرکین کے ساتھ آپ کے عفو و کرم اور مروت و اخلاق کے اتنے واقعات ہیں کہ ان کو نقل کرنا دشوار ہے، آپ نے کبھی کفار و مشرکین کو برا بھلا نہیں کہا، ہمیشہ ان کی ہدایت کی دعا کرتے رہے۔

اللَّهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کہ وہ

(حق و باطل کو) نہیں پہچان سکتے۔

ایک مرتبہ مشرکین کے مظالم سے تنگ آ کر صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے ان کے

لیے بددعا کی درخواست کی، آپؐ نے فرمایا:

إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لِعَانًا وَإِنَّمَا بُعِثْتُ

میں لعنت کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا

رَحْمَةً (مشکوٰۃ باب فی اخلاقہ و شمائلہ) ہوں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اس لیے غیر مسلموں کو برا نہ کہنا چاہیے بلکہ ان کے لیے ہدایت کی دعا کرنی

چاہیے۔

حدیث و سیرت کی کتابوں میں کفار و مشرکین و منافقین اور اسلام و مسلمانوں کے

دشمنوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے عفو و کرم کے بکثرت واقعات ہیں ان میں کچھ مثال کے طور پر نقل کیے جاتے ہیں۔

روسائے قریش میں صفوان بن امیہ اسلام اور مسلمانوں کے بڑے دشمن تھے،

جنگِ بدر میں ان کے والد مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے تھے، اس لیے انھوں نے ایک

دوسرے دشمن اسلام عمیر بن وہب کو انعام اور ان کے اہل و عیال کی خبر گیری کا لالچ دے کر

آنحضرت ﷺ کے قتل پر آمادہ کیا اور وہ آپ کے قتل کے لیے مدینہ پہنچے لیکن راز فاش

ہو گیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ (۱)

لیکن صفوان اپنی دشمنی پر برابر قائم رہے اور فتح مکہ کے بعد اپنے انجام کے خوف

(۱) طبقات ابن سعد تذکرہ عمیر بن وہب

سے جدہ بھاگ گئے، عمیرؓ سے ان کے تعلقات اب تک قائم تھے، اس لیے عمیرؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ صفوان مارے ڈر کے جدہ بھاگ گئے ہیں آپ نے فرمایا: ان کو امان ہے، عمیرؓ نے کہا اس کی کوئی نشانی مرحمت فرمائیں جس کو دیکھ کر صفوان کو یقین آ سکے، آپؐ نے ردائے مبارک مرحمت فرمائی، عمیرؓ اس کو لے کر صفوان کے پاس گئے اور ان کو دکھا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں واپس لائے، صفوان نے عرض کیا کہ عمیرؓ کا بیان ہے کہ آپؐ نے مجھ کو امان دی ہے، آپؐ نے فرمایا: انھوں نے سچ کہا، صفوان نے عرض کیا کہ پھر مجھے دو مہینہ کی مہلت مرحمت ہو، فرمایا: تم کو چار مہینے کی مہلت ہے (۱) اس کے بعد بھی صفوانؓ اپنے مذہب پر قائم رہے اور غزوہ طائف کے چند دنوں کے بعد مسلمان ہو گئے۔ (۲)

ایک شخص ہبار بن الاسود بھی دشمنان اسلام میں تھا، آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ جب ہجرت کر رہی تھیں تو کفار نے راستہ میں مزاحمت کی اور ہبار بن الاسود نے آنحضرت ﷺ کی دشمنی میں حضرت زینبؓ کو اونٹ سے گرا دیا جس سے ان کا حمل ساقط ہو گیا اور اس کے صدمہ سے کچھ دنوں علیل رہ کر حضرت زینبؓ کا انتقال ہو گیا، اس اعتبار سے وہ ان کا قاتل اور اشتہاری مجرم تھا، اس نے فتح مکہ کے بعد ایران بھاگ جانے کا قصد کیا پھر آنحضرت ﷺ کے عفو و کرم پر بھروسہ کر کے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور عرض کیا کہ میں ایران بھاگ جانا چاہتا تھا لیکن پھر مجھ کو آپؐ کے احسانات اور عفو و کرم یاد آئے، اس لیے نہیں گیا مجھ کو اپنی جہالت اور اپنے قصوروں کا اعتراف ہے، اب اسلام کے آستانہ پر سر جھکانے آیا ہوں، یہ سن کر آپؐ نے اس کو معاف کر دیا۔ (۳)

مسلمہ کذاب کا قبیلہ بنی حنیفہ آخر آخر تک اسلام کا باغی رہا، ثمامہ بن اثال اس کے روسا میں تھا، یہ اتفاق سے مسلمانوں کے ہاتھ پڑ گیا، اس کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کے

(۱) سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۴۷ و موطا امام مالک ص ۱۱۷ (۲) استیعاب ص ۳۵۲

(۳) اصابہ تذکرہ ہبار بن الاسود

پاس لے آئے، آپؐ نے اس کو مسجد نبویؐ میں باندھنے کا حکم دیا، جب آپؐ مسجد تشریف لائے تو ثمامہ سے پوچھا، اب کیا کہتے ہو؟ انھوں نے کہا: محمدؐ اگر تم مجھ کو قتل کر دو گے تو ایک خونی کو قتل کر دو گے اور اگر احسان کر دو گے تو ایک شکر گزار پر احسان ہو گا اور اگر فدیہ چاہتے ہو تو جو مانگو گے دوں گا، آنحضرت ﷺ سن کر خاموش ہو گئے، دوسرے دن پھر یہی سوال و جواب ہوا، تیسرے دن بھی جب ثمامہ نے آنحضرت ﷺ کے سوال کا یہی جواب دیا تو آپؐ نے ان کو ستون سے کھلوا کر آزاد کر دیا، اس عفو و درگزر کا ثمامہ پر یہ اثر ہوا کہ انھوں نے قریب ہی میں جا کر غسل کیا اور واپس آ کر مسلمان ہو گئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! پہلے میری نظر میں آپؐ سے زیادہ مبغوض کوئی شخص نہیں تھا اور اب دنیا میں آپؐ سے زیادہ محبوب کوئی شخص نہیں، آپؐ کے مذہب سے زیادہ میری آنکھوں میں کوئی برآمدہ نہ تھا اب وہی سب سے زیادہ محبوب ہے، کوئی شہر آپؐ کے شہر سے زیادہ ناپسندیدہ نہ تھا اب وہی سب سے زیادہ پسند ہے۔

قبول اسلام کے بعد ثمامہ عمرہ کے لیے مکہ چلے گئے، یہاں لوگوں نے ان کے قبول اسلام پر طنز کیا، ان کو بہت ناگوار ہوا، انھوں نے کہا: یا در کھو رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر گیہوں کا ایک دانہ بھی اب یمامہ سے نہیں آ سکتا (۱) (مکہ میں غلہ یمامہ سے آتا تھا) اور عمرہ پورا کرنے کے بعد یمامہ جا کر غلہ رکوا دیا، مکہ والوں کا دار و مدار یمامہ کے غلہ پر تھا اس لیے وہاں قحط پڑ گیا، اہل مکہ نے آنحضرت ﷺ سے فریاد کی۔

یہ وہی اہل مکہ تھے جنھوں نے اسلام کے جرم میں پورے خاندان بنی ہاشم کو شعب ابی طالب میں قید کر دیا تھا اور باہر سے غلہ کا ایک دانہ اندر نہ پہنچنے پاتا تھا، جب بچے بھوک سے ہلکے ہو جاتے تھے تو یہ سنگ دل ہنستے تھے مگر رحمت عالم نے ایسے سنگ دلوں سے بھی بدلہ نہیں لیا اور ثمامہ کے پاس کہلا کر غلہ کی بندش سے منع کر دیا اور وہ بدستور آنے لگا۔ (۲)

(۱) بخاری کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفہ و حدیث ثمامہ بن اثال (۲) سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۴۲۰

مسلمانوں کے لیے سب سے بڑے مارا آستیں منافق تھے جو اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے تھے، لیکن اندر اندر ان کے خلاف ہمیشہ تدبیریں کرتے رہتے تھے اور ان کی مخالفت کا کوئی موقع جانے نہ دیتے تھے، ایک مرتبہ ایک غزوہ میں ایک مہاجرین نے ایک انصاری کو تھپڑ مار دیا، انصاری نے انصار کی دہائی دی، مہانے بھی مہاجرین کی دہائی دی، قریب تھا کہ دونوں میں تلواریں نکل آئیں آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے دونوں کو روکا، اس واقعہ سے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو مہاجرین کے خلاف انصار کو بھڑکانے کا موقع مل گیا، اس نے کہا مدینہ چل کر ذلیل مسلمانوں کو نکال دوں گا اس کے ساتھیوں نے رائے دی کہ سب سے آسان صورت یہ ہے کہ تم لوگ مہاجرین کی امداد سے ہاتھ کھینچ لو، وہ خود تباہ ہو جائیں گے، کلام مجید کی آیات میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ہم الذین یقولون لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضہا (منافقین-۱)

یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو تا کہ وہ منتشر ہو جائیں۔

یَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِیْنَةِ لَنُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ (ایضاً)

کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ واپس جائیں گے تو معزز لوگ (انصار) ذلیل لوگوں (مہاجرین) کو نکال دیں گے۔

آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپؐ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا کہ تم نے ایسا کہا ہے، اس نے صاف انکار کر دیا، حضرت عمرؓ موجود تھے، بولے: یا رسول اللہ! اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں، آپؐ نے فرمایا: جانے دو، لوگ کہیں گے کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔ (۱)



بارہواں باب

غیر مسلم رعایا (ذمیوں) کے حقوق

غیر مسلموں کے حقوق کے سلسلہ میں ایک اہم بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ اسلام نے اپنی غیر مسلم رعایا یعنی ذمیوں کو کیا حقوق دیئے ہیں اور ان کو کہاں تک اس نے ادا کیا، درحقیقت یہی بحث اس مسئلہ میں فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو اسلام ذمیوں کے لیے سراسر رحمت ہے، اس نے ان کو جس قدر حقوق دیئے ہیں وہ ان کو خود اپنی قومی اور ہم مذہب حکومت میں بھی حاصل نہ تھے، اسلام سے پہلے دنیا میں جتنی حکومتیں تھیں ان میں ان کی ہم قوم محکوموں کے حقوق بھی نہ تھے، ان کی حیثیت غلاموں سے بدتر تھی ان کا کام اپنا خون پسینہ بہا کر حاکموں اور جاگیرداروں کے لیے سامان عیش فراہم کرنا تھا، ان کو ادنیٰ ادنیٰ قصور پر نہایت وحشیانہ سزائیں دی جاتی تھیں، اس کی تفصیل تاریخوں میں دیکھی جاسکتی ہے، ہندوستان میں اچھوتوں کا طبقہ اب تک اس کی یادگار باقی ہے، یہی حال ایران و روم کی مہذب دنیا کا تھا۔

غیر مسلم رعایا کے حقوق کی پہلی دستاویز: لیکن اسلام سارے طبقات انسانی کے لیے رحمت بن کر آیا تھا، اس نے غیر مسلم رعایا کو بھی اس سے محروم نہیں رکھا اور ان کو اتنے حقوق دیئے جس کی نظیر اس سے پہلے نہیں ملتی، آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں قریب قریب پورا

جزیرۃ العرب زیر نگین ہو چکا تھا، غیر مسلم رعایا کی حیثیت سے سب سے پہلا معاملہ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ پیش آیا، ان کو آپ نے جو حقوق دیئے وہ اب تک تاریخوں میں محفوظ ہیں، جن کو ہم بعینہ نقل کرتے ہیں۔

ولنجران و حاشیتها جوار اللہ و ذمة
محمد رسول اللہ علی أنفسهم
و ملتہم و أرضہم و أموالہم و غائبہم
و شاہدہم و غیرہم و بعثتہم
و أمثلتہم لا یغیر ما کانوا علیہ
ولا یغیر حق من حقوقہم و أمثلتہم
ولا یفتن أسقف من أسقفہ
ولا راہب من رہبانیتہ ولا راقہ من
رقاہیتہ علی ما تحت أیدیہم من
قلیل او کثیر و لیس علیہم رھق ولا
دم جاہلیۃ ولا یحشرون ولا
یعشرون ولا یطاء أرضہم جیش
من سأل منہم حقاً فبینہم النصف
غیر ظالمین ولا مظلومین بنجران
ومن أکل منہم ربا من ذی قبل
فدنتی منہ بریۃ ولا یؤخذ منہم
رجل بظلم آخر ولہم علی ما فی
ہذہ الصحیفۃ جوار اللہ و ذمة
محمد النبی أبداً حتی یاتی امر اللہ

نجران اور اس کے اطراف کے باشندوں
کی جانیں، ان کا مذہب، ان کی زمینیں،
ان کا مال، ان کے حاضر و غائب، ان
کے قافلے، ان کے قاصد، ان کی مورتیں
اللہ کی امان اور اس کے رسول کی ضمانت
میں ہیں، ان کی موجودہ حالت میں کوئی
تغیر نہ کیا جائے گا اور نہ ان کے حقوق
میں سے کسی حق میں دست اندازی کی
جائے گی اور نہ مورتیں بگاڑی جائیں گی،
کوئی اسقف اپنی اسقفیت سے، کوئی
راہب اپنی رہبانیت سے، کنیسہ کا کوئی
منتظم اپنے عہدہ سے نہ ہٹایا جائے گا اور
جو بھی کم یا زیادہ ان کے قبضہ میں ہے،
اسی طرح رہے گا، ان کے زمانہ جاہلیت
کے کسی جرم یا خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا نہ
ان سے فوجی خدمت لی جائے گی اور نہ
ان پر عثر لگایا جائے گا اور نہ اسلامی فوج
ان کی سرزمین کو پامال کرے گی، ان میں
سے جو شخص اپنے کسی حق کا مطالبہ کرے

ما نصحو واصطحو افيما عليهم
غير مكلفين شيئاً بظلم (۱)

گا تو اس کے ساتھ انصاف کیا جائے گا نہ
ان کو ظلم کرنے دیا جائے گا اور نہ ان پر ظلم
ہوگا، ان میں سے جو شخص سود کھائے گا وہ
میری ضمانت سے بری ہے، اس صحیفہ میں
جو لکھا گیا ہے اس کے ایفا کے بارہ میں
اللہ کی امان اور محمد النبی کی ذمہ داری ہے،
یہاں تک کہ اس بارہ میں خدا کا کوئی
دوسرا حکم نازل نہ ہو، جب تک وہ لوگ
مسلمانوں کے خیر خواہ رہیں گے، ان
کے ساتھ جو شرائط کیے گئے ہیں ان کی
پابندی کریں گے، ان کو ظلم سے کسی بات
پر مجبور نہ کیا جائے گا۔

اس معاہدہ سے حسب ذیل حقوق متعین ہوتے ہیں۔

۱- ان کی جان محفوظ رہے گی۔

۲- ان کی زمین، جائداد اور مال وغیرہ ان کے قبضہ میں رہے گا۔

۳- ان کے کسی مذہبی نظام میں تبدیلی نہ کی جائے گی، مذہبی عہدیدار اپنے اپنے

عہدہ پر برقرار رہیں گے۔

۴- صلیبوں اور مورتوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔

۵- ان کی کسی چیز پر قبضہ نہ کیا جائے گا۔

۶- ان سے فوجی خدمت نہ لی جائے گی۔

۷- اور نہ پیداوار کا عشر لیا جائے گا۔

(۱) فتوح البلدان بلاذری ص ۷۲ مطبوعہ مصر و کتاب الخراج امام ابو یوسف

۸- ان کے ملک میں فوج نہ بھیجی جائے گی۔

۹- ان کے معاملات و مقدمات میں پورا انصاف کیا جائے گا۔

۱۰- ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے گا۔

۱۱- سود خواری کی اجازت نہ ہوگی۔

۱۲- کوئی ناکردہ گناہ کسی مجرم کے بدلہ میں نہ پکڑا جائے گا۔

۱۳- اور نہ کوئی ظالمانہ زحمت دی جائے گی۔

اس زمانہ کی مہذب حکومتیں اس سے زیادہ حقوق اور کیادیتی ہیں، ان میں وہ ساری چیزیں آگئی ہیں جو ایک محکوم کے حقوق کے تحفظ اور اس کی باعزت زندگی کے لیے ضروری ہیں، اس سے زیادہ حقوق خود اپنی حکومت بھی نہیں دے سکتی، اس نام نہاد جمہوریت اور آزادی و مساوات کے دور میں غیر مذہب اور غیر قوم کے محکوموں کو جو حقوق حاصل ہیں ان پر یورپ کی محکوم قوموں کی تاریخ خود شاہد ہے۔

اسلام نے جزیرۃ العرب کے باہر عہد صدیقی میں قدم نکالا مگر سب سے زیادہ فتوحات عہد فاروقی میں ہوئی، بہت سی قومیں اسلامی حکومت کے زیر نگیں ہوئیں، اسی زمانہ میں اسلامی حکومت کا پورا نظام قائم ہوا، اس لیے ذمیوں کے ساتھ طرز عمل کے جانچ کا اصلی معیار انہی کا زمانہ ہے، حضرت عمرؓ نے ذمیوں کو جو حقوق دیئے اور محکوم قوموں سے جو معاہدے کیے وہ اب تک تاریخوں میں محفوظ ہیں، ان سب کا نقل کرنا دشوار ہے، اس لیے صرف چند معاہدے نمونہ کے طور پر نقل کیے جاتے ہیں جن سے مفتوح اور محکوم قوموں کے حقوق کا اندازہ ہوگا۔

بیت المقدس کا معاہدہ: عہد فاروقی کی فتوحات میں سب سے اہم فتح بیت المقدس کی ہے، کیوں کہ وہ انبیاء و رسل کا مدفن اور یہودیوں اور عیسائیوں کا قبلہ اور مسلمانوں کا قبلہ اول اور ان کے عقیدے میں بھی محترم ہے، عیسائی مسلمانوں کے حریف تھے، ان حریفوں کو حضرت عمرؓ نے جو حقوق دیئے وہ یہ ہیں۔

هذا ما أعطى عبد الله عمر أمير
المومنین أهد ایلیا من الأمان
أعطاهم أمانا لأنفسهم وأموالهم
ولكنائسهم وصلبانهم وسقیمها
وبرئیها وسائر ملتها انه لا تسكن
كنائسهم ولا تهدم ولا ينتقض منها
ولا من حیزها ولا من صلیبهم ولا
من شیء من أموالهم ولا یكروهون
علی دینهم ولا یضار أحد منهم
ولا یسكن بایلیا معهم من الیهود
وعلی أهل ایلیا ان یعطوا الجزیة
كما یعطی أهل المدائن وعلیهم ان
یخرجوا منها الروم واللصوت فمن
خرج منهم فانه آمن علی نفسه
وماله حتی یبلغوا مامنهم ومن أقام
منهم فهو آمن وعلیه مثل ما علی
أهل ایلیا من الجزیة ومن أحب من
أهل ایلیا أن یرسل بنفسه وماله مع
الروم ویخلى بیعهم وصلبهم فانهم
آمنون علی أنفسهم وعلی بیعهم
وصلبهم حتی یبلغوا مامنهم، وعلی
ما فی هذا الكتاب عهد الله و

یہ وہ امان ہے جو خدا کے بندے امیر
المومنین حضرت عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو
دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا،
صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام
اہل مذہب کے لیے ہے، ان کے گرجوں
میں نہ سکونت اختیار کی جائے گی، نہ وہ
گرائے جائیں گے اور نہ ان کو اور ان
کے احاطوں کو نقصان پہنچایا جائے گا، ان
کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کچھ
کمی نہ کی جائے گی، نہ مذہب کے معاملہ
میں ان پر جبر کیا جائے گا، نہ ان میں سے
کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا، ایلیا میں
ان کے ساتھ کوئی یہودی نہ رہے گا،
ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ وہ دوسرے
شہر والوں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں
کو اپنے یہاں سے نکال دیں، یونانیوں
میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان و
مال محفوظ رہے گی، جب تک وہ اپنی
جائے پناہ پر نہ پہنچ جائے اور جو ایلیا ہی
میں رہنا چاہے اس کو بھی امن ہے، اس کو
جزیہ دینا ہوگا اور ایلیا والوں میں سے جو
شخص اپنی جان مال لے کر یونانیوں کے

ذمة رسولہ وذمة الخلفاء وذمة
المومنین اذا اعطوا الذی علیہم من
الجزية (۱)

ساتھ جانا چاہے تو وہ ان کے گرجے اور
صلیب بھی مامون ہیں یہاں تک کہ وہ
اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں جو کچھ اس
تحریر میں ہے اس پر خدا، اس کے رسول،
خلفاء اور عام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے،
بشرطیکہ یہ لوگ مقررہ جزیہ ادا کرتے رہیں

محکوم قوموں کے حقوق آج بھی جان، مال اور مذہب کے تحفظ سے متعلق ہیں،
مذکورہ بالا معاہدہ میں ان سب کے تحفظ کی پوری ضمانت ہے، صرف یہودیوں کو اس بنا پر
رہنے کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں کے دشمن تھے، جہاں رہتے
تھے ان کے خلاف سازش کرتے رہتے تھے، اس کے علاوہ عیسائیوں کے عقیدے میں انہی
نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دلوائی تھی، اس لیے وہ یہودیوں سے سخت نفرت کرتے اور
ایک جگہ ان دونوں کا اجتماع دشوار تھا، یونانی مسلمانوں کے اصل جنگی حریف تھے، ان ہی
سے ان کا مقابلہ تھا اس لیے بیت المقدس میں ان کا قیام بھی خطرہ سے خالی نہ تھا، تاہم ان
میں سے جو رہنا چاہے اس کی جان و مال کو بھی امان دی گئی۔

بیت المقدس کے علاوہ جو جو قومیں اور ملک مفتوح ہوئے، ان سب کو جان و مال
اور مذہب کی حفاظت کی پوری ضمانت دی گئی، جن معاہدوں کا ذکر تاریخوں میں ہے، ان
میں ان کے تحفظ کی پوری ضمانت موجود ہے، جرجان کے معاہدہ میں ہے۔

لہم الأمان علی أنفسہم وأموالہم
ومللہم وشرائعہم لا یغیر من شیء
فی ذلک (۲)

ان کی جان، مال اور مذہب و شریعت
کے لیے امان ہے، ان میں سے کسی چیز
میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا۔

(۱) یہ پورا معاہدہ طبری ج ۵ ص ۲۳۰۵ اور ۲۳۰۶ میں مذکور ہے، اس کے مختلف ٹکڑے کتاب
الخراج میں بھی ملتے ہیں۔ (۲) طبری ج ۵ ص ۲۶۸۵

آؤر بیجان کے معاہدہ کے بھی قریب قریب یہی الفاظ ہیں۔

الأمان على أنفسهم ومللهم
وشرائعهم (۱)
ان کی جان، ان کے مال، ان کے
مذہب و شریعت کے لیے امان ہے۔

ماہ وینار کے معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں۔

لا یغیرون عن ملة ولا یحال بینهم
وبین شرائعهم (۲)
ان کا مذہب نہ بدلا جائے گا اور نہ ان
کے مذہبی امور میں کوئی مداخلت کی
جائے گی۔

قومس کے معاہدہ میں ہے۔

الأمان على أنفسهم ومللهم
وأموالهم (۳)
ان کی جان، ان کے مذہب اور ان کے
مال کے لیے امان ہے۔

یہ چند معاہدے مثال کے طور پر لکھ دئے گئے ہیں، تقریباً تمام مفتوحہ قوموں کے
معاہدوں میں جان و مال اور مذہب کے تحفظ کی پوری تصریح ہے۔

معاہدوں کی پابندی کے تاکیدی احکام: حضرت عمرؓ کو ان معاہدوں کی پابندی اور ذمیوں
کے حقوق کے تحفظ میں اتنا اہتمام تھا کہ وہ وقتاً فوقتاً فوجی افسروں اور صوبوں کے گورنروں
کو اس کے بارے میں تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے، حضرت ابو عبیدہؓ فاتح شام لکھا۔

وامنع المسلمین من ظلمهم
والاضرار بهم وأكل أموالهم الا
بحلها ووف لهم بشرطهم الذی
شرطت لهم فی جمیع ما أعطیتهم
(۴)
مسلمانوں کو روکو کہ ذمیوں پر ظلم نہ کرنے
پائیں، نہ ان کو کوئی نقصان پہونچائیں،
نہ ناجائز طور پر ان کا مال کھائیں، ان سے
جو شرطیں کی گئی ہیں اور ان سے جو وعدے
کیے گئے ہیں ان کو پورا کیا جائے۔

(۱) طبری جلد ۵ ص ۲۶۶۲ (۲) ایضاً ص ۲۶۳۳ (۳) ایضاً ص ۲۶۵۷

(۴) کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۸۲ مطبوعہ مصر

ایک مرتبہ آپ کو معلوم ہوا کہ ابوزہرہ کے ذمی اپنا گھریا رچھوڑ کر بھاگ رہے ہیں تو آپ نے اس کی تحقیقات کے لیے بصرہ سے دس سچے اور نیک سیرت مسلمانوں کو طلب کیا، ان میں سے ایک احنف بن قیس بھی تھے، ان سے پوچھا کہ ذمی مسلمانوں کے ظلم کی وجہ سے بھاگ رہے ہیں یا اور کسی سبب سے، انھوں نے کہا کہ ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوا، وہ خود بلا کسی سبب کے بھاگ رہے ہیں، ان کے ساتھ آپ کی مرضی کے مطابق سلوک ہوتا ہے۔ مگر اس بیان سے آپ کی تشفی نہیں ہوئی تو عتبہ بن غزوہ ان والی بصرہ کو لکھ بھیجا کہ لوگوں کو ذمیوں کے ساتھ ظلم و زیادتی سے روکو اور اس سے ڈرو اور محتاط رہو، ایسا نہ ہو کہ تمھاری بد عہدی یا ظلم کی وجہ سے حکومت تم سے چھین لی جائے، خدا نے تم کو (عدل و سچائی) کے وعدہ پر حکومت عطا کی ہے، اس لیے اس عہد کو پورا کرو اور اس کے حکم اور مرضی پر عمل کرو، اس وقت خدا تمھاری مدد کرے گا۔ (۱)

ذمیوں کی جان کی حفاظت: اسلام نے ذمیوں کی جان مسلمانوں کی جان کے برابر قرار دی، اس زمانہ میں یہ عام دستور تھا کہ قاتل کو مقتول کے قصاص میں قتل کر دیا جاتا یا اگر مقتول کے ورثہ راضی ہو جاتے تو قصاص لینے کے بجائے ان کو خونبھا دے دیا جاتا تھا، یہی دستور ذمیوں کے معاملہ میں عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں رہا، چنانچہ قصاص و خونبھا دونوں کے واقعات ملتے ہیں، بیہقی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک مسلمان نے ایک ذمی اہل کتاب کو قتل کر دیا، رسول اللہ ﷺ کے سامنے معاملہ پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ پر ذمی کے عہد کو پورا کرنے کی زیادہ ذمہ داری ہے اور مسلمان کو قصاص میں قتل کر دیا (۲) اسی کے ساتھ بعض روایتیں خونبھا کی بھی ہیں۔

عہد فاروقی میں ایک مرتبہ شام میں ایک ذمی کو ایک مسلمان نے قتل کر دیا، اتفاق سے اس وقت حضرت عمرؓ شام ہی میں تھے، آپ کو معلوم ہوا تو بڑی برہمی ظاہر کی اور فرمایا: تم لوگ ذمی کی جان لیتے ہو، میں قاتل کو مقتول کے قصاص میں ضرور قتل کروں گا لیکن پھر

(۱) طبری ج ۴ ص ۲۵۴۴ (۲) سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۰ و ۳۱

حضرت ابو عبیدہؓ کی سفارش پر مقتول کے ورثہ کو ایک ہزار دینار سرخ معاوضہ دلویا اور قاتل کو سخت تنبیہ کی۔ (۱)

قبیلہ بکر میں وائل کے ایک مسلمان نے حیرہ کے ایک ذمی کو قتل کر دیا، حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ قاتل مقتول کے ورثہ کے حوالے کر دیا جائے، اگر وہ چاہیں تو معاف کر دیں چاہیں قتل کر دیں، چنانچہ قاتل ورثہ کے حوالہ کر دیا گیا، انھوں نے قتل کر دیا۔ (۲)

اسی طریقہ سے شام کے ایک ذمی کو ایک مسلمان نے قتل کر دیا، حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجا، آپ نے حکم دیا کہ اگر قاتل عادی مجرم ہے تو اس کو قتل کر دو اور اگر جوش غضب میں قتل کر دیا ہے تو مقتول کے ورثہ کو چار ہزار دینار دلا دو۔ (۳)

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ایک مسلمان ابن شاس نے شام کے ایک قبضی کو قتل کر دیا، حضرت عثمانؓ کے سامنے معاملہ پیش ہوا تو آپ نے قاتل کو قتل کرنے کا حکم دیا، لیکن پھر حضرت زبیرؓ بن عوام اور بعض دوسرے صحابہؓ کی سفارش پر قصاص معاف کر دیا اور مقتول کے ورثہ کو مسلمان کی دیت کے برابر ایک ہزار دینار دیت دلوائی۔ (۴)

خلفائے راشدین بلکہ صحابہؓ کی پوری جماعت میں سب سے زیادہ قانون اسلامی کے ماہر اور صحیح فیصلہ کرنے والے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے، آپ کو زبان نبوت سے ”اقضائے علی“ کی سند ملی تھی، اس بارہ میں آپ کا فیصلہ یہ ہے۔

ایک مرتبہ آپ کے سامنے ایک ذمی کے قتل کا جس کو ایک مسلمان نے قتل کر دیا تھا مقدمہ پیش ہوا، شہادت سے جرم ثابت ہو گیا آپ نے قاتل کو قتل کرنے کا حکم دے دیا، اس فیصلہ کے بعد مقتول کے بھائی نے آکر آپ سے کہا کہ میں نے قاتل کو معاف کر دیا، آپ نے فرمایا: معلوم ہوتا ہے تم کو لوگوں نے ڈرایا دھمکایا ہے، اس نے کہا نہیں، قاتل کو قتل کر دینے سے میرا بھائی تو مجھ کو واپس ملے گا نہیں، ان لوگوں نے معاوضہ دے کر مجھ کو راضی کر لیا ہے، آپ نے فرمایا۔

(۱) سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۲ (۲) ایضاً (۳) ایضاً (۴) سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۳

أنت أعلم من كان له ذمتنا فدمه
کدمننا و دیتہ کدیتنا (۱)
تم جانو تمہارا کام جانے، جس (یعنی
ذمی) کی ذمہ داری ہم پر ہے اس کا خون
ہمارے خون کے برابر اور اس کی دیت
ہماری دیت کے برابر ہے۔

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کا شمار خلفائے راشدین میں ہوتا ہے، آپ کے زمانہ
میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تو آپ نے مسلمان کو ذمی کے ورثہ کے حوالہ کر دیا
کہ وہ چاہیں معاف کر دیں، چاہیں قصاص میں قتل کر دیں، انھوں نے قتل کر دیا۔ (۲)
یہ روایات اس کا ثبوت ہیں کہ اسلامی قانون میں ذمی کے قتل کے قصاص میں
مسلمان کو قتل کیا جائے گا یا کم سے کم مقتول کے ورثہ کو مسلمان کے خونبہا کے برابر خونبہا
دلایا جائے گا، دارقطنی میں تصریح ہے کہ

ان أبابكر وعمر كانا يجعلان دية
اليهودي والنصراني اذا كانا
معاهدين دية الحر المسلم (۳)
حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ ذمی، یہودی اور
عیسائی کی دیت آزاد مسلمان کی دیت
کے برابر قرار دیتے تھے۔

مال کی حفاظت: ذمیوں کے مال و متاع اور املاک کی حفاظت میں بھی یہی عدل و اہتمام
تھا، اس میں کسی مسلمان کو تصرف کا حق نہ تھا، حضرت عمرؓ خصوصاً کے عمال اور افسران فوج کو
برابر اس کی تاکید کرتے رہتے تھے، جس کی تفصیل آئندہ آئے گی، عہد فاروقی میں جو ملک فتح
ہوئے وہ سب زراعتی تھے، وہ زمانہ ہی زراعت کا تھا، اس لیے مفتوحہ قوموں کی سب سے
بڑی املاک جس پر ان کی زندگی کا دار و مدار تھا آراضی تھیں، اس زمانہ میں زمین حکومت اور
جاگیرداروں کی ملک ہوتی تھی، کاشتکاروں کو صرف زراعت کا حق تھا، جس کی پیداوار کا
بڑا حصہ حکومت اور جاگیردار لے لیتے تھے، کاشتکاروں کو برائے نام ملتا تھا، ایران، عراق اور
مصر و شام سب میں جاگیردارانہ سسٹم رائج تھا، تمام مفتوحہ زمینیں افسران فوج اور جاگیرداروں

(۱) سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۴ (۲) نصب الراية ج ۴ ص ۳۳۷ (۳) دارقطنی کتاب الحدود ص ۳۴۳

میں تقسیم کردی جاتی تھیں۔

حضرت عمرؓ نے مفتوحہ ملکوں میں جو نظام اراضی قائم کیا، اس میں صرف عراق اور مصر و شام کے بندوبست کا ذکر تاریخوں میں ملتا ہے، اس سے دوسرے ملکوں کا قیاس کیا جاسکتا ہے۔

سب سے پہلے عراق فتح ہوا تھا، اس زمانہ کے دستور کے مطابق بڑے بڑے صحابہ کی رائے تھی، اس کی اراضی مجاہدین میں تقسیم کردی جائے لیکن حضرت عمرؓ کا اصرار تھا کہ زمینداروں اور کاشتکاروں کے قبضہ میں رہنے دی جائے تاکہ آئندہ نسلیں بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں، کئی دن کی بحث و مباحثہ کے بعد صحابہ کو حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا، اس کی تفصیل کتاب الخراج میں مذکور ہے۔

چنانچہ عراق کی کل اراضی زمینداروں اور کاشتکاروں کے قبضہ میں رہنے دی گئی، ان کو اس پر مالکانہ حقوق دے دئے گئے، وہ اس کو رہن و بیع بھی کر سکتے تھے، کتاب الخراج میں تصریح ہے۔

”وہی ملک لہم یتوارثونہا و یتباعوا“ (۱)

البتہ نظام اراضی کی اصلاح کے لیے نیا بندوبست کرایا اور صلاح و مشورہ میں عراق کے زمینداروں کو بھی شامل کیا، مال گزاری اور لگان کی تشخیص میں اتنی نرمی برتی گئی کہ اراضی پر جس قدر لگان اور مال گزاری لگائی گئی، اس کی دونی رقم کاشتکاروں اور زمینداروں کے لیے چھوڑ دی گئی، حضرت عمرؓ نے خود افسران بندوبست کو بلا کر تحقیقات کی کہ مال گزاری کی تشخیص میں سختی تو نہیں کی گئی، انھوں نے اطمینان دلایا کہ جس قدر تشخیص کی گئی ہے اتنی ہی کی اور گنجائش ہے (۲) اس پر بھی ان کو اطمینان نہیں ہوتا تھا، چنانچہ جب عراق کا خراج آتا تو کوفہ اور بصرہ کے دس معتبر اور ثقہ لوگوں کو بلا کر ان کو قسم دے کر پوچھتے تھے کہ خراج کی وصولی میں سختی تو نہیں برتی گئی۔ (۳)

(۱) کتاب الخراج (۲) ایضاً ص ۲۱ (۳) ایضاً ص ۶۵

مصر کی اراضی بھی کاشتکاروں کے قبضہ میں رہنے دی گئی اور اس کا جو نظام رومیوں کے زمانہ سے چلا آتا تھا، اس کو قائم رکھا گیا، صرف اس کی خرابیوں کی اصلاح کر دی گئی، مصر کی پیداوار کا دار و مدار نیل کی طغیانی پر ہے، جو ہمیشہ یکساں نہیں ہوتی، اس میں کمی بیشی کے لحاظ سے پیداوار میں بھی کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے، اس لیے یہاں کوئی متعین شرح تشخیص نہیں کی جاسکتی تھی، ہر سال یا ہر فصل پر پرگنوں اور ضلعوں کے کاشتکاروں اور زمینداروں کے مشورے سے پیداوار کا تخمینہ لگا کر خراج تشخیص کیا جاتا تھا اور پیداوار کے لحاظ سے اس کو مواضعات پر تقسیم کر دیا جاتا تھا، اس کی پوری تفصیل مقریزی نے لکھی ہے (۱) اگرچہ اس میں بڑا طول عمل تھا، لیکن اس کو کاشتکاروں اور زمینداروں پر زیادتی کے خوف سے گوارا کر لیا گیا تھا۔

زمینوں پر کاشتکاروں کو کامل مالکانہ حقوق حاصل تھے، حکومت کو بھی معاوضہ دیئے بغیر ان کو لینے کا اختیار نہ تھا۔

ولیس له أن يأخذ بعد ذلك منهم
وہی ملک لهم يتوارثونها ويتباعوا
(۲)

یعنی امام وقت کو بھی زمین لینے کا اختیار نہیں ہے، وہ کاشتکاروں کی ملک ہے جو ان میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی رہے گی اور وہ اس کی خرید و فروخت بھی کر سکتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے عربوں کے وظیفے مقرر کر دیئے تھے اور یہ قانون بنادیا تھا کہ کوئی عرب زراعت نہیں کر سکتا، گویہ قانون فوجی مصالحوں کی بنا پر بنایا گیا تھا مگر اس سے ذمیوں کو بڑا فائدہ ہوا اور ان کی زمینیں محفوظ ہو گئیں، ایک مرتبہ مصر کے ایک عرب شریف غطفی نے اس قانون کی خلاف ورزی کی، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو سخت باز پرس کی اور فرمایا: میں تجھ کو ایسی سزا دوں گا جس سے دوسروں کو عبرت ہو۔ (۳)

اسی طرح امام لیث بن سعد نے ایک مرتبہ مصر میں تھوڑی سی زمین خریدی تو اس

(۱) مقریزی ج ۱ ص ۷۷ (۲) کتاب الخراج (۳) حسن المحاضرہ سیوطی ص ۹۳

پروہاں کے بڑے بڑے علمائے سخت اعتراض کیا۔ (۱)

ایک مرتبہ ایک شخص نے دجلہ کے کنارے گھوڑوں کے پالنے کے لیے حضرت عمرؓ سے ایک زمین کی درخواست کی، آپ نے بصرہ کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ اگر وہ زمین ذمیوں کی ملک نہ ہو اور اس میں ان کی نہر اور کنوئیں سے پانی نہ آتا ہو تو سائل کو دے دی جائے۔ (۲)

اگر کسی سرکاری ضرورت سے زمین لی جاتی تھی تو اس کا باضابطہ معاوضہ ادا کیا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب کوفہ آباد ہوا تو ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی گئی، اس کی عمارت میں حیرہ کے پرانے شکستہ محلات کا ملبہ استعمال کیا گیا گو ان محلات کا کوئی وارث نہ تھا لیکن زمین ذمیوں کی تھی اس لیے ان کو اس کی قیمت جزیہ میں مجرا دی گئی۔ (۳)

عباسی خلیفہ منصور نے جب بغداد آباد کیا تو باوریا، قطر بل اور نہر بوق وغیرہ مواضع کی زمینیں بھی اس میں آگئیں، منصور نے ان کے مالکوں کو ان کا پورا معاوضہ دیا۔ (۴)

حضرت عمرؓ کو ذمیوں کے جان و مال کے تحفظ میں اتنا اہتمام تھا کہ وقتاً فوقتاً اس کے بارہ میں عاملوں کو ہدایتیں بھیجا کرتے تھے، چنانچہ ابن عبد ربہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کے نام حضرت عمرؓ کا ایک طویل فرمان نقل کیا ہے، جس میں ان میں ان کو مفصل ہدایات دی ہیں، اس میں ذمیوں کے بارہ میں یہ ہدایات ہیں۔

فوج کا پڑاؤ ذمیوں کی آبادی سے دور رکھا کرو، ان کی آبادی میں انہی لوگوں کو جانے کی اجازت دو جن کی دیانت و امانت پر تم کو پورا بھروسہ ہو اور جو ان کے ساتھ برا سلوک نہ کریں، کیوں کہ تم پر ان کے جان و مال کے احترام اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری

(۱) مقریزی ج ۱ ص ۲۹۵ (۲) فتوح البلدان بلاذری ص ۳۵۹ (۳) ایضاً ص ۲۹۳

(۴) ایضاً ص ۳۰۳

ہے، جن کو پورا کرنا تمھاری آزمائش ہے، جس طرح ان پر ان کے عہد کی پابندی کی ذمہ داری اور اس کی آزمائش ہے، جب تک وہ اس ذمہ داری کو پورا کرتے ہیں تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک رکھو اور جن لوگوں نے تم سے صلح کر لی ہے، ان پر ظلم کر کے دشمن پر فتح حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو۔ (۱)

حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ فاتح شام کو لکھا۔

وامنع المسلمین من ظلمهم
والاضرار بهم وأكل أموالهم الا
كلها ووف لهم بشرطهم الذی
شرطت لهم فی جمیع ما أعطیتهم
مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے سے
روکونہ ان کو نقصان پہنچانے پائیں اور نہ
ان کا مال ناجائز طور پر کھانے پائیں اور
جو شرطیں تم نے ان سے کی ہیں سب کو
پورا کرو۔ (۲)

ایک مرتبہ شام کے ایک کاشتکار نے شکایت کی کہ فوجوں نے اس کی کھیتی کو پامال کر دیا ہے، حضرت عمرؓ نے اس کو بیت المال سے دس ہزار معاوضہ دلوایا۔ (۳)

جزیہ کی وصولی میں سختی پسند نہ کرتے تھے، شام کی واپسی میں ایک جگہ دیکھا کہ کچھ لوگ دھوپ میں کھڑے ہیں اور ان کے سر پر تیل ڈالا جا رہا ہے، اس کی وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ ناداری کی وجہ سے جزیہ نہیں ادا کر سکتے، فرمایا: اس کو چھوڑ دو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دیا کرو، جو لوگ دنیا میں لوگوں کو تکلیف دیتے ہیں خدا قیامت میں ان کو عذاب دے گا۔ (۴)

صحابہ کرامؓ بھی ایسے واقعات پر سخت ناگواری ظاہر کرتے تھے، حضرت ہشام بن حکمؓ نے ایک مرتبہ حمص میں دیکھا کہ کچھ لوگ دھوپ میں کھڑے کیے گئے ہیں، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جزیہ وصولی کے لیے سزا دی جا رہی ہے، فرمایا یہ بڑا ظلم ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ

(۱) عقد الفرید ج ۱ ص ۳۶ (۲) کتاب الخراج ص ۸۲ (۳) ایضاً ص ۶۸

(۴) ایضاً ص ۷۱

سے سنا ہے کہ خدا ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔ (۱)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے یہودی کو ایک شخص کے دروازے پر بھیک مانگتے دیکھا، پوچھا بھیک کیوں مانگ رہے ہو، اس نے کہا کہ جزیہ ادا کرنے اور اپنی ضرورت کے لیے، حضرت عمرؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور اپنے پاس سے اس کی امداد کی اور بیت المال کے مہتمم کو لکھ بھیجا کہ ایسے نادار ذمیوں کو نگاہ میں رکھو، خدا کی قسم یہ انصاف نہیں ہے کہ ان کی جوانی سے تو ہم فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں چھوڑ دیں، صدقات فقرا و مساکین کا حق ہیں، فقرا سے مراد مسلمان ہیں اور یہ اہل کتاب مساکین ہیں، ان سب کا جزیہ آئندہ معاف کر دیا جائے۔ (۲)

آپؐ کو ذمیوں کے حقوق کا اتنا خیال تھا کہ وفات کے قریب آئندہ ہونے والے خلیفہ کے لیے جو وصیت نامہ لکھا تھا، اس میں ذمیوں کے بارہ میں یہ ہدایت تھی۔

وَأوصيه بذمة الله وذمة رسوله أن
يوفي لهم بعهدهم وأن يقاتل من
ورائهم وأن لا يكلفوا فوق طاقتهم
(۳)

میں ان کے بارہ میں وصیت کرتا ہوں
جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے
(ذمی) کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے اس
کو پورا کیا جائے، ان کی حمایت میں
لڑا جائے، ان کی طاقت سے زیادہ ان کو
تکلیف نہ دی جائے۔

اس حسن سلوک کی وجہ سے ذمی ان کے بڑے وفادار اور معاون و مددگار بن گئے
تھے، کتاب الخراج میں ہے۔

فلما رأى أهل الذمة وفاء المسلمين
لهم وحسن السيرة فيهم صاروا
أشداء على عدو المسلمين وعونا

ذمی مسلمانوں کے عہد کی پابندی اور حسن
سلوک کو دیکھ کر مسلمانوں کے دشمنوں
کے سخت دشمن اور ان کے مقابلہ میں

(۱) ابوداؤد کتاب الخراج باب التشديد في الجزية (۲) ایضاً ص ۷۴ (۳) بخاری جلد اول

لہم للمسلمین علی أعدائہم (۱) مسلمانوں کے معاون و مددگار بن گئے۔

اموی حکومت کے زمانہ میں جب اسلامی قوانین کی پوری پابندی نہ رہ گئی تھی اور وہ اپنے مصالح کے مقابلہ میں مسلمانوں کے حقوق کا بھی لحاظ نہیں کرتی تھی ذمیوں پر بھی زیادتیاں ہوئیں لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے زمانہ میں اس کی پوری تلافی کر دی، انہوں نے جب حکومت کے غصب کردہ اموال کو واپس کرنا شروع کیا تو ذمیوں نے بھی اپنے مطالبات ان کے سامنے پیش کیے، ایک ذمی نے دعویٰ کیا کہ خلیفہ ولید کے لڑکے عباس نے اس کی زمین پر قبضہ کر لیا ہے، اتفاق سے عباس حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس موجود تھا، آپ نے پوچھا اس ذمی کے دعویٰ کا کیا جواب دیتے ہو، اس نے کہا امیر المومنین ولید نے یہ زمین مجھ کو جاگیر میں دی تھی، اس کی سند میرے پاس موجود ہے، عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا لیکن خدا کی کتاب ولید کی سند سے مقدم ہے اور زمین ذمی کو واپس دلا دی۔ (۲)

اسی طریقہ سے خلیفہ عبدالملک کے لڑکے ہشام پر ایک عیسائی نے کسی معاملہ میں مقدمہ دائر کیا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کی شاہزادگی کا کوئی خیال نہیں کیا، اس کو مدعی کے برابر کھڑا کیا، ہشام غصہ میں عیسائی کو برا بھلا کہنے لگا، حضرت عمر نے اس کو ڈانٹا کہ خاموش رہو ورنہ تم کو سزا دوں گا۔ (۳)

ایک مرتبہ عبدالملک کے دوسرے لڑکے مسلمہ اور دیر اسحاق کا کوئی مقدمہ پیش ہوا تو مسلمہ فرش پر بیٹھ گئے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: تم اپنے فریق کے سامنے فرش پر نہیں بیٹھ سکتے، اگر کھڑے نہیں ہو سکتے تو کسی کو اپنا وکیل بنادو، چنانچہ اس نے ایک شخص کو وکیل بنادیا اور عمر بن عبدالعزیز نے مسلمہ کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ (۴)

اموی خلفاء کے زمانہ میں ذمیوں سے جزیہ کی وصولی میں سختی کی جاتی تھی، حضرت عمر نے اس کو بالکل روک دیا، جس کی بنا پر غلہ گراں ہو گیا، کسی نے آپ سے کہا کیا بات ہے

(۱) کتاب الخراج ص ۸۰ (۲) سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۱۰۴

(۳) العیون والحدائق ص ۶ (۴) سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۱۷۴

آپ کے زمانہ میں غلہ گراں ہو گیا حالانکہ دوسرے خلفاء کے زمانہ میں سستا تھا، آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ جزیہ کی وصولی میں سختی کرتے تھے، اس لیے جس نرخ پر ہوتا تھا ذمی غلہ فروخت کر دیتے تھے اور میں ہر شخص کو اسی قدر تکلیف دیتا ہوں جس کا وہ تحمل کر سکے، اس لیے ہر شخص جس طرح چاہتا ہے اپنا غلہ فروخت کرتا ہے۔ (۱)

وَقَاتِلُوا عَمَالَ كُذَمِيَّوْنَ كَی سَاتِهْ نَرْمِی كَرْنِی كِی هِدَايَتِی بَهِیجَتِی رَهْتِی تَهْتِی، اِیك مَرْتَبَہ عَدِی بَن اِرطَاة كُوكَهَا كَه ذَمِیوْی كَی سَاتِهْ نَرْمِی كِیَا كُرُو، اَكْرَان مِی سَی كُوكِی شَخْصُ بُوڑ هَا هُو جَا ئَی اورو ه نَادَار هُو تُو اَس كِی كِفَالَت كِیَا كُرُویَا اَكْر اَس كَا كُوكِی رَشْتَه دَار مَوْجُود هُو تُو اَس كُوكِی كِفَالَت كَا حَكْم دُو جَس طَرَح جَب تَمَهَارَا كُوكِی غَلَام بُوڑ هَا هُو جَا ئَی تُو یَا اَس كُوكِی اَزَاد كَر نَا پُڑَی كَا یَا عَمْرُبَهْر كَهْلَا نَا پِلَا نَا پُڑَی كَا۔ (۲)

مذہبی حقوق کا تحفظ: اوپر مفتوحہ قوموں کے ساتھ جو معاہدے نقل کیے گئے ہیں، ان سب میں مذہبی حقوق کے تحفظ کی پوری ضمانت ہے، اب اس کی بعض اور شہادتیں پیش کی جاتی ہیں، عہد صدیقی میں حیرہ کی فتح کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ نے اہل حیرہ سے جو معاہدہ کیا اس میں یہ بھی تھا۔

لا یهدم لهم بیعة ولا كنيسة ولا
یمنعون من ضرب النواقیس ولا
ان کی خانقاہیں اور گرجے نہ ڈھائے
جائیں گے اور نہ ان کے عید کے دن ان
کونا قوس بجانے اور صلیبیں نکالنے سے
اخراج المصلبات فی یوم
عیدہم (۳)
روکا جائے گا۔

عانات (شام) کے پادری کو صلح میں یہ ضمانتیں دیں۔

لا یهدم لهم بیعة ولا كنيسة وعلى
أن یضربوا نواقیسهم فی ای ساعة
ان کی خانقاہیں اور گرجے نہ گرائے
جائیں گے، وہ نماز کے اوقات کے علاوہ
رات دن جب چاہیں ناقوس بجا سکتے
شأنوا من لیل أو نهار الا فی أوقات

(۱) کتاب الخراج ص ۷۶ (۲) طبقات ابن سعد ص ۲۸۰ (۳) کتاب الخراج ص ۸۴

الصلوة وعلى أن يخرجوا صلبانهم
فی أيام عیدہم (۱)
ہیں اور اپنے تیوہاروں کے موقع پر
صلیبیں نکال سکتے ہیں۔

اس طریقہ سے حضرت ابو عبیدہؓ فاتح شام نے عبادت خانوں کے تحفظ کی پوری
ضمانت دی۔

واشترط علیہم حین دخلها ان تترك
کنائسہم و بیعہم (۲)
جب (ابو عبیدہؓ) نے شام فتح کیا تو
عیسائیوں سے وعدہ کیا کہ ان کی خانقاہیں
اور گرجے برقرار رکھے جائیں گے۔

خلفائے راشدین کے زمانہ میں ان معاہدوں پر پورا پورا عمل رہا، ان میں سے
کسی نے بھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی، امام ابو یوسف نے تصریح کی ہے کہ ابو بکر و عمرو
عثمان و علی رضی اللہ عنہم نے ان معاہدوں کی پوری پابندی کی اور کسی نے خانقاہوں اور
کنیسوں کو ہاتھ نہیں لگایا، اس لیے ان کو کسی حال میں نہیں گرایا جاسکتا۔ (۳)

اموی دور میں حضرت امیر معاویہؓ نے بھی اس کا پورا لحاظ رکھا، اگر بعد کے کسی
خليفة نے اس سلسلہ میں کوئی زیادتی کی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے زمانہ میں اس
کی تلافی کر دی۔

دمشق کی جامع مسجد کے متصل ایک گرجا تھا، امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ میں اس کو
مسجد میں شامل کر لینا چاہا مگر عیسائی راضی نہ ہوئے، اس لیے امیر معاویہؓ اس ارادے سے
باز آ گئے، اس کے بعد عبدالملک نے معاوضہ دے کر لینا چاہا مگر عیسائیوں نے اس سے بھی
روکا، اس لیے وہ بھی رک گئے، ولید نے اپنے دور میں گرجے کے معاوضہ میں ایک بڑی رقم
پیش کی مگر عیسائی اپنے انکار پر قائم رہے، ولید کو غصہ آ گیا اس نے کہا اگر تم اس طرح نہ دو
گے تو میں گرجاؤں کو ہاڑ دوں گا، عیسائیوں نے کہا جو آدمی گرجے کو ڈھاتا ہے وہ کوڑھی یا پاگل
ہو جاتا ہے، اس پر ولید کو اور تاؤ آ گیا، اس نے خود پھاوڑا لے کر گرجے کو ڈھانا شروع کر دیا

(۱) کتاب الخراج ص ۸۶ (۲) ایضاً ص ۸۰ (۳) ایضاً ص ۸۷

اور اس کو گروا کر مسجد میں شامل کر لیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تخت خلافت پر بیٹھے تو ان کے عدل کو دیکھ کر عیسائیوں نے بھی اپنا معاملہ ان کے سامنے پیش کیا، آپ نے دمشق کے والی کو حکم دیا کہ گرے کا جو حصہ مسجد میں شامل کر لیا گیا ہے وہ عیسائیوں کو واپس کر دیا جائے، دمشق کے مسلمانوں نے احتجاج کیا کہ جس مسجد میں ہم اذانیں دے چکے ہیں، نمازیں پڑھ چکے ہیں، اس کو ڈھا کر کس طرح دوبارہ گر جانا دیں، یہ صورت دیکھ کر مسلمان علما نے عیسائیوں سے کہا کہ اگر وہ جامع مسجد کے گرے کا مطالبہ چھوڑ دیں تو ان کے بدلہ میں غوطہ دمشق کے جتنے گرے مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں ان سب کو واپس کر دیا جائے گا اس پر وہ رضا مند ہو گئے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اس سمجھوتے سے بڑی مسرت ہوئی اور آپ نے غوطہ کے تمام گرے عیسائیوں کو واپس دلوا دیئے۔ (۱)

اسی طریقہ سے ایک گر جا ایک امیر کی فیاضی سے بنی نصر کے قبضہ میں چلا گیا تھا، عیسائیوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں اس کا مطالبہ کیا، آپ نے اس کو بھی واپس دلایا۔ (۲)

ہارون رشید کے زمانہ میں ایشیائے کوچک کے عیسائیوں سے بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں، بیسی فورس فرمانروائے قسطنطنیہ اس کا حریف تھا، اس کی بدعہدی سے تنگ آکر ہارون نے امام ابو یوسف سے پوچھا کہ مسلمانوں نے اپنی فتوحات کے سلسلہ میں عیسائیوں کے گرجوں کو کیوں باقی رہنے دیا ہے اور ان کو تیوہار کے موقع پر صلیب لگانے کی کیوں اجازت دی، امام ابو یوسفؒ نے جواب دیا کہ ان سے اس شرط پر صلح ہوئی تھی کہ وہ جزیہ ادا کریں گے اور مسلمان ان کے گرجوں کو خواہ وہ شہر کے اندر ہوں یا باہر برقرار رکھیں گے اور ان کو تیوہار کے موقع پر صلیب نکالنے کی اجازت ہوگی، مسلمان ان کی حمایت میں لڑیں گے اور ان کی مدافعت کریں گے۔ (۳)

اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو

(۱) فتوح البلدان بلاذری ص ۱۳۱ و ۱۳۲ (۲) ایضاً ص ۱۳۰ (۳) کتاب الخراج ص ۱۸۱

غیر مسلموں کے مذہبی حقوق کا کتنا لحاظ تھا، انھوں نے نہ صرف پرانی عبادت گاہوں کو قائم رکھا بلکہ ان کے عہد حکومت میں بہت سے گرجے، آتش کدے اور مندر تعمیر ہوئے، یہ مسئلہ عہد صحابہ میں اٹھا تھا کہ ذمیوں کو نئی عبادت گاہیں بنانے کی اجازت ہے یا نہیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی رائے تھی کہ پرانے مفتوحہ شہروں کے بارہ میں جو معاہدہ ہے، اس کی پابندی ضروری ہے، ان شہروں میں ان کے گرجوں کو برقرار رکھا جائے گا اور ناقوس بجانے کی اجازت ہوگی لیکن مسلمانوں کے آباد کردہ شہروں میں اس کی اجازت نہ ہوگی۔ (۱)

لیکن درحقیقت یہ فیصلہ اس زمانہ کا ہے جب مسلمانوں اور ذمیوں میں ربط و ضبط پیدا نہ ہوا تھا، بعد کے زمانہ میں جب دونوں میں ربط بڑا تو ہر شہر میں ذمیوں نے نئے عبادت خانے تعمیر کیے، بغداد، قاہرہ، سامرا اور فسطاط وغیرہ میں جو خاص مسلمانوں کے آباد کردہ شہر ہیں سیکڑوں گرجے تعمیر ہوئے، جس کی تفصیل تاریخ اور جغرافیہ کی کتابوں میں موجود ہے بلکہ بعض مورخوں نے جامع مسجدوں کے ساتھ کنیسوں کا ذکر بھی کیا ہے، مقریزی نے گرجوں کے سلسلہ میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ خلیفہ مہدی کے زمانہ میں مصر کے عباسی والی علی بن سیمان نے مریم کا گرجا اور کئی اور گرجے گروا دیئے تھے، ہارون کے زمانہ میں علی بن عیسیٰ کی جگہ موسیٰ بن عیسیٰ عباسی کا تقرر ہوا اس نے مصر کے نامور عالم لیث بن سعد اور مصر کے قاضی عبداللہ بن الہیعہ کے مشورہ کے مطابق جو گرجے علی بن موسیٰ نے گروائے تھے ان کے بنوانے کی دوبارہ اجازت دے دی، ان دونوں علما کی دلیل یہ تھی کہ یہ گرجے صحابہ و تابعین کے زمانہ میں تعمیر ہوئے تھے اس لیے ان کو نہیں گرایا جاسکتا (۲) اسی طریقہ سے دو اور کنیسے جو کنیسہ خندق کے نام سے موسوم تھے، اسلامی دور میں تعمیر ہوئے (۳) اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف اسلامی عہد بلکہ خاص صحابہ و تابعین کے زمانہ میں نئے گرجے تعمیر ہوئے۔

معتصم باللہ کے زمانہ سے ترک خلافت بغداد پر چھا گئے تھے اور خلافت ان کے اقتدار میں آگئی تھی، مستکفی کے زمانہ میں بنی بویہ نے ان کا زور ختم کر کے ان کی جگہ لی، اس

(۱) کتاب الخراج ص ۸۴ (۲) خطط مقریزی ج ۴ ص ۴۲۴ (۳) ایضاً ص ۴۲۴

سلسلہ کا سب سے نامور فرماں روا عضد الدولہ تھا، مسلسل انقلابات سے بغداد بالکل ویران ہو گیا تھا، عضد الدولہ نے ۳۶۹ھ میں اس کو دوبارہ آباد کیا تو اپنے عیسائی وزیر نصر بن ہارون کو بھی گرجوں اور خانقاہوں کی مرمت و تعمیر اور ان کے فقرا کے وظیفے مقرر کرنے کا حکم دیا۔ (۱)

اسلامی ملکوں میں اس کثرت سے گرجے اور عیسائیوں کی خانقاہیں تھیں کہ ان کے حالات میں عیسائی اور مسلمان مصنفوں نے مستقل کتابیں لکھیں، مصر کے گرجوں اور خانقاہوں کے حال میں ابوصالح مسیحی ارمنی کی کتاب ”الکناس والادیرہ فی مصر“ انگریزی ترجمے کے ساتھ ۱۸۹۵ء میں آکسفورڈ سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے (۲)، مسلمان مصنفین میں ابوالحسین علی بن شاشی اور ابوالفرح اصفہانی کا ذکر کشف الظنون نے کیا ہے، ابوالحسین کی کتاب عراق، جزیرہ، شام اور مصر کی خانقاہوں کے حال میں ہے۔

یہ مسلمانوں کی رواداری اور بے تعصبی کا ثبوت ہے کہ انھوں نے دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کے حال میں مستقل کتابیں لکھیں، جس کی مثال روشن خیالی کے اس دور میں بھی ملنا مشکل ہے۔

مسلمانوں نے نہ صرف ان عبادت گاہوں کو بلکہ ان کے عہدے داروں اور ان کے متعلق اوقاف کو بھی برقرار رکھا یہاں تک کہ ان کے پجاریوں اور مجاوروں کے جو روزینے مقرر تھے وہ سرکاری خزانے سے ادا کیے جاتے تھے، مصر کے متعلق تصریح ہے کہ جب عمرو بن العاصؓ نے مصر فتح کیا تو جس قدر آراضیات گرجوں پر وقف تھیں ان کو بحال رکھا، مقریزی کے زمانہ تک جو آراضیات محفوظ تھیں ان کی مقدار پچیس ہزار فدان تھی۔ (۳) مصر پر ایرانیوں کے تسلط کے زمانہ میں یہاں کا بطریق بنیامین بھاگ گیا تھا، عمرو بن العاصؓ نے جب مصر فتح کیا تو امان نامہ لکھ کر اس کو بلا بھیجا اور دوبارہ اس کو بطریق کی کرسی پر بٹھایا۔ (۴)

(۱) ابن اثیر ج ۸ ص ۲۳۲ (۲) اکتفاء القنوع ص ۳۶۹ (۳) مقریزی ج ۴ ص ۳۹۲ (۴) ایضاً

کنیسوں کے بارہ میں حضرت عمرؓ کے طرز عمل کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب آپ بیت المقدس کی فتح کا معاہدہ لکھنے کے لیے تشریف لے گئے تو عیسائیوں کو امان نامہ دینے کے بعد ایک دن قمامہ کے گرجے کے صحن میں بیٹھے تھے کہ نماز کا وقت آگیا، آپ نے کنیسہ کے صحن سے باہر جا کر سیڑھیوں پر تنہا نماز پڑھی اور کنیسہ کے بطریق سے فرمایا کہ اگر میں کنیسہ کے احاطہ کے اندر نماز پڑھتا تو میرے بعد مسلمان یہ کہہ کر کہ عمر نے یہاں نماز پڑھی تھی اس کو لے لیتے اور بطریق کو یہ تحریر لکھ دی کہ آئندہ بھی کوئی مسلمان کنیسہ کے احاطہ میں نماز نہیں پڑھ سکتا، البتہ اس کے باہر سیڑھیوں پر تنہا نماز کی اجازت ہے، جماعت کے ساتھ نہیں اور نہ اذان دی جاسکتی ہے۔ (۱)

مسلمانوں نے جو ملک بھی فتح کیے ان میں غیر مسلم رعایا کے ساتھ ان کا طرز عمل یہی رہا، خود ہندوستان اس کا روشن ثبوت ہے، محمد بن قاسم نے جب سندھ فتح کیا تو اس کے تمام باشندوں کو امان اور پوری مذہبی آزادی دے دی اور برہمنوں اور دوسرے اکابر و اعیان کے مذہبی حقوق و مراتب برقرار رکھے، چنانچہ نامہ میں تصریح ہے۔

”پس اکابر و مقدمان و براہمہ رافرمود کہ معبود خود را عمارت کنند با مسلمانان خرید و فروخت کنند و ایمن باشند و در صلاح خود کوشند و فقر او برہمنان را تیمار دارند و اعیاد و مراسم خود بشرائط آبا و اجداد قیام نمایند“ (۲)

خود حجاج نے ان کے جانی مالی اور مذہبی حقوق کے تحفظ کے لیے محمد بن قاسم کو فرمان لکھا ”چوں ذی شند در خون و مال ایشان دست تصرف ما مطلق نباشد و اجازت کرده شد تا معبود خود را عبادت کنند و هیچ کس را از کیش خود منع و زجر نکند تا نجانہائے خود برائے خود زندگانی کنند“ (۳)

(۱) مقریزی ج ۲ ص ۳۹۴ (۲) چچ نامہ ص ۲۴ لطیفی پریس دہلی (۳) ایضاً ص ۲۱۳

محمد بن قاسم برہمنوں کا خاص طور سے بڑا لحاظ کرتا تھا، ان سے کسی معاملہ میں کوئی باز پرس نہ تھی، ان کا احترام قائم رکھنے کے لیے خاص احکام جاری کیے اور ان کو مختلف کاموں پر لگایا۔

”محمد بن قاسم برہمنوں را محترم داشت و در تمکین ایشان

مثال فرمود و در جملہ احوال ایشان دفع و زجر بنودی و ہر یک را از

ایشان مستولی کرد“۔ (۱)

راجہ داہر کے زمانہ میں ان کو جو درجہ حاصل تھا اس کو برقرار رکھا اور ان کو بلا کر ان کے مراتب بڑھائے اور انعام و اکرام سے نوازا۔

”شمارا در عہد داہر باشغال خطیر منصوب گردانید و بر شہر و

نواحی مطلع باشید ہر کرا از معارف و مشاہیر میدانید کہ شایستہ تربیت و

عاطفت باشد مارا اعلام و ہدایت در حق ایشان عاطفت فرمودہ آید و

بانعام وافر مستظہر گردانیدہ شود“۔ (۲)

اس حسن سلوک سے سندھ کے باشندے اتنے متاثر ہوئے تھے کہ جب محمد بن

قاسم پر سلیمان بن عبد الملک کا عتاب نازل ہوا اور وہ جیل میں مر گیا تو اہل سندھ نے بڑا غم

منایا اور اس کی یادگار میں کیرج میں اس کی مورت بنائی۔ بلاذری نے لکھا ہے فبکی اہل

الہند و (الہند) علی محمد و صور وہ بالکیرج (۳) ہندوستان والوں نے (سندھی) محمد بن قاسم کا

بڑا غم منایا اور سندھ میں اس کی مورت بنائی بعد کے مسلمان حکمرانوں خصوصاً مغلوں نے

بہت سے مندروں پر زمینیں وقف کیں اور ان کے پجاریوں کو جاگیریں دیں جن کی سندیں

آج تک محفوظ ہیں۔

نظام حکومت میں غیر مسلموں کا حصہ: اسلام نے غیر مسلموں کے مذہبی، جانی اور مالی

حقوق کے تحفظ ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مسلمانوں میں ایسی رواداری اور وسعت قلب پیدا

کردی کہ انھوں نے ذمیوں کی صلاحیت و قابلیت کے لحاظ سے معاشرہ میں ان کو معزز جگہ

(۱) فتح نامہ ص ۲۱۰ (۲) ایضاً (۳) فتوح البلدان بلاذری ص ۴۳۶

دی، مسلمان حکمرانوں نے ان کو بڑے بڑے عہدوں پر مامور کیا، ان کے اصحاب علم و کمال کی قدردانی اور ان کا اعزاز و اکرام کیا مگر اس سلسلہ میں چند باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اسلام میں مذہب، حکومت اور سیاست جدا نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے سے وابستہ ہیں، اسلامی حکومت کا سب سے بڑا مقصد اسلامی نظام کا قیام اور اس کے احکام کا نفاذ ہے، اس لیے حکومت کے بہت سے شعبوں میں اسلامی احکام سے واقفیت ضروری ہے، اس کے بغیر کام ہی نہیں چل سکتا مثلاً عدالت یا قضا کا محکمہ، دوسرے اسلام کے ابتدائی دور میں انتظامی اور فوجی شعبے مستقلاً الگ الگ نہیں تھے بلکہ اکثر صوبے کا حاکم اس صوبہ کی فوج کا افسر بھی ہوتا تھا یا کم سے کم اس کو فوجی اختیارات حاصل ہوتے تھے اس کو بعض مذہبی فرائض بھی ادا کرنے پڑتے تھے اس لیے غیر مسلم ان شعبوں میں کام نہیں دے سکتے تھے، فوجی خدمت سے وہ مستثنیٰ تھے، اس کے بدلہ میں ان سے جزیہ لیا جاتا تھا لیکن جن شعبوں میں مذہبی احکام سے واقفیت ضروری نہیں تھی مثلاً دفاتر (سکریٹریٹ) شعبہ مال، طب و حفظان صحت، غیر مذہبی علوم کی تعلیم اور اس قبیل کے دوسرے شعبے ان میں ابتدا ہی سے غیر مسلم تھے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جو ملک فتح ہوئے ان کی زبانیں مختلف تھیں، عراق و ایران کی فارسی، مصر کی قبطی، شام کی رومی تھی اور یہاں کی سابق حکومتوں کے دفاتر بھی انہی زبانوں میں تھے، اس لیے حضرت عمرؓ نے بھی اس کو باقی اور اس کا پرانا عملہ برقرار رکھا، عبدالملک کے زمانہ تک یہی صورت رہی، سب سے پہلے اس نے عربی کو حکومت کی زبان قرار دیا، اس وقت غیر مسلموں کا تعلیم یافتہ طبقہ عربی سے واقف ہو چکا تھا۔

ابتدا میں بڑے عہدوں پر غیر مسلموں کے نہ ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان میں اور مسلمانوں میں پورا اعتماد نہ پیدا ہوا تھا اور وہ عربی زبان سے ناواقف تھے اور اعتماد کے بغیر کوئی حکومت بھی کسی غیر قوم کو کلیدی عہدوں پر مامور نہیں کر سکتی، انگریزی دور میں ایک مدت تک ہندوستانیوں کا کام صرف کلر کی تھا، بڑے عہدے بہت بعد میں ملنے لگے، یہی صورت حال اسلامی عہد میں بھی تھی، ورنہ آگے چل کر مذہبی عہدوں کو چھوڑ کر کوئی عہدہ

ایسا نہ تھا جو غیر مسلموں کو نہ ملا ہو، بنی امیہ کی عربی عصبیت مشہور ہے لیکن اموی دور میں جب شام کے عیسائیوں اور رومیوں سے ربط و ضبط بڑھا تو حضرت امیر معاویہؓ نے ابن اثال کو جو عیسائی تھا حمص کا کلکٹر مقرر کیا (۱) اور سرجون اور منصور رومی کو مالیات کے ذمہ دار عہدوں پر مامور کیا۔ (۲)

عباسیوں کے زمانہ میں غیر مسلموں کے لیے بڑے عہدوں کے دروازے بالکل کھل گئے اور چند بڑے اور مذہبی شعبوں کو چھوڑ کر کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس میں عیسائی، یہودی، صابی اور مجوسی عہدہ دار نہ رہے ہوں حتیٰ کہ وزارت تک پہنچے، وزارت کے بعد سب سے بڑا عہدہ کاتب یعنی چیف سکریٹری کا ہوتا تھا جو شاہی احکام و فرامین لکھتا تھا، اس کے لیے صاحب و جاہت اور ادیب و انشا پرداز ہونا ضروری تھا، مسلم اور غیر مسلم کی قید نہ تھی، چنانچہ عباسیوں کے دور میں متعدد صابی اور مجوسی اس عہدہ پر مامور ہوئے، ان میں ابو ہلال عسکری صابی تاریخ اسلام کا نامور ادیب گذرا ہے، اس کو عباسی خلفا اور ویلی حکمرانوں کے دربار میں بڑا سوخ حاصل تھا اور اس دور میں بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز رہا، وزارت کی نیابت تک پہنچا، عزالدولہ بن معز الدولہ ویلی نے اس شرط پر اس کو وزارت پیش کی کہ وہ اسلام قبول کر لے لیکن ابو ہلال صابی اس پر آمادہ نہیں ہوا (۳) عضد الدولہ نے جو اسی خاندان کا گل سرسبد تھا یہ شرط بھی اڑادی اور اس نے ایک عیسائی نصر بن ہارون کو اپنا وزیر بنایا۔ (۴)

ہندوستان کی مثال تو سب کی نگاہ کے سامنے ہے، یہاں کم و بیش پورے اسلامی دور خصوصاً مغلوں کے زمانہ میں ہندو بڑے بڑے خطاب یافتہ، منصب دار اور نہ صرف انتظامی بلکہ فوجی عہدوں پر مامور رہے، ہندو نواز اکبر کا ذکر نہیں 'متعصب' اورنگ زیب کے عہد کے خطاب یافتہ اور منصب دار ہندوؤں کی فہرست بھی بڑی طویل ہے۔

(۱) یعقوبی ج ۲ ص ۲۶۵ (۲) نخط الشام کرد علی ج ۱ ص ۱۴۳ (۳) معجم الادباج ص ۳۲۴

(۴) ایضاً ص ۲۲۳

چند نام یہ ہیں:

رائے رایان:

تلوک چند

راؤ:

انوپ سنگھ

راجہ:

راجہ جسونت سنگھ، راجہ جے سنگھ، کچھواہہ، راجہ اندر من،
 راجہ روپ سنگھ، راجہ پرم دیو سنگھ، راجہ کبیر سنگھ بھورتیہ، راجہ
 آم سنگھ، راجہ بھیم سنگھ، راجہ اندر سنگھ، راجہ بہادر سنگھ، راجہ
 مان سنگھ، راجہ انوپ سنگھ، راجہ اودیت سنگھ، راجہ باسد یو
 سنگھ، راجہ ستر سال بندیلہ، راجہ کشن سنگھ، راجہ رام چندر،
 راجہ درگاداس رائٹھور، راجہ سروپ سنگھ، راجہ شیو سنگھ، راجہ
 کلیان سنگھ۔

منصب دار:

راجہ بھیم سنگھ پنج ہزاری، راجہ اندر سنگھ سہ ہزاری، راجہ
 بہادر سنگھ یک ہزاری و پانصدی، راجہ مان سنگھ سہ ہزاری،
 سیواجی کاداماد چلاپی پنج ہزاری مع نوبت و نقارہ، سیواجی
 کا بھتیجا راجو جی دو ہزاری، مانکو جی دو ہزاری، راجہ انوپ
 سنگھ قلعہ دار، سیکری دو ہزاری، راجہ امر دیپ سنگھ فوجدار
 دو دینیم ہزاری، اودے سنگھ سہ ہزاری و پانصد، باسد یو سنگھ
 سہ ہزاری، کانھو جی شش ہزاری، بشن سنگھ یک ہزاری و
 چار صدی، رام چند دو دینیم ہزاری، بہا کونجارہ پنج ہزاری،
 جکھاسہ ہزاری، درگاداس رائٹھور سہ ہزاری، سروپ سنگھ
 یک ہزاری، سو بھان قلعہ دار پنج ہزاری مع خلعت و نقارہ
 شیو سنگھ یک ہزاری و دینیم ہزاری، راجہ کلیان سنگھ سہ صدی (۱)

(۱) یہ سب نام مغلوں کی تمام تاریخوں میں ہیں۔

حکومت کے مختلف شعبوں میں اتنے ہندو تھے کہ ان کا شمار مشکل ہے، بڑے عہدوں میں صوبیدار اور سپہ سالار تک ہوئے، اکبر کے زمانہ میں راجہ کچھواہہ اکبر آباد کا راجہ بھگوان داس پنجاب زابلستان، بہار کا اور اس کا لڑکا راجہ مان سنگھ بہار و بنگال کا ناظم مقرر ہوا (۱) شاہجہاں کے زمانہ میں راجہ بٹھل داس اکبر آباد کا صوبہ دار مقرر ہوا (۲) اور راجہ جے سنگھ کچھواہہ دکن کا صوبہ دار بنایا گیا، عالمگیر نے جسونت سنگھ کو خالص مسلمان صوبے جمروڈ (کابل) کا اور راجے رایان تلوک چند کو مالوے کا صوبہ دار مقرر کیا (۳) مغلوں کو ہندو عہدہ داروں پر اتنا اعتماد تھا کہ ان میں اور راجپوتوں میں جو لڑائیاں ہوتی تھیں ان میں زیادہ تر ہندو سپہ سالاروں کو ان کے مقابلہ کے لیے بھیجتا تھا، ان سب کی تفصیل کے لیے پوری کتاب کی ضرورت ہے۔

غیر مسلم اطباء کا عروج و افتدار: عباسی دربار میں اطباء کو جو اعزاز و مرتبہ حاصل ہوا تھا وہ بڑے بڑے امرا کو نصیب نہ تھا، منصور کا طبیب خاص جوڑجیس جندیسا پور کا افسر الاطباء اور یہاں کے شفا خانے کا افسر اعلیٰ تھا، منصور اس کو اتنا مانتا تھا کہ اس کو بلا روک ٹوک حرم تک میں آنے کی اجازت تھی، جوڑجیس ایک مرتبہ قیام بغداد کے زمانہ میں بیمار پڑا تو منصور نے اس کو اپنے قریب دارالعامہ میں بلوایا اور روزانہ خود اس کی عیادت کے لیے پیدل جاتا تھا، جب حالت زیادہ خراب ہوئی تو جوڑجیس نے وطن جانے کی اجازت چاہی، منصور نے اجازت دے دی اور اس سے کہا اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں تمہارے لیے جنت کی ضمانت لیتا ہوں، اس نے یہ ظریفانہ جواب دیا: امیر المومنین جہاں میرے آبا و اجداد ہوں گے وہیں رہنا میں بھی پسند کروں گا، خواہ وہ جنت ہو یا دوزخ، یہ جواب سن کر منصور ہنس دیا (۴) جوڑجیس کے بعد اس کا لڑکا بخشیشوع باپ کا جانشین ہوا، یہ بھی بڑا باکمال طبیب تھا اس نے باپ سے بھی زیادہ عروج حاصل کیا، ابن ندیم لکھتے ہیں کہ وہ فن طب کا جلیل القدر فاضل تھا، اس کو اپنے علمی کمال اور خلیفہ کے تقرب کی وجہ سے بغداد میں بڑا وقار حاصل تھا، ہارون رشید

(۱) مآثر الامراء جلد دوم ص ۱۳۰ و ۱۶۰ و ۱۷۰ (۲) ایضاً ص ۳۵۳ (۳) ایضاً ص ۲۰۶

(۴) اخبار الحکماء قفطی ص ۱۱۱ و ۱۱۰

کے زمانہ تک عباسی دربار سے وابستہ رہا، اس نے طب کے ذریعہ اتنی دولت پیدا کی جس کی نظیر نہیں ملتی، عباسی خلفا اپنے بھائیوں سے زیادہ اس پر اعتماد کرتے تھے (۱) یہ بھی اپنے باپ کی طرح جندیسا پور میں رہتا تھا، ہادی نے اس کو اپنے لڑکے کے علاج کے لیے بلوایا تھا، ہارون کے زمانہ میں اس کو بڑا عروج حاصل ہوا، اس نے اس کو خلعت فاخرہ اور گراں قدر انعامات سے نوازا اور افسر الاطبا مقرر کیا۔ (۲)

اس کا لڑکا جبریل اعزاز و وقار اور خلفا سے تقرب میں اپنے باپ سے بھی بڑھ گیا ہارون کے زمانہ میں اس کو اتنا عروج حاصل ہوا کہ کسی امیر و وزیر کو بھی حاصل نہ تھا، ہارون نے عام حکم دے دیا تھا کہ اس کے متوسلین میں سے جس کو جو ضرورت پیش آئے وہ پہلے جبریل کے سامنے پیش کرے، وہ اس کی کسی سفارش کو رد نہیں کرتا تھا، اس لیے فوجی افسر تک ضرورت کے وقت اسی کو وسیلہ بناتے تھے (۳) ہارون کے بعد امین بھی اسی طرح مانتا تھا، اس نے ہارون سے بھی زیادہ اس کو انعام و اکرام سے نوازا، وہ اس کی حذاقت کا اتنا قائل تھا کہ اس کی اجازت کے بغیر کھانا تک نہ کھاتا تھا۔ (۴)

امین کے بعد مامون کے زمانہ میں کچھ دنوں تک معتبوب رہا مگر اتفاق سے مامون بیمار پڑ گیا، بہت علاج کیا مگر کسی طبیب کے علاج سے فائدہ نہ ہوا، آخر میں جبریل کی طرف رجوع کیا، اس کے علاج سے شفا ہوئی، اس سے اس کا کھویا ہوا وقار پھر حاصل ہو گیا، اس کی ساری ضبط شدہ املاک واپس مل گئی، اس کے علاوہ مامون نے دس لاکھ درہم نقد عطا کیے اور اس کا مرتبہ اتنا بڑھایا کہ عام فرمان جاری کر دیا کہ جس نئے عہدہ دار کا کسی منصب پر تقرر ہو تو وہ جبریل سے مل کر اپنی خدمت پر جائے۔ (۵)

اس کو مختلف شعبوں سے جو تنخواہ، نقد و جنس اور انعامات ملتے تھے اس کی مقدار اتنی ہے کہ آج اس کا قیاس کرنا مشکل ہے، ابن ابی اصیبعہ نے اس کی پوری تفصیل لکھی

(۱) فہرست ابن ندیم ص ۴۱۳ (۲) اخبار الحکما ص ۷۲ (۳) ایضاً ص ۹۵ (۴) ایضاً ص ۹۸

(۵) ایضاً ص ۹۹

(۱)۔

جبریل نے مرتے وقت جو نقد و جنس اور املاک چھوڑی تھی، اس کے علاوہ سات لاکھ اشرفی مذہبی کاموں کے لیے وقف کر گیا تھا، اس کی موت کے بعد مامون نے اس کے لڑکے نختیشوع ثانی کو وصیت پوری کرنے کا حکم دیا، چنانچہ اس کے صرف سے نختیشوع نے ایک خانقاہ تعمیر کی اور اس میں راہبوں کو مقرر کر کے ان کے وظیفے مقرر کیے۔ (۲)

جبریل کے بعد اس کا لڑکا نختیشوع ثانی اس کا جانشین ہوا، اس کو سب سے زیادہ عروج متوکل کے زمانہ میں حاصل ہوا، قفطی کا بیان ہے کہ متوکل کے زمانہ میں نختیشوع نے اتنی عظمت و شان حاصل کی کہ وہ لباس اور شکوہ و تجمل کے سامانوں میں خلیفہ کی ہمسری کرتا تھا، اس کے مصارف اتنے کثیر تھے کہ اس کا بیان نہیں کیا جاسکتا۔ (۳)

اس خاندان کے دوسرے ارکان نے بھی بڑا عروج حاصل کیا مگر ان سب کی تفصیل بڑی طویل ہے، اخبار الحکما اور طبقات الاطباء میں ان کے حالات موجود ہیں۔

اس خاندان کے علاوہ بعض دوسرے اطباء کا بھی بڑا رسوخ تھا، سلمو یہ بن بنان اپنے دور کا بڑا حاذق اور معتمد کا درباری طبیب تھا، اس کا اس کے دربار میں وہی درجہ تھا جو جبریل کا ہارون کے دربار میں تھا، معتمد اس کو اس قدر مانتا تھا کہ جب سلمو یہ مرض الموت میں مبتلا ہوا تو معتمد اس کے پاس بیٹھ کر بہت رویا، اس کی موت کے دن کھانا نہیں کھایا، اس کا جنازہ اپنے محل میں منگوا یا اور اپنے سامنے عیسائیوں کی رسم کے مطابق شمع اور بخورات جلوا کر نماز جنازہ پڑھوائی۔ (۴)

ہندوستانی وید بھی اس زمانہ میں بغداد پہنچ گئے، ایک مرتبہ ہارون رشید ایک مرض میں مبتلا ہو گیا کسی طبیب کے علاج سے فائدہ نہ ہوا، ابو عمر عجمی کے مشورے سے منکہ کو ہندوستان سے بلایا گیا، اس کے علاج سے مرض جاتا رہا، ہارون نے اس کے صلہ میں بڑے گراں قدر انعامات سے نوازا۔ (۵)

(۱) اخبار الحکما ص ۱۰۰ (۲) ایضاً ص ۹۹ (۳) ایضاً ص ۷۲ (۴) ایضاً ص ۱۱۴ (۵) طبقات الاطباء ج ۲ ص ۳۳

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ رشید کا چچیرا بھائی ابراہیم ایک سخت بیماری میں مبتلا ہو گیا، کسی علاج سے فائدہ نہیں ہوا، زندگی کی امید باقی نہ رہی، یچی برکی کے مشورے سے صالح بن بھلہ کو ہندوستان سے بلایا گیا، اس نے بڑے معرکہ کا علاج کیا اس سے ابراہیم شفا یاب ہو گیا، ہارون رشید اس کے علاج سے بہت متاثر ہوا اور انعام و اکرام سے نوازا، قفطی نے مرض اور علاج کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ (۱)

اس سے انکار نہیں کہ مسلمانوں کے ۱۴ سو سالہ طویل دور حکومت میں ظلم و زیادتی کے واقعات بھی مل جائیں گے مگر ایسے واقعات سے کسی قوم بلکہ اپنی قومی حکومت کی تاریخ بھی خالی نہیں ہے، دوسری قوموں کی طرح مسلمانوں میں بھی اچھے برے ہر طرح کے حکمران ہوئے ہیں، ظالم حکمرانوں کے ظلم و ستم سے خود مسلمان کب محفوظ رہے، دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی سینکڑوں حکومتیں قائم ہوئیں، ان کو کسی دوسرے نے نہیں بلکہ خود مسلمان حکومتوں ہی نے مٹا دیا، علاء الدین جہاں سوز نے غزنین کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا، پٹھانوں نے جب جوہپور کی شرقی حکومت کا خاتمہ کیا تو اس کے سارے آثار برباد کر دیئے، اس کی تاریخی مسجدوں کو بھی ڈھا دینا چاہتے تھے مگر کسی طرح علما کی سفارش سے بچ گئیں، عیسائیوں پر خود عیسائی حکومتوں کے ہاتھوں کیا نہیں گزری، ہندوستان میں برہمنوں نے جس طرح بدھ مذہب کا خاتمہ کیا اس کی سیاہی تاریخ کے اوزاق سے مٹانے نہیں مٹ سکتی، لیکن یہ سب ان حکمرانوں کا ذاتی فعل تھا اس لیے ہندو اور عیسائی مذہب یا اسلام اس کا ذمہ دار نہیں ہے۔

چند اصولی باتیں: ایسے موقع پر معترضین ایک اصولی بات نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اسلام کا قانون الگ چیز ہے اور کسی مسلمان حکمران کا عمل الگ ہے، اسلامی قانون کی رو سے جب کسی مفتوح قوم نے اسلامی حکومت کو مان لیا تو وہ اس کے مذہب، جان و مال اور عزت و آبرو کی محافظ بن گئی، ایسی مفتوح قومیں ذمی اسی لیے کہلاتی ہیں کہ حکومت ان کی حفاظت کی ذمہ دار ہوتی ہے جو مسلمان حکمران اس کے خلاف عمل کرتا ہے اسلام اس کا ذمہ دار نہیں ہے

اور اس کی نگاہ میں یہ فعل اتنا ہی ناپسندیدہ ہے جتنا غیر مسلم کے لیے ناپسندیدہ ہے۔

ہندوستان میں ایک پہلو کو اور بھی نگاہ میں رکھنا ضروری ہے، اسلام کے اصلی حامل و مبلغ عرب تھے، ان میں اسلام کی جو اسپرٹ تھی وہ دوسری مسلمان قوموں میں نہ تھی، ہندوستان میں جن مسلمان خاندانوں نے حکومت کی وہ سب وسط ایشیا کے مغل اور پٹھان تھے، جن کا مذہب ضرور اسلام تھا لیکن ان کا تمدن، ان کی تہذیب اور بہت سی خصوصیات ان کی قومی تھیں، اس لیے عربوں نے جن ملکوں کو فتح کیا اور جہاں حکومت کی ان کے دلوں کو بھی اسلامی عدل و مساوات نے فتح کر لیا اور وہ سب مسلمان ہو گئے، چنانچہ آج بھی یہ سارے ملک اسلامی ہیں بلکہ جن ملکوں کو عربوں نے تلوار سے نہیں فتح کیا صرف ان کے قدم وہاں پہنچ گئے ان کو بھی اسلامی اخلاق نے مسلمان بنا لیا اس کی مثال انڈونیشیا ہے۔

اس کے مقابلہ میں وسط ایشیا کی قوموں میں یہ اسپرٹ نہ تھی بلکہ ان میں مغل اور آریں قوموں کا احساس برتری اور حاکمیت و محکومیت کا پرانا تصور باقی تھا اس کے اثرات مذہب میں بھی نظر آتے ہیں بلکہ ان کے علماء و فقہاء میں بھی وہ وسعت و رواداری نہیں ہے جو عرب علماء و ائمہ میں تھی، جس کا اثر ذمیوں کے متعلق ان کی فقہی کتابوں میں نظر آتا ہے۔

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں میں ایک اور بات بھی قابل لحاظ ہے، ابتدا میں یہاں جن خاندانوں نے حکومت کی ان کو فطرتاً شروع میں ہندوستان سے وطنی تعلق نہ پیدا ہوا تھا اور ان کی حیثیت محض حاکمانہ تھی، پھر جس قدر زمانہ گذرتا گیا ہندوستان سے ان کا تعلق بڑھتا گیا اور یہاں کے لوگوں سے مانوس ہوتے گئے، اسی قدر ان کا طرزِ حکمرانی بدلتا گیا، مغلوں نے ہندوستان کو اپنا مستقل وطن بنا لیا تھا اور بالکل ہندوستانی بن گئے تھے اور ان کی حکومت بھی موجودہ اصطلاح میں سیکولر بن گئی تھی، ہندوستان کی تعمیر و ترقی اور اس کے بنانے اور سنوارنے میں کم و بیش ان سب حکمرانوں کا حصہ رہا ہے خصوصاً مغلوں نے اس کو صحیح معنوں میں ہندوستان جنت نشاں بنادیا، اسلامی دور میں ہندوستان کو جو گونا گوں فوائد حاصل ہوئے اس سے کوئی تاریخ داں انکار نہیں کر سکتا۔

تیرہواں باب حیوانوں کے حقوق

گوشت انسانی غذا ہے، اس لیے تقریباً سارے مذاہب میں جانوروں کے شکار اور ان کو ذبح کر کے کھانے کی اجازت ہے، دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس کی عبادت میں قربانی نہ ہو، صرف ہندوستان کے بعض مذاہب میں حیوانوں کو ایذا پہنچانا حرام ہے، اس بارہ میں اسلام کی تعلیم بڑی معتدل ہے، اس نے اپنی رحمت سے حیوانوں کو بھی محروم نہیں رکھا ہے، اس نے صرف غذا کی ضرورت کی حد تک حیوانوں کے شکار اور ان کو ذبح کر کے ان کا گوشت کھانے کی اجازت دی ہے۔

وَأَحَلَّتْ لَكُمْ الْأَنْعَامَ إِلَّا مَا يُتْلَى
عَلَيْكُمْ (حج-۴)

ان چیزوں کے سوا جو تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں (یعنی حرام جانور جن کی قرآن مجید اور احادیث نبویؐ میں تفصیل موجود ہے) باقی سب چار پائے تمہارے لیے حلال ہیں۔

پس جس ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اس کو کھاؤ، اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ وَمَا لَكُمْ أَنْ

لَا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ
وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا
اضْطَرَرْتُمْ إِلَيْهِ (انعام-۱۳)

ہو اور جس ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اس
کے نہ کھانے کا سبب کیا ہے حالانکہ جو
چیزیں خدا نے تم پر حرام کر دی ہیں اس کی
تفصیل تمہارے لیے بیان کر دی ہے
مگر یہ کہ (شدت گرسنگی کی وجہ سے) تم
اس کے کھانے پر مجبور ہو جاؤ۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ
لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ
الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا
عَلَّمَكُم وَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ
وَآتُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ
(مائده-۱)

لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی
چیزیں ان کے لیے حلال کی گئی ہیں، ان
سے کہہ دو کہ کھانے کی سب پا کیزہ
چیزیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں اور
شکاری جانور جو تم نے سدھار کھے ہوں
اور شکار کا طریقہ جیسا کہ تم کو خدا نے
سکھایا ہے ویسا ہی ان کو سکھا دیا ہو (یہ
شکاری جانور) جو شکار تمہارے لیے
پکڑیں (اور وہ ذبح کرنے سے پہلے
مر جائے) تو اس کو کھاؤ مگر اس پر خدا کا
نام لے لیا کرو (یعنی شکاری جانور کو چھوڑتے
وقت) اور خدا سے ڈرتے رہو اللہ بہت
تیزی سے حساب لینے والا ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ ان حرام جانوروں کے علاوہ جن کی تفصیل قرآن مجید یا
احادیث نبوی میں ہے، باقی تمام جانوروں کا گوشت جن کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا گیا
ہو خواہ ذبیحہ ہو یا شکار کیا ہوا حلال ہے، لیکن غذائی ضرورت کے علاوہ کسی جانور کو بے کار مارنا

یا ان کو ایذا پہنچانا گناہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے تین آدمیوں کو بڑا گنہگار قرار دیا ہے، ایک جس نے کسی عورت سے شادی کی اور اس سے لطف اندوز ہونے کے بعد طلاق دے دی اور مہر نہ ادا کی، دوسرے جس نے کسی مزدور سے کام لیا اور اجرت نہ دی، تیسرے جس نے کسی جانور کو بے کار ہلاک کیا۔ (۱)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص گور یا اس سے بھی چھوٹا جانور اس کے حق کے بغیر یعنی بلا ضرورت مارے گا تو خدا اس کی باز پرس کرے گا، کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کا حق کیا ہے، فرمایا اس کو ذبح کر کے کھائے، یہ نہیں کہ اس کا سر کاٹ کر پھینک دے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص گور یا کو بھی بے کار مارے گا تو قیامت کے دن وہ خدا سے فریاد کرے گی کہ فلاں شخص نے مجھ کو بے کار قتل کیا، کسی فائدہ کے لیے نہیں مارا۔ (۲)

اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ جو جانور حرام ہیں اور کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے، ان کو بھی مارنا جائز نہیں، ذبح کرنے میں اس کا لحاظ رکھا جائے کہ جانور کو کم سے کم تکلیف پہنچے مثلاً تیز چھری سے ذبح کیا جائے۔

حدیث میں ہے کہ ہر چیز پر احسان کرنا فرض ہے، جب تم کسی جانور کو مارو تو اچھے طریقہ سے مارو اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقہ سے ذبح کرو، ذبح کرنے والا چھری تیز کر لے اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے (۳) کیوں کہ اس سے جلد روح نکل جاتی ہے اور ذبیحہ کو دیر تک تکلیف نہیں ہوتی، اسی بنا پر کنکر، پتھر اور غلیل سے شکار کرنے کی ممانعت ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس سے نہ شکار ہو سکتا ہے، نہ دشمن شکست کھا سکتا ہے، البتہ

(۱) مستدرک حاکم ج ۲ کتاب النکاح باب اعظم الذنوب عند اللہ (۲) یہ دونوں روایتیں نسائی کتاب الضحایا باب ذبائح الیہود میں ہیں۔ (۳) مسلم کتاب الصيد والذبائح باب الامر

باحسان الذبح والقتل وتجديد الشقرة

دانٹ ٹوٹ سکتا ہے اور آنکھ پھوٹ سکتی ہے۔ (۱) یعنی اس سے شکار فوراً نہیں مرتا بلکہ تڑپتا رہتا ہے اور اس کو تکلیف ہوتی ہے۔

جانور ذبح کرتے وقت رقیق القلب لوگوں میں جو رحم کا جذبہ پیدا ہوتا ہے وہ بھی باعث اجر ہے، ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: جب بکری ذبح کرتا ہوں تو مجھے رحم آتا ہے، فرمایا: اگر تم بکری پر رحم کرتے ہو تو خدا تم پر رحم کرے گا۔ (۲)

جانوروں کو ایذا پہنچانے کی جتنی شکلیں اس زمانہ میں عرب میں رائج تھیں، ان کو حرام قرار دیا، عام دستور تھا کہ نشانہ بازی کی مشق کے لیے جانوروں کو باندھ کر ان پر نشانہ لگاتے تھے، اس کی ممانعت فرمادی، حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی جاندار کو نشانہ نہ بناؤ، دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر لعنت بھیجی ہے جو کسی جاندار کو نشانہ بناتا ہے، اسی طریقہ سے زندہ جانوروں کو مشلہ کرنے یعنی ان کا کوئی زندہ عضو کاٹنے والے پر لعنت بھیجی ہے۔ (۳)

بے زبان جانوروں کو بھی بھوکا رکھنا یا اور کسی قسم کی تکلیف پہنچانا سخت گناہ ہے، ایک عورت کی نسبت فرمایا کہ اس پر صرف اس لیے عذاب ہوا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ کر اس کا کھانا پینا بند کر دیا، جس سے وہ مر گئی۔ (۴)

چیونٹیوں تک کو تکلیف پہنچانے کی ممانعت ہے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کسی سفر میں تھے، صحابہ بھی ساتھ تھے، ایک مقام پر پڑاؤ ہوا، ایک ضرورت سے تشریف لے گئے واپس آئے تو دیکھا کہ ایک صحابی نے ایسی جگہ چولہا جلایا ہے جہاں چیونٹیوں کی بل تھی، آپ نے پوچھا یہ کس نے کیا ہے، صحابی نے عرض کیا میں نے، فرمایا: اس کو جلدی بجھاؤ۔ (۵)

(۱) بخاری کتاب الذبائح والصيد باب الخذف والبدقة (۲) مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۴۳۶

(۳) یہ سب روایتیں نسائی باب ذبائح الیہود اور مسلم کتاب الصيد والذبائح باب انہی عن صبر

الیہائم میں ہیں (۴) یہ روایت حدیث کی متعدد کتابوں میں ہے (۵) مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۳

ایک مرتبہ جہاد کے ایک سفر میں صحابہ کرامؓ ایک چڑیا کے دو بچے پکڑ لائے، چڑیا بچوں کی محبت میں ان کے گرد منڈلانے لگی، رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو پوچھا اس کے بچوں کو کس نے پکڑ کر اس کو بے قرار کیا ہے، ان کو فوراً چھوڑ دو، بعض صحابہ نے چیونٹیوں کا گھر جلا دیا تھا، رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا: آگ کی سزا دینا صرف خدا کے لیے سزاوار ہے۔ (۱)

جانوروں کو ستانا گناہ ہے لیکن عام طور سے لوگ اس کا لحاظ نہیں کرتے، رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں اس کی ممانعت فرمائی کہ تم لوگ جانوروں کو جس طرح ستاتے ہو اگر خدا اس کو معاف کر دے تو سمجھو کہ اس نے تمہارے بہت سے گناہ معاف کر دیئے۔ (۲)

جس طرح جانوروں کو ستانا اور ان کو ایذا پہنچانا گناہ ہے، اسی طرح ان کو آرام پہنچانا ثواب کا کام ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ یہ سبق آموز واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شخص کہیں جا رہا ہے، راستہ میں اس کو سخت پیاس لگی اتفاق سے ایک کنواں نظر آیا، اس نے کنوئیں میں اتر کر پانی پیابا ہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے زبان نکالے کچڑ چاٹ رہا ہے، اس کو اس پر ترس آ گیا، دوبارہ کنوئیں میں اتر کر پانی لا کر اس کو پلایا، خدا نے اس کے صلہ میں اس کو بخش دیا، یہ واقعہ سن کر صحابہؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا جانوروں کے ساتھ سلوک کرنے میں بھی اجر ملتا ہے، فرمایا: ہر جاندار کے ساتھ سلوک کرنا ثواب ہے۔ (۳)

ایک صحابی نے آپ سے عرض کیا کہ میں نے اپنے اونٹوں کے لیے پانی کے حوض بنائے ہیں، بھولے بھٹکے اونٹ بھی اس میں پانی پینے کے لیے آ جاتے ہیں، اگر ان کو پانی پلا دوں تو کیا مجھ کو ثواب ملے گا، فرمایا: ہر پیاسے اور جاندار کے ساتھ سلوک کرنے پر ثواب

(۱) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی کراہۃ حرق العدو فی النار (۲) مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۴۴۱

(۳) بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الناس والبهائم

(۱)۔ ملتا ہے۔

انسان جو درخت لگاتا یا کھیتی کرتا ہے اس کے پھل اور غلے جو انسان یا جانور کھاتا ہے یا جو چڑیاں چگتی ہیں وہ بھی صدقہ ہے۔ (۲)

جانوروں کے چارے اور دانے پانی وغیرہ کا خیال رکھنا چاہیے، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک اونٹ دیکھا جس کا پیٹ بھوک کی وجہ سے پیٹھ سے لگ گیا تھا، اس کو دیکھ کر فرمایا کہ ان بے زبان جانوروں کے بارہ میں خدا سے ڈرو، ان پر سوار ہو تو ان کو اچھی حالت میں رکھ کر سواری کرو اور ان کو کھاؤ تو اچھی حالت میں رکھ کر کھاؤ۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے، اس میں ایک اونٹ تھا وہ آپؐ کو دیکھ کر بلبلا یا اور آبدیدہ ہو گیا، آپؐ اس کے پاس گئے اور اس کی کنپٹی پر محبت سے ہاتھ پھیرا اور پوچھا یہ کس کا اونٹ ہے، ایک انصاری نو جوان نے کہا: میرا، فرمایا: اس جانور کے بارہ میں جس کا خدا نے تم کو مالک بنایا ہے خدا سے نہیں ڈرتے، اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے اور اس پر سختی کرتے ہو۔ (۳)

سواری کے جانوروں کو تیز چلانے یا سرکش جانوروں کو قابو میں رکھنے کے لیے عموماً لوگ ان کو مارتے ہیں، گھوڑے اور اونٹ وغیرہ پر نشان لگانے کے لیے ان کو داغتے ہیں، اس کی تو اجازت ہے لیکن منہ پر مارنے اور اس کو داغنے کی ممانعت ہے، ایسا کرنے والے کو رسول اللہ ﷺ نے ملعون قرار دیا ہے۔ (۴)

تفریح کے لیے جانوروں کو لڑا کر ان کا تماشہ دیکھنا بہت پرانا دستور ہے، جواب بھی قایم ہے اس سے جانوروں کے زخمی ہونے اور ہلاک ہو جانے کے علاوہ اور کوئی فائدہ

(۱) ابن ماجہ باب فضل صدقۃ الماء (۲) بخاری باب ابواب الحرث والمصارعة باب فضل الزرع والغرس اذا اكل منه (۳) یہ دونوں روایتیں ابوداؤد کتاب الجہاد باب ما یومر بہ من القیام علی الدواب میں ہیں۔ (۴) ابوداؤد کتاب الجہاد باب وسم الدواب

نہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کی بھی ممانعت فرمادی۔ (۱)

جانوروں پر شفقت کی انتہا یہ ہے کہ غصہ اور جھجلاہٹ میں ان پر لعنت بھیجنے تک (۲) کی ممانعت ہے، سفر و حضر ہر حالت میں جانوروں کی آرام و آسائش کا خیال رکھنا چاہیے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم لوگ سرسبزی اور شادابی کے زمانہ میں سفر کرو تو اونٹوں کو سرسبزی سے فائدہ پہنچاؤ اور جب قحط کے زمانہ میں سفر کرو تو ان کو تیزی کے ساتھ چلاؤ (۳) تاکہ قحط کے زمانہ میں ان کو چارہ کی جو تکلیف ہوتی ہے، اس سے جلد نجات مل جائے۔

جو جانور جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اس سے وہی کام لینا چاہیے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص ایک بیل پر سوار تھا، بیل نے مڑ کر اس سے کہا کہ میں اس کام کے لیے نہیں پیدا کیا گیا بلکہ کھیتی باڑی کے لیے پیدا کیا گیا ہوں۔ (۴)

ایک مرتبہ فرمایا کہ اپنے جانوروں کی پیٹھ کو منبر نہ بناؤ، خدا نے صرف اس لیے تمہارا تابع کیا ہے کہ تم کو وہ ایسے مقامات پر آسانی کے ساتھ پہنچا دیں جہاں تم مشقت اٹھانے کے بعد پہنچ سکتے، خدا نے تمہارے لیے زمین کو پیدا کیا ہے، اس لیے اپنی ضرورتیں اسی پر پوری کیا کرو (۵) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بلا ضرورت غیر ضروری مشقت کا بار جانوروں پر نہ ڈالنا چاہیے لیکن ضرورت کے وقت کام لیا جاسکتا ہے۔

ان تفصیلات سے اندازہ ہوگا کہ اسلام کا دامن رحمت اتنا وسیع ہے کہ وحوش و طیور تک اس سے محروم نہیں ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بلا ضرورت سرسبز و شاداب اور پھلدار درختوں تک کو کاٹنے اور ان کو نقصان پہنچانے کی ممانعت ہے، جنگ کی حالت میں عموماً

(۱) ابوداؤد باب تحریش البہائم (۲) کتاب الصيد والذبائح باب نہی عن لعن الدواب وغیرھا

(۳) مسلم کتاب الامارۃ باب مراعاة مصلحة الدواب فی السیر والنہی عن التعریش فی الطريق

(۴) بخاری ابواب الحرث والمزارعة باب استعمال البقر للحرث (۵) ابوداؤد کتاب الجہاد

باب الوقوف علی الدابہ

فوجیوں سے ہر قسم کی بے عنوانی ہو جاتی ہے، اس لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ فوجی افسروں کو جنگی مہموں پر بھیجتے وقت جو ہدایت فرماتے تھے ان میں ایک ہدایت یہ بھی ہوتی تھی کہ وہ پھلدار درختوں کو نہ کاٹیں گے اور نخلستانوں کو نہ جلائیں گے (۱) اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب جنگ کی حالت میں بلا ضرورت مفید اور کارآمد درختوں کو کاٹنے کی ممانعت ہے تو امن کی حالت میں اور بھی زیادہ ہوگی۔



(۱) تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۹۶

چودہواں باب

مسلمانوں کے علمی احسانات

قدیم علوم کا تحفظ اور ان کی ترقی

یہ مسلمانوں کا قابل فخر کارنامہ اور دنیا پر ان کا بڑا احسان ہے کہ انھوں نے دوسری قوموں کے علوم اور ان کے اصحاب کمال سے کسی قسم کا تعصب نہیں برتا، ان کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر گوشہ گمنامی سے نکالا، ان کو محفوظ کر کے ترقی دی، خود بھی ان سے فائدہ اٹھایا اور دنیا سے اس کو روشناس کر کے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچایا، یہ علوم یونانی، سریانی، لاطینی، ایرانی اور ہندوستانی تھے، اس لیے ان کے جاننے والے بھی زیادہ تر عیسائی، یہودی، صابی، مجوسی اور ہندو تھے، ان کو جمع کر کے ان کی قدردانی کی، ان کے مراتب بڑھائے، ان کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں اور ان سے ان علوم کی کتابوں کا ترجمہ کرایا، ان کی تصحیح و اصلاح کی، ان کے شروع و حواشی لکھے پھر ان سے واقفیت کے بعد ان فنون پر مستقل تصانیف کا سلسلہ شروع ہوا، بہت سے قدیم خصوصاً یونانی علوم مسلمانوں ہی کی بدولت زندہ رہے، اگر انھوں نے ان کو محفوظ نہ کیا ہوتا تو دنیا سے ان کا نام و نشان مٹ جاتا اور وہ موجودہ علمی ترقی سے محروم رہ گئی ہوتی، اس کا آغاز بنی امیہ ہی کے زمانہ میں ہو گیا تھا، لیکن اصلی علمی دور عباسی عہد سے

شروع ہوا، منصور عباسی نے اس کی ابتدا کی، ہارون رشید نے آگے بڑھایا اور مامون نے اوج کمال تک پہنچایا، اس کی تفصیل کے لیے مستقل کتاب کی ضرورت ہے، اس لیے اس باب میں اس کا صرف اجمالی ذکر کیا جائے گا۔

اموی عہد میں: اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ اموی خاندان کے ایک رکن خالد بن یزید بن معاویہ کو جو بڑا فاضل تھا کیمیا سے بڑی دلچسپی تھی، اس کی تعلیم اس نے ایک عیسائی عالم مریانس سے حاصل کی تھی (۱) اور اس میں اتنی دست گاہ پیدا کی کہ خود اس پر کئی کتابیں لکھیں، ابن ندیم نے اس کی تصانیف میں کتاب الحرارة، کتاب الصحیفۃ الکبیر اور کتاب الصحیفۃ الصغیر کے نام لکھے ہیں (۲) اس نے ایک عالم اصطفیٰ سے بعض کتابوں کا ترجمہ بھی کرایا تھا (۳) عبد الملک کے کاتب سالم نے سکندر کے نام ارسطو کے خطوط کا ترجمہ کیا (۴) ایک یہودی عالم ماسرجویہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے لیے یونانی حکیم اہرن القس کی قرابادین کا ترجمہ کیا۔ (۵)

بنی امیہ کے زمانہ میں بعض اور ترجمے بھی ہوئے لیکن ان کی حیثیت انفرادی ذوق کی تھی، منظم علمی دور عباسی عہد سے شروع ہوا، ابن صاعد اندلسی لکھتا ہے۔

عباسی دور: اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے دوسری قوموں کے علوم کی طرف توجہ کی، وہ ایک فاضل خلیفہ تھا، فقہ میں مہارت کے ساتھ فلسفہ و نجوم میں بھی کمال رکھتا تھا، خصوصاً نجوم سے بڑا شغف تھا (۶) چنانچہ اس نے قیصر روم سے یونانی علوم کی کتابیں مانگ بھیجیں، اس نے اقلیدس اور طبیعیات کی چند کتابیں بھیجیں (۷) ان کے علاوہ دوسرے فنون کی کتابیں فراہم کر کے ان کا ترجمہ کرایا، جورجیس طبیب نے طبی اور بطریق نے سقراط اور جالینوس کی کتابوں کا ترجمہ کیا (۸) اس کا درباری منجم نوبخت مجوسی

(۱) ابن خلکان ج ۱ ص ۳۰۰ (۲) فہرست ابن ندیم ص ۴۹۷ (۳) ایضاً ص ۳۴۰ (۴) ایضاً (۵)

اخبار الحکما قفطی ص ۲۱۳ (۶) طبقات الامم ص ۴۸ (۷) مقدمہ ابن خلدون ص ۴۰۱ (۸) تاریخ

الاطباء ج ۱ ص ۱۱۳

اپنے زمانہ کا بڑا نامور منجم تھا، اسکے بعد اس کا لڑکا ابوسہل باپ کا جانشین ہوا، اس کا مجوسی نام بڑا المبا تھا منصور نے نام سن کر کہا یا اپنا نام مختصر کر دیا اپنی کنیت ابوسہل رکھو، چنانچہ اس نے ابوسہل کنیت اختیار کر لی اور اسی نام سے مشہور ہوا (۱) نجوم سے منصور کے شغف کی خبر سن کر ہندوستان کا ایک منجم بغداد پہنچا اور ہندوستانی ہیئت کی کتاب سدھانت منصور کی خدمت میں پیش کی (۲) منصور نے محمد بن ابراہیم فزاری سے عربی میں اس کا ترجمہ کرایا اس نے اس کی مدد سے ایک کتاب سندھ ہند کبیر لکھی جو مامون کے زمانہ پر معمول بہ رہی (۳) اس کی مزید تفصیل آئندہ آئے گی، اس زمانہ میں عبداللہ بن مقفع نے کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ کیا اس کے علاوہ اور بھی فارسی کتابوں کے ترجمے ہوئے ان کا ذکر بھی آئندہ آئے گا۔

منصور کے بعد ہارون نے اس کام کو اور آگے بڑھایا، اس کو انقرہ، عموریہ اور دوسرے رومی شہروں کی فتوحات میں جو کتابیں ملی تھیں ان کے ترجمہ کے لیے یوحنا بن ماسویہ کی زیر نگرانی ایک مستقل محکمہ قائم کیا اور کئی مترجم اس کی مدد کے لیے مامور کیے (۴) حجاج بن مطر نے اقلیدس کا پہلا ترجمہ کیا جو ہارون کی نسبت سے ہارونی مشہور ہے۔ (۵) ہارونی عہد میں برا مکہ کی علم دوستی سے علم و فن کو بڑا فروغ ہوا خود یحییٰ بن خالد برمکی نے مجسطی کا ترجمہ کیا تھا، طب کی بعض کتابوں کے بھی ترجمے ہوئے۔

اس کے بعد جب مامون تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس نقطہ کو دائرہ اور اس زمین کو آسمان بنا دیا، مامون بڑا فاضل تھا جملہ فنون میں اس کو کمال حاصل تھا، خصوصاً فلسفہ سے بڑی دلچسپی تھی اگر اس کی جانب بادشاہت کی نسبت نہ ہوتی تو تاریخ اسلام کے نامور علما میں اس کا شمار ہوتا، اس نے اپنی ساری کوشش اور تمام ذرائع علم و فن کی خدمت و ترقی میں صرف کر دیئے، بڑے اعلیٰ پیمانہ پر ایک بیت الحکمتہ قائم کیا اور مختلف قوموں اور ملکوں سے ان کے علوم کی کتابیں منگا کر بیش قرار تنخواہوں پر مترجم مقرر کیے اور ہر قوم و ملت کے اصحاب کمال

(۱) تاریخ مختصر الدول ابن العربی ص ۲۱۶ (۲) طبقات الامم ابن صاعد اندلسی ص ۴۹-۵۰ (۳)

ایضاً (۴) اخبار الحکما ص ۲۴۹ (۵) فہرست ابن ندیم ص ۳۷۱

جمع کر کے ان کے وظائف مقرر کیے، ان کے مراتب بڑھائے، اس کی قدردانی دیکھ کر دور دور کے علما کھینچ کھینچ کر بغداد میں جمع ہو گئے اور وہ اس زمانہ میں علم و فن کا سب سے بڑا مرکز بن گیا، ابن صاعد اندلسی لکھتے ہیں۔

جب ساتواں عباسی خلیفہ مامون تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے اپنے دادا منصور کے کام کو جس کی اس نے ابتدا کی تھی کمال تک پہنچایا اور اپنی ہمت کی بلندی اور اپنے نفس کی شرافت و فضیلت سے علوم کو ان کے خزانوں اور مرکروں سے نکالنے کی طرف توجہ کی اس کے لیے روم کے بادشاہوں سے تعلقات پیدا کیے اور ان کو قیمتی تحفے بھیج کر اس کے معاوضہ میں ان سے فلاسفہ کی کتابیں مانگ بھیجیں، چنانچہ انھوں نے افلاطون، ارسطو، بقراط جالینوس، اقلیدس اور بطلمیوس وغیرہ حکمائے یونان کی کتابیں بھیجیں، مامون نے ماہر مترجموں سے ان کا ترجمہ کرایا اور لوگوں کو ان کے پڑھنے اور ان کی تعلیم حاصل کرنے کا شوق دلایا، اس کی کوششوں سے اس کے زمانہ میں علم کا بازار گرم ہو گیا اور صحیح معنوں میں علم و حکمت کی حکومت قائم ہو گئی، جب علما اور اصحاب و جاہت نے دیکھا کہ مامون اصحاب علم و کمال کو مقرب بناتا اور ان کی صحبت میں بیٹھتا، ان کے علمی مباحث سے لطف اندوز ہوتا ہے اور ان کو بڑے بڑے عطیے و انعامات دیتا ہے تو اس میدان میں مسابقت کا شوق پیدا ہو گیا، مامون کا سلوک فقہاء، محدثین، متکلمین، اہل لغت و اخبار اور نساب و شعر و ادب کے فاضلوں کے ساتھ یکساں تھا، اس لیے اس کے زمانہ میں مختلف فنون کے فضلاء نے فلسفہ کی مختلف شاخوں میں مہارت پیدا کی اور اپنے بعد آنے والوں کے لیے طب کا راستہ ہموار کیا، ادب کے آئین وضع کیے اور دولت عباسیہ رومنوں کے عہد شباب کا مقابلہ کرنے لگی۔ (۱)

مامون کے زمانہ میں یونانی، سریانی، فارسی، سنسکرت، عبرانی اور لاطینی وغیرہ مختلف زبانوں کی کتابیں ترجمہ ہوئیں جن کے جاننے والے قریب قریب کل غیر مسلم تھے، اس لیے وہی مترجم بھی تھے، مسلمان بہت کم تھے، منصور اور ہارون کے بعض مترجم مامون

(۱) طبقات الامم ص ۴۸

کے زمانہ تک رہے، مشہور غیر مسلم مترجموں کے نام یہ ہیں۔

بطریق، یحییٰ بن بطریق، حجاج بن مطر، عبدالمسیح، سلام الابرش، حبیب بن بہریر، مطران زروبا بن ماجورہ، ہلال بن ابی ہلال حمصی، تزاری، فیتون، سیل المطران، ابونوح بن صلت اسطاث، جیرون، اصطفیٰ بن بابل، تیوفیلی، عیسیٰ بن نوح، تدرس النسل، دارلج الراہب ہیایشون، چلیپا، ایوب الرہاوی، یوحنا بن یوسف، قسطا بن لوقا بعلبکی، داریشوع (۱) ان کے علاوہ حنین بن اسحاق عبادی، اسحاق بن حنین، سرجیس الراس، سلمو یہ بن بنان اور حتی بن یونس بھی مترجمین میں تھے ان میں زیادہ تر عیسائی اور یہودی تھے۔

ثابت بن قرہ اور اس کی اولاد صابی تھی، عبد اللہ بن سہل بن نوبخت اور اس کی اولاد مجوسی تھی، ابن دھون ہندو تھا (۲) چند مسلمانوں نے بھی بعض زبانوں میں مہارت پیدا کر لی تھی، عبد اللہ بن مقفع فارسی کا مترجم تھا۔

ان مترجموں نے مختلف زبانوں اور مختلف علوم و فنون کی سیکڑوں کتابیں ترجمہ کیں خصوصاً یونانی علوم کا قریب قریب پورا اہم ذخیرہ عربی میں منتقل کر لیا، ان سب کا احاطہ دشوار ہے، اس کا صرف اجمالی ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) یونانی علوم کی کتابیں

(فلسفہ و ادب)

افلاطون کی کتابیں: کتاب السیاسة، کتاب المناسبات، کتاب النوامیس، طیمائوس، اقرطن کے نام افلاطون کے خطوط، کتاب التوحید، کتاب الحس واللذۃ، اصول الہندسہ۔

ارسطو کی کتابیں: قاطیفوریاس (المقولات)، کتاب العبارة، تحلیل القیاس، کتاب

(۱) ابن ندیم نے اور بہت سے نام لکھے ہیں دیکھو فہرست ص ۳۴۱ (۲) ان سب کے حالات اور

ان کے تراجم و تصانیف کے نام فہرست ابن ندیم، تاریخ الحکما قفطی، طبقات الاطباء، ابن الصبیحہ، طبقات الامم ابن صاعد اندلسی وغیرہ میں ہیں۔

البرہان، کتاب الجدل، المغالطات، کتاب الخطابة، کتاب الشعر، کتاب السماع الطبعی، کتاب السماء والعالم، کتاب الکلون والفساد، کتاب الآثار العلویہ، کتاب النفس، کتاب الحس والمحسوس، کتاب الحيوان، کتاب الحروف، کتاب الاخلاق، کتاب المرأة۔

ارسطو کی بعض کتابوں کی شرحوں کا بھی ترجمہ ہوا اور مترجمین نے بھی شرحیں لکھیں ان کا ذکر ابن ندیم وغیرہ نے کیا ہے۔

(۲) طب اور اس کے متعلقات

بقراط کی کتابیں: کتاب عہد بقراط، کتاب الفصول، کتاب الکسر، کتاب تقدمت المعرفة، کتاب الامراض الحادة، کتاب ابنذیمیا، کتاب الاخلاط، کتاب قاطیونیون، کتاب الماء والهواء، طبیعة الانسان۔

جالینوس کی کتابیں: جالینوس کی مشہور کتابیں سولہ ہیں: کتاب الفرق، کتاب الصناعة، کتاب النبض، شفاء الامراض، المقالات الخمس، الانطقسات، کتاب المزاج، القوى الطبيعية، العلل والامراض، تعرف علل الامراض، کتاب النبض الکبیر، کتاب الحمایات، البحران، ایام البحران، تعرف علل الامراض الباطنة، تدبیر الاصحاء، حيلة البراء۔

ان امہات کتب کے علاوہ جالینوس کی تقریباً پچاس دوسری کتابوں کا ترجمہ ہوا

ان کے نام یہ ہیں۔

التشریح الکبیر، اختلاف التشریح، تشریح الحيوان الحی، تشریح الحيوان لمیت، علم البقراط بالتشریح، الحاجة الى النبض، علوم ارسطو، تشریح الرحم، آراء بقراط و افلاطون، السعادات، نصب البدن، المنی، منافع الاعضاء، ترکیب الادویہ الرياضية بالکرة الصغيرة، الرياضة بالکرة الکبيرة، الحث علی تعلم الطب، قوى النفس ومزاج البدن، حركات الصدر، علل النفس، حركة المعصل، الحاجة الى النبض، الامتلاء، المرة السوداء، کتاب الصوت، کتاب الحركات المجحولة، افضل الحمیات، الادویة المفردة، المولود لسبعة اشهر، رداء النفس، الذبول،

قوی الاغذیہ، التدبیر الملطف، مداوۃ الامراض، تدبیر بقراط للامراض الحادة، الی تراسوبولوس، الطیب والفیلسوف، کتب بقراط الصحیحہ، محمۃ الطیب، افلاطون فی طیمائوس، تقدمۃ المعرفۃ، الفصد، صفات بصی یصرخ، الاورام، الکیموس، الادویہ والادواء، التریاق۔
ان کے علاوہ دوسرے یونانی اطباء کی کتابوں کے بھی ترجمے ہوئے جن کو قلم انداز کیا جاتا ہے۔

(۳) ریاضیات، نجوم اور دوسرے فنون

حکیم اقلیدس کی کتابیں: اس کی مشہور کتاب اقلیدس کا پہلا ترجمہ ہارون کے زمانہ میں ہوا تھا، جو ہارونی کے نام سے موسوم ہوا، یہ ترجمہ ناقص تھا، اس لیے مامون نے دوسرا ترجمہ کرایا جو مامونی کے نام سے موسوم تھا، الظاہرات، کتاب اختلاف المناظر، کتاب الموسیقی، کتاب القسمۃ، کتاب القانون، کتاب الثقلی والخفۃ۔
ابونیوس کی کتابیں: کتاب المحرّوطات، کتاب قطع السطوح، قطع الخطوط، النسبۃ المحدودۃ، الدوائر الخماسۃ

مقالادس: کتاب الاشکال الکرویۃ، و کتاب الہندسہ
بطلموس: المجسطی، کتاب الاربعۃ، کتاب جغرافیاء المعمور وصفۃ الارض، اس کے علاوہ جغرافیہ کی ۱۵ کتابوں کا اور ترجمہ ہوا۔

مختلف علوم اور مختلف حکما کی کتابیں: کتاب صناعت الجبر، کتاب قسمۃ الاعداد ابرخس، کتاب صنعة الجبر ذیو فیطس، کتاب العمل بالاضطرار بالمسطح ایون البطریق، کتاب جرم الشمس والقمر ارسطرخس، کتاب العمل بذات الحلق، القانون المسیر، کتاب العمل بالاضطرار لابن سکندری، کتاب الموسیقی الکبیر، نیقوماخس مقالات موسیقی فیثاغورس وغیرہ کتاب الریمونس، کتاب لایقاع ارسطکاس، کتاب الآلات المسوۃ المسماۃ بالارغن البوقی والارغن الرمزى مورطس میکنک کی کتابوں میں کتاب الحیل الروحانیۃ، کتاب رفع الاثقال ایران،

کتاب المیاء باوردو گویا۔

ان سب کتابوں کے تقریباً کل مترجمین غیر مسلم تھے۔

(۴) فارسی کی کتابیں

فارسی زبان سے زیادہ تر ادب، تاریخ، سیرت اور شاعری کی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا ہے، ان کا ترجمہ نوبخت منجم کی اولاد اور ابن المقفع نے کیا، ان میں مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔

رستم و اسفندیار، بہرام چور، خدائی نامہ، کلیلہ و دمنہ، مزدک، التاج سیرت نوشیرواں، الادب الکبیر، الادب الصغیر، الیتمہ، ہزار افسانہ، شہزاد مع پرویز، دارا اور سونے کا بت، بہرام و نرسی، ہزار داستان، الدب و الثعلب، سیر ملوک الفرس (۱)

(۵) ہندوستانی علوم کی کتابیں

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ منصور اور ہارون ہی کے زمانہ میں ہندوستانی اطباء اور منجمین بغداد پہنچ گئے تھے مگر اس زمانہ میں 'سدھانت' کے علاوہ اور کسی کتاب کے ترجمے کا پتہ نہیں چلتا، مامون نے ہندوستانی علوم کے ترجمے کی طرف بھی توجہ کی، طب، نجوم، ہیئت اور ریاضی ہندوستان کے خاص فن تھے، ان میں ہندوستانیوں کو بڑا کمال حاصل تھا اور ان فنون میں ان کی اہم تصانیف تھیں، ان میں منکہ، صالح بن بہلہ، شاناہ، ابن دھن، کنکہ اور سنجل کا ذکر عربی کتابوں میں ملتا ہے، منکہ اور صالح بن بہلہ کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، منکہ فارسی اور عربی (۱) یونانی فنون اور فارسی کی کتابوں کے ترجموں کا ذکر ابن ندیم نے مختلف فنون کے ماتحت کیا ہے طبقات الاطباء اور اخبار الحکما میں بھی ان فنون کے علما کے حالات میں ان کی کتابوں کا ذکر ہے، جرجی زیدان نے تاریخ تمدن اسلامی میں اور ڈاکٹر احمد رفاعی مصری نے عصر المامون کے پہلے حصہ میں مرتب طریقے سے کیا ہے، یہ سب کتابیں ہمارے پیش نظر رہی ہیں۔

سے بھی واقف تھا اور سنسکرت کی کتابوں کا ان دونوں زبانوں میں ترجمہ کرتا تھا (۱) شانا ق طب اور نجوم کا ماہر تھا، اس کی ایک کتاب کتاب السوم کا منکھ نے فارسی میں ترجمہ کیا تھا پھر مامون کے زمانہ میں عباس بن سعید جوہری نے اس کو عربی میں منتقل کیا (۲) ابن دھن برا مکہ کے شفا خانے کا افسر اعلیٰ تھا اور عربی میں سنسکرت کی کتابوں کا ترجمہ کرتا تھا (۳) کنکھ طب اور نجوم کا بڑا فاضل تھا، ان دونوں فنون میں اس کی تصانیف تھیں، ان کے نام ابن اصیبہ نے لکھے ہیں (۴) سنجھل بھی ان دونوں فنون کا ماہر تھا اور ان میں اس کی تصانیف تھیں، ابن اصیبہ نے اس کی بہت سی کتابوں کے نام لکھے ہیں، ان کے علاوہ باکھر، داہر، انکر، اتکل، جو در اور اندی کے نام بھی لیے ہیں (۵) ان سب کی کتابوں کے ترجمے عربی میں ہوئے مگر اب ان کا صرف نام کتابوں میں ملتا ہے۔

جن کتابوں کے ترجمہ کا صراحت ہے پتہ چلتا ہے، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

طب: سرو (ششترت) کی ایک کتاب، چرک کی ایک کتاب، اسماء عقاقیر الہند، مختصر الہند فی العقاقیر، علاجات الحبالی للہند، کتاب فی علاجات النساء، یہ ایک ہندوستانی عورت روسا کی تصنیف ہے، کتاب التوہم فی الامراض والعلل، کتاب رای الہند فی اجناس الحیات وسمومہا، استانکر الجامع، کتاب البیطرہ، کتاب بداں، کتاب صدرۃ الحج، ان کتابوں کا ذکر رازی نے بھی چابجا حاوی میں کیا ہے۔

نجوم و ہیئت: ہیئت میں سب سے اہم کتاب 'سدھانت' ہے، جس کا منصور کے زمانہ میں ترجمہ ہوا تھا، یہ ہیئت کی بنیادی کتاب تھی اس لیے مسلمان علمائے ہیئت نے اس کی طرف بڑی توجہ کی، مامون کے زمانہ میں محمد بن موسیٰ خوارزمی نے 'السندھ الہند الصغیر' کے نام سے اس کا اختصار کیا اور اس کی اور یونانی و ایرانی ہیئت کی کتابوں کی مدد سے اپنی مشہور و معروف زیج تیار کی، اس میں بہت سی نئی معلومات کا اضافہ کیا جس کو علمائے ہیئت نے بہت پسند کیا

(۱) طبقات الاطباء ج ۲ ص ۳۳ (۲) ایضاً ص ۳۴ (۳) فہرست ابن ندیم ص ۳۴۲

(۴) طبقات الاطباء ج ۲ ص ۳۲ (۵) ایضاً

اور ان میں یہ کتاب بہت مقبول ہوئی (۱) مامون ہی کے زمانہ میں شامیہ میں پہلی رصد گاہ قائم ہوئی اور یحییٰ بن ابی منصور، خالد بن عبد الملک مروزی، سندھ بن علی اور عباس بن علی نے زچیں کر کے کواکب کا مشاہدہ کیا (۲) کتاب النمودار فی الاعمار، کتاب اسرار الموالید، کتاب القرآنات الکبیر، کتاب القرآنات الصغیر، کتاب فی احداث العالم والدور فی القرآن کتاب الموالد الکبیر، کتاب اسرار المسائل، اهرقن، ارجند وغیرہ۔

اس سلسلہ میں البیرونی کا جو اگرچہ چوتھی پانچویں صدی کا آدمی ہے تذکرہ ضروری ہے، وہ سنسکرت کا عالم اور ہندوستانی علوم خصوصاً نجوم، ہیئت و ریاضت کا بڑا فاضل تھا، اس نے ہندوستانی علوم و آداب کی اتنی خدمت کی جو خود ہندوؤں سے بھی نہ ہو سکی تھی، اس نے سنسکرت کی کتابوں کا عربی میں اور عربی تصانیف کا سنسکرت میں ترجمہ کیا اور ہندوستانی علوم پر مستقل کتابیں تصنیف کیں، جن کے ذریعہ دنیا ہندوستان اور ہندوستانی علوم سے آگاہ ہوئی، اس کی بہت سی کتابیں چھپ چکی ہیں، ان میں کتاب الہند اور قانون مسعودی زیادہ مشہور ہیں۔

ادب اور اس کے متعلقات: کلیلہ و دمنہ اس کا عربی نثر و نظم دونوں میں ترجمہ ہوا، کتاب سند باد الکبیر، کتاب سند باد الصغیر، کتاب البد (بدھ) کتاب بوداسف، کتاب ادب الہند والصین، کتاب للہند فی قصۃ ہبوط آدم، کتاب دیک الہندی فی الرجل والمرأۃ، کتاب البیدبانی الحکمة بوداسف و بودھر، حکمت کی ایک اہم کتاب (۳)

مختلف علوم و فنون: ان کے علاوہ منطق، موسیقی، کیمیا، جوش، رمل، منتر، جادو وغیرہ کی شکر کی بہت سی کتابیں ترجمہ ہوئیں، بعض ایسی کتابوں کے نام بھی ملتے ہیں جن کے موضوع کا پتہ نہیں چلتا، اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔ (۴)

طبقات الامم ص ۵۰ و اخبار الحکما ص ۱۷۲ (۲) طبقات الامم ص ۵۰ (۳) سنسکرت کی کتابوں کے ترجمہ کا ذکر ابن ندیم، طبقات الاطباء، اخبار الحکما اور تاریخ کی مختلف کتابوں میں ہے۔ (۴) مولانا سید سلیمان ندوی نے عرب و ہند کے تعلقات میں ان سب کتابوں کا استقصا کیا ہے، ہم نے صرف اہم کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

(۵) کلدانی یا نبطی کتابیں

نبطی یا کلدانی زبان بھی اس عہد کی علمی زبانوں میں تھی، اس کی متعدد اہم کتابوں کا ترجمہ ہوا ان میں سے سب سے اہم کتاب الفلاحۃ اپنے موضوع پر منفرد تھی، اس میں کھیتی اور پھل دار درختوں کی کاشت، ان کی اصلاح و ترقی اور آفات ارضی و سماوی سے ان کے تحفظ کی تفصیل درج تھی، نبطی اس کو کسی پر ظاہر نہ کرتے تھے، احمد بن علی بن مختار نبطی المعروف بابن وحشیہ نے اس کو بڑی مشکل سے حاصل کر کے عربی میں اس کا ترجمہ کیا، ورنہ یہ نادر کتاب ضائع ہو گئی ہوتی، کتاب الفلاحۃ الصغیر۔

ان کے علاوہ مختلف فنون کی حسب ذیل کتابوں کا ترجمہ ہوا۔

کتاب اسرار الکواکب، کتاب الحیاء والموت فی علاج الامراض، کتاب الطبیعة، کتاب دور علی مذہب نبط، کتاب القرائین، کتاب مذاہب الکلدانین فی الاصنام، کتاب السحر الکبیر، کتاب السحر الصغیر، کتاب فی الطلسمات، کتاب الاصنام، کتاب الاسماء۔

(۶) عبرانی اور لاطینی (۱)

یہودیوں کا علمی ذخیرہ زیادہ تر مذہبی قوانین اور شرعی آئین و آداب پر مشتمل تھا، ان کو تالمود سے عربی میں منتقل کیا گیا، بہت سے یہودی عہد رسالت میں اسلام قبول کر چکے تھے، اس لیے عہد صحابہ ہی سے اس کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، جس کے آثار آج تک اسرائیلی روایات میں ملتے ہیں، لیکن ان میں تورات کے عربی ترجمہ کے علاوہ کوئی چیز باقی نہیں رہی، تورات کا ترجمہ عباسی عہد میں سعید فیومی نے کیا تھا۔

لاطینی اس عہد کی علمی زبان تھی، اس میں فلسفہ تاریخ اور قوانین کا بڑا ذخیرہ تھا،

(۱) کلدانی، لاطینی اور سریانی کتابوں کے ترجمے کا ذکر بھی ابن ندیم نے متفرق طور سے کیا ہے، ڈاکٹر احمد رفاعی نے مرتب طریقہ سے ان کو یکجا کر دیا ہے، ہم نے اسی سے نقل کیا ہے۔

ان کے تراجم کا ذکر تو نہیں ملتا لیکن یقیناً لاطینی کی کتابوں کا بھی ترجمہ ہوا، اس لیے کہ مامونی عہد کے مترجم یحییٰ بن بطریق کی زبان لاطینی ہی تھی، اس نے جو کتابیں ترجمہ کیں وہ لاطینی رہی ہوں گی۔

دو چار کتابوں کے علاوہ یہ پوری فہرست مامونی عہد کے ترجموں کی ہے، دوسرے خلفاء کے زمانہ میں بھی اس کا کچھ نہ کچھ سلسلہ قائم رہا، اس سے اندازہ ہوگا کہ عباسی خلفائے اس عہد کے اہم علوم کا بہت بڑا ذخیرہ عربی میں منتقل کر لیا تھا اور محض نقل و ترجمہ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مسلمانوں میں ان علوم کے بڑے بڑے علما پیدا ہوئے، جنہوں نے ان کو بڑی ترقی دی اور ان پر مستقل کتابیں لکھیں، ان سے متعلق عملی تجربات اور بہت سے نئے علوم پیدا کیے عباسی دور کی اس علمی حرکت سے سارے اسلامی ملک متاثر ہوئے، چنانچہ اس زمانہ میں جو نئی حکومتیں قائم ہوئیں، وہ سب علمی میدان میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتی تھیں، خاص طور سے اندلس کی اموی اور مصر کی فاطمی حکومت نے بڑے عظیم الشان علمی کارنامے انجام دیے اور یہ کہنا صحیح ہوگا کہ عباسیوں کے زمانہ میں جو علمی نہضت شروع ہوئی تھی، امویوں نے اس کو اوج کمال تک پہنچایا اور بغداد کے بعد اندلس نہ صرف اسلامی دنیا بلکہ اس دور کا سب سے بڑا علمی مرکز بن گیا جس کے ذریعہ یورپ میں علم کی روشنی پھیلی۔

اندلس کے اکثر خلفاء علم دوست تھے، مگر ان میں حکم مستنصر باللہ (۳۵۰-۳۶۶) کو امویوں میں وہی درجہ حاصل تھا جو عباسیوں میں مامون کا تھا، ابن صاعد اندلسی لکھتا ہے کہ امیر حکم مستنصر باللہ کو علم و فن اور اصحاب علم سے بڑا شغف تھا، اس نے بغداد، مصر اور مشرقی ملکوں سے اس کثرت سے جدید و قدیم علوم کی اہم اور نادر کتابیں جمع کیں کہ اس کا کتب خانہ عباسیوں کے صدیوں کے جمع کردہ ذخیرہ کی ہمسری کرنے لگا اور اس کے زمانہ میں لوگوں میں قدیم علوم کے پڑھنے اور ان کے مذاہب سے واقفیت پیدا کرنے کا عام ذوق پیدا ہو گیا۔ (۱)

(۱) طبقات الامم ص ۶۶

مقری کا بیان ہے کہ حکم مستنصر باللہ بڑا فاضل اور علم دوست بادشاہ تھا، علم ہی اس کا اوڑھنا بچھونا تھا، اس کے لیے اس نے ساری لذتیں ترک کر دی تھیں، اس نے کتابوں کی فراہمی میں بڑی دولت صرف کی، دور دراز ملکوں میں آدمی بھیج کر کتابیں منگائیں، بڑے بڑے کتب خانوں میں کتابیں نقل کرنے کے مستقل کاتب مقرر تھے، اس کا کتب خانہ اتنا بڑا تھا کہ اس کے وصف سے قلم قاصر ہے، اس میں چار لاکھ کتابیں تھیں، ان میں بیشتر کتابیں اس کے مطالعہ میں رہ چکی تھیں اور اس پر اس کے حواشی اور نوٹ تھے۔ (۱)

بنی امیہ اندلس کے نامور انگریز مورخ ایس۔ پی۔ اسکاٹ نے حکم کی علم دوستی اور اس کے کتب خانہ کا حال کئی صفحات میں لکھا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حکم بڑا علم دوست خلیفہ تھا، اس کو ہر قسم کی علم و فن کی کتابیں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا، اس کے گماشتے کتابوں کی خریداری کے لیے تمام دنیا میں پھیلے ہوئے تھے جو بڑی بڑی قیمتوں پر کتابیں خریدتے تھے بڑے بڑے کتب خانوں میں نقل نویس مقرر تھے جو اہم کتابیں نقل کر کے بھیجتے تھے، کتب خانہ کی عمارت شکوہ میں قصر شاہی سے کم نہ تھی، اس کتب خانہ کی وسعت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کی کتابوں کی فہرست چوالیس جلدوں میں تھی۔ (۲)

فاطمی خلفا کا قدم بھی اس میدان میں پیچھے نہیں رہا، ان میں عزیز باللہ (۳۶۵-۳۸۶) سب سے زیادہ علم دوست تھا، اس کا وزیر یعقوب بن کلس بھی بڑا فاضل اور علم و اصحاب علم کا بڑا قدر دان تھا، ابن خلکان کا بیان ہے کہ یعقوب اہل علم کو بہت دوست رکھتا تھا، اس کے یہاں علما کا مجمع رہتا تھا، ہر جمعہ کو ایک علمی مجلس ہوتی جس میں مختلف علوم و فنون کے علما اور اصحاب کمال اور اعیان دولت جمع ہوتے تھے، اس کے محل میں قرآن، حدیث، فقہ، ادب اور طب وغیرہ کی کتابوں کی نقل و کتاب کے لیے بہت کاتب مقرر تھے۔ (۳)

عزیز باللہ کو بھی حاکم کی طرح کتابوں کے جمع کرنے کا بڑا شوق تھا، اس نے نادر

(۱) فتح الطیب ج ۱ ص ۱۸۴ (۲) تفصیل کے لیے دیکھو اخبار الاندلس اردو ترجمہ ہسٹری آف دی

مورش امپائر ان یورپ ج ۱ ص ۶۷۱ و ما بعد (۳) ابن خلکان ج ۳ ص ۳۹۲

کتابوں کا نہایت عظیم الشان کتب خانہ جمع کیا تھا، مقریزی کا بیان ہے کہ عزیز باللہ کے قصر شاہی کا کتب خانہ دنیا کے عجائب میں تھا، پوری اسلامی دنیا میں اس سے بڑا کتب خانہ نہ تھا، اس میں ہر مذہب، فقہ، لغت، حدیث، تاریخ، سلاطین کی سیرت، روحانیات، کیمیا وغیرہ کی چھ لاکھ کتابیں تھیں، ان میں اٹھارہ ہزار قدیم علوم کی تھیں، بہت سے نسخے اصل مصنفوں کے قلم کے لکھے ہوئے تھے، ایک مرتبہ عزیز باللہ کے سامنے خلیل بن احمد کی کتاب العین کا ذکر آیا، اس نے مہتمم کتب خانہ سے اپنے کتب خانہ میں اس کے نسخے دیکھنے کو کہا تو تمیں سے زیدہ نسخے نکلے، جس میں ایک نسخہ خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، اسی طرح ایک مرتبہ ایک شخص نے اس کے سامنے تاریخ طبری کا ایک نسخہ پیش کیا جو اس نے سودینار میں خریدا تھا، عزیز نے اپنے کتب خانہ سے اس کے نسخے نکلوائے تو میں سے زیادہ نسخے نکلے جس میں ایک نسخہ خود مصنف کے قلم کا تھا، ابن درید کی جمہرۃ البلاغۃ کے سو سے زیادہ نسخے تھے، ابن مقلہ اور ابن بواب وغیرہ مشہور خطاطوں کے لکھے ہوئے بہت سے نسخے تھے، کلام پاک کے نہایت خوشخط اور مطلا و مذہب چار نسخے تھے، مقریزی نے اس کتب خانے کے بہت سے عجائب و نوادر نقل کیے ہیں۔ (۱)

(۱) تفصیل کے لیے دیکھو مقریزی ج ۲ ص ۲۵۴-۲۵۵، ہمارا مقصد کتب خانوں کی تاریخ لکھنا نہیں ہے مگر جب ان کا ذکر آ گیا ہے تو یہ واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف دوشاہی کتب خانوں کا حال تھا اور اسلامی حکومت ایسی نہ تھی جس کا وسیع کتب خانہ نہ رہا ہو، بڑے بڑے علما اور امرا کے کتب خانے علاحدہ تھے، ہر مدرسہ اور دارالعلوم میں ان کی حیثیت کے مطابق کتب خانہ بھی ہوتا تھا، اس طرح دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں کتب خانہ پھیلے ہوئے تھے، تاریخ خصوصاً جغرافیہ کی کتابوں اور سفرناموں میں جا بجا ان کا ذکر ملتا ہے، یا قوت حموی نے معجم البلدان میں شہروں کے ذکر میں کہیں کہیں کتب خانوں کا بھی ذکر کیا ہے، مرو کے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ جب میں مرو پہنچا تو اس وقت یہاں دس موقوفہ کتب خانے تھے اتنے بڑے اور عمدہ کتب خانے میں نے نہیں دیکھے (معجم البلدان ج ۸ ص ۳۵) اس سے کتب خانوں کی (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

عزیز باللہ کے بعد حاکم بامر اللہ تخت نشین ہوا، اس کے دماغ میں کچھ خلل تھا، اس لیے وہ مجموعہ اصداد تھا، لیکن علم و فن سے اس کو بھی بڑی دلچسپی تھی، مقریزی کا بیان ہے کہ وہ عجیب و غریب سیرت کا انسان تھا، قدیم علوم سے اس کو بڑا ذوق تھا، نجوم کے مطالعہ میں زیادہ مشغول رہتا تھا، اس نے جبل مقطم پر ایک رصد گاہ اور ایک محل بنوایا تھا، اس میں وہ سب سے الگ زندگی بسر کرتا تھا (۱) فاطمی خلفا کے وزیر بھی علم دوست تھے، اس لیے ان کے زمانہ میں علم و فن کو بڑا فروغ ہوا، مشہور فلسفیانہ کتاب اخوان الصفا اور دنیائے اسلام کی مشہور یونیورسٹی جامعہ ازہر اسی دور کی یادگار ہے۔

مدارس: اسلامی حکومتوں کی علم دوستی نے پوری اسلامی دنیا میں مدرسوں اور اسلامی تعلیم گاہوں کا ایک جال بچھا دیا تھا، اسلام کی ابتدائی چند صدیوں میں باقاعدہ مدارس کے بجائے بڑے بڑے علما کے حلقہ درس ہوتے تھے جو بجائے خود ایک مستقل درس گاہ کی حیثیت رکھتے تھے، باقاعدہ مدارس کا آغاز چوتھی صدی سے ہوا، یورپین مورخین کی تحقیق ہے کہ سب سے پہلے مامون نے خراسان میں مدرسہ قائم کیا تھا (۲) اس اعتبار سے دوسری ہی صدی سے مدارس کے قیام کا آغاز ہو گیا تھا مگر عربی مآخذوں سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔

عام مورخین مدارس کے قیام کا آغاز مدرسہ نظامیہ بغداد سے یعنی پانچویں صدی (صفحہ گذشتہ کا بقیہ) کثرت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، مولانا شبلی نے اسلامی کتب خانوں پر مستقل مضمون لکھا ہے جو مقالات شبلی میں شامل ہے، اسلامی ملکوں کے سیاسی انقلابات خصوصاً تاتاریوں کی یورش نے سیکڑوں کتب خانے برباد کر دیے، بے شمار کتابیں ضائع ہو گئیں، اس سے تباہی سے جو بچ گئیں ان کی تعداد بھی اتنی کثیر تھی کہ ملا کا تب چلی طاش کبری زادہ اور فلوگل وغیرہ نے اس کی ضخیم فہرستیں مرتب کیں اور آج بھی دنیائے اسلام خصوصاً قاہرہ اور قسطنطنیہ میں اسلامی علوم و فنون کے بڑے بڑے کتب خانے موجود ہیں یورپ کے کتب خانوں میں ان کا بڑا ذخیرہ ہے، خود ہندوستان کے کتب خانوں سے اس کا قیاس کیا جاسکتا ہے۔

(۱) مقریزی ج ۴ ص ۷۴ (۲) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا آرٹکل المامون

سے کرتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ چوتھی صدی میں نیشاپور میں متعدد مدارس قائم ہو چکے تھے، سب سے پہلے سلطان محمود غزنوی کے بھائی امیر نصر بن سبکتگین نے نیشاپور میں مدرسہ بہیقیہ اور مدرسہ سعیدیہ قائم کیے (۱) اسی زمانہ میں نیشاپور میں ایک مدرسہ ابوسعدا اسماعیل بن علی واعظ استرآبادی نے قائم کیا تھا، ایک مدرسہ امام ابواسحاق کے لیے کسی امیر نے بنوایا تھا (۲) ایک مدرسہ خود اہل نیشاپور نے امام ابوبکر بن حسن المعروف بابن فورک المتوفی ۴۰۶ھ کے لیے قائم کیا تھا، جس میں مختلف علوم کی تعلیم ہوتی تھی (۳) حاکم بامر اللہ فاطمی نے ۴۰۰ میں قاہرہ میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا اور اس میں بہت سی کتابیں منتقل کی تھیں (۴) خود نظام الملک نے ایک مدرسہ نیشاپور میں قائم کیا تھا جو مدرسہ نظامیہ نیشاپور کے نام سے مشہور تھا۔

لیکن جس عظیم الشان دارالعلوم نے بغداد کو دنیا کے اسلام کا تعلیمی مرکز بنا دیا وہ مدرسہ نظامیہ بغداد ہے، اس کے قیام کا سہرا ملک شاہ سلجوقی کے وزیر نظام الملک طوسی کے سر ہے، وہ خود بڑا فاضل، علم دوست اور علما و اصحاب کمال کا بڑا قدرداں تھا، اس کی علم دوستی کے سامنے برا مکہ کی علم نوازی کی داستانیں قصہ پارینہ بن گئی تھیں، نظام الملک نے بڑے اہتمام سے مدرسہ نظامیہ قائم کیا تھا، ۴۵۷ھ میں اس کی تعمیر شروع ہوئی اور ۴۵۹ھ میں بڑے تزک و احتشام سے اس کا افتتاح ہوا، اس تقریب میں سارا بغداد امانڈ آیا تھا، اس کے مصارف کے لیے نظام الملک نے لاکھوں روپے کی جاگیر وقف کی، مدرسہ سے متعلق ایک ہوشل بھی تھا، سب طلبہ کو وظائف ملتے تھے اور اس دور کے نامور اور یگانہ روزگار علماء درس و تدریس کے لیے مقرر کیے گئے تھے، امام ابواسحاق شیرازی نے نصر الطباع بن الخطیب شارح حماسہ، قطب الدین شافعی اور امام غزالی جیسے ائمہ مختلف اوقات میں مسند درس کی

(۱) حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۱۵۱ نصر بن سبکتگین ۳۸۹ میں خراسان کا والی مقرر ہوا تھا ابن اثیر ج ۱۰

ص ۱۰۳ (۲) حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۱۵۱ (۳) ابن خلکان ج ۳ ص ۲۸۰ (۴) حسن المحاضرہ

زینت رہے۔ (۱)

نظامیہ بغداد کے علاوہ نظام الملک نے بلخ، ہرات، نیشاپور، اصفہان، بصرہ، مرو، موصل، اہل اور عراق کے تمام شہروں میں مدرسے قائم کیے تھے (۲) عماد الدین اصفہانی کا بیان ہے کہ جس بستی میں کوئی بڑا عالم موجود تھا وہاں نظام الملک نے مدرسہ اور کتب خانہ قائم کر دیا تھا۔ (۳)

ان کے مصارف کا بڑا حصہ نظام الملک اپنی جیب خاص سے ادا کرتا تھا اور حکومت کی جانب سے بھی مدد ملتی تھی، ابن اثیر کا بیان ہے کہ نظام الملک نے ممالک محروسہ کے تمام شہروں میں مدارس اور دارالعلوم قائم کیے اور ان کے مصارف کے لیے بڑی بڑی رقمیں مقرر کیں (۴) قزوینی کا بیان ہے کہ نظام الملک اپنی آمدنی کا (جو کروڑوں روپے پر مشتمل تھی) دسواں حصہ مدارس کے لیے نکالتا تھا اور چھ لاکھ دینار سالانہ تقریباً تیس لاکھ روپے حکومت کی جانب سے ملتے تھے۔ (۵)

نظامیہ بغداد کے قیام کے بعد بغداد میں مدارس کے قیام کا عام ذوق پیدا ہو گیا اور بہت سے مدرسے قائم ہوئے، ابن جبیر اندلسی جو ۵۸۰ھ میں بغداد پہنچا ہے، لکھتا ہے کہ یہاں تیس بڑے دارالعلوم ہیں جن میں سے ہر ایک کی عمارت بڑے بڑے قصور و محلات کو شرماتی ہے۔ (۶)

لیکن یہ مدارس دوسرے لوگوں کے قائم کردہ تھے، خود عباسی خلفا کی تاریخ کا صفحہ ابھی تک اس بارہ میں سادہ تھا، اس کی تلافی مستنصر باللہ (۶۲۳ھ-۶۴۰ھ) نے اس زمانہ میں کی جب دولت عباسیہ کا آفتاب لب بام آچکا تھا مگر اس کے ڈوبتے ڈوبتے وہ ایسا عظیم الشان دارالعلوم قائم کر گیا جس نے مدرسہ نظامیہ کی شہرت کو ماند کر دیا، ۶۲۵ھ میں اس

(۱) مدرسہ نظامیہ کی عظمت و شان کے تفصیلی حالات تمام تاریخوں میں ہم نے طوالت کے خیال سے ان کو قلم انداز کر دیا ہے۔ (۲) طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۱۳۷ (۳) دولت آل سلجوقیہ ص ۵۴

(۴) ابن اثیر ج ۱ ص ۷۲ (۵) آثار البلاد و قزوینی ذکر طوس (۶) سفرنامہ ابن جبیر ص ۲۲۹

دارالعلوم (مستنصریہ) کی بنیاد پڑی، سات برس میں عمارت بن کر تیار ہوئی اور ۶۳۲ھ میں بڑے تزک و احتشام سے اس کا افتتاح ہوا، مدرسہ کے متعلق ایک وسیع کتب خانہ تھا، جس میں ساٹھ ہار شتر منتخب کتابیں تھیں، اس میں دینی علوم کے ساتھ طب کی بھی تعلیم ہوتی تھی، طلبہ کو مدرسہ کی جانب سے کھانے کے علاوہ مٹھائیوں اور میوے بھی ملتے تھے، مدرسہ کے مصارف کے لیے ایک بڑی جائیداد وقف تھی۔ (۱)

ابن واصل کا بیان ہے کہ روئے زمین پر اس سے بہتر مدرسہ نہ تھا اور نہ کسی مدرسہ کا اتنا بڑا وقف تھا اس میں چاروں مذاہب کی تعلیم ہوتی تھی، مدرسہ کے متعلق ایک شفا خانہ، مطبخ، ٹھنڈے پانی کے لیے آبدار خانہ تھا، طلبہ کو چٹائیاں، فرش، تیل، کاغذ، قلم و دوات مفت اور کھانے کے علاوہ ہر طالب کو ایک اشرفی ماہانہ وظیفہ ملتا تھا، مدرسہ سے متعلق ایک عمدہ حمام بھی تھا۔ (۲)

فاطمی خلفا اگرچہ علم دوست تھے، لیکن ان کے زمانہ میں صرف چند مدرسوں کے قیام کا پتہ چلتا ہے، جامعہ ازہر انہی کے دور کی یادگار ہے، مصر و شام میں اس کا سلسلہ نورالدین محمود زنگی اور صلاح الدین ایوبی نے شروع کیا اور ممالیک (چراکسہ (۳)) نے اس کو کمال تک پہنچایا، مقریزی کا بیان ہے کہ نورالدین محمود زنگی (۵۴۱ھ-۵۶۹ھ) نے دمشق، حلب اور مصر میں شوافع اور احناف کے مدرسے قائم کیے، اس کے بعد نورالدین زنگی (۵۶۷ھ-۵۸۹ھ) اس کی اولاد اور اس کے امرانے اس کی تقلید میں مصر و شام اور جزیرہ کے شہروں میں بکثرت مدرسے قائم کیے، اس کے بعد اس کے جانشین مملوک کی خاندان کے سلاطین اور اس کے امر او متوسلین نے یہ سلسلہ برابر جاری رکھا جو ہمارے زمانہ تک قائم ہے (۴)، نورالدین کو تعلیم سے اتنی دلچسپی تھی کہ وہ دور دور سے نامور علما کو تدریس کے لیے بلاتا تھا، علامہ شرف الدین ابوسعدا اس دور کے نامور شافعی عالم تھے، ان کو سنجار سے بلایا اور حماة،

(۱) تاریخ الخلفاء ص ۴۷۳ (۲) ص ۳۷۵ (۳) مملوک کی حکومت جن کو چراکسہ بھی کہتے ہیں

۶۳۸ھ میں قائم ہوئی اور ۹۲۳ھ میں اس کا خاتمہ ہوا۔ (۴) مقریزی جلد ۲ ص ۱۹۲-۱۹۳

حمص، بعلبک اور دمشق میں ان کے لیے مدارس قائم کر کے ان سے درخواست کی کہ وہ جس مدرسہ میں چاہیں قیام کریں (۱) دمشق میں ایک عظیم الشان دارالحدیث قائم کیا جو تاریخ اسلام میں پہلا دارالحدیث تھا (۲) ان سب کے مصارف کے لیے بہت سی جائداد وقف کی جس کی ماہوار آمدنی نو ہزار اشرفی تھی۔ (۳)

صلاح الدین ایوبی کو نور الدین سے بھی زیادہ اشاعت تعلیم سے شغف تھا، اس لیے اس کے امرا و متوسلین بلکہ ایوبی خاندان کی خواتین تک نے مدرسے قائم کیے اور ان کے مصارف کے لیے بڑی بڑی جائدادیں وقف کیں، ابن جبیر اندلسی جس نے صلاح الدین ایوبی کے زمانہ میں مصر و شام کا سفر کیا تھا، مصر کے بارہ میں لکھتا ہے کہ یہاں کسی بزرگ کا مقبرہ کوئی مسجد اور کوئی مدرسہ ایسا نہیں ہے جس کے جملہ مصارف بیت المال سے مقرر نہ ہوں (۴) دمشق کے ذکر میں لکھتا ہے کہ یہاں جوئی مسجد یا خانقاہ تعمیر ہوتی ہے یا مدرسہ قائم ہوتا ہے، سلطان اس کے مصارف کے لیے وقف کرتا ہے، دولت مند عورتیں ٹک مسجدوں اور مدرسوں اور خانقاہوں کے قیام پر بڑی دولت صرف کرتی ہیں، یہی حال یہاں کے امرا کا ہے (۵) جس زمانہ میں وہ دمشق پہنچا ہے یہاں بیس بڑے مدرسے تھے۔

اس لیے نور الدین اور صلاح الدین ایوبی کے دور سے لے کر ممالیک کے زمانہ تک مصر و شام میں بکثرت مدارس قائم ہوئے، ان میں بعض مدرسے ایسے تھے کہ دنیائے اسلام میں بے نظیر مانے جاتے تھے، مدرسہ صلاحیہ کے بارے میں جو صلاح الدین ایوبی نے حضرت امام شافعی کے مزار کے قریب قائم کیا تھا، سیوطی کا بیان ہے کہ اس مدرسہ کو تاج المدارس کہنا بجا ہے، یہ ساری دنیائے اسلام میں علی الاطلاق سب سے بڑا مدرسہ ہے (۶) حلب کے ایک مدرسہ کے بارے میں ابن جبیر لکھتا ہے کہ میں نے جس قدر مدارس دیکھے

(۱) الدر المنخب فی تاریخ حلب ص ۱۱۱ (۲) کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین ج ۱ ص ۱۰۱

حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۱۴۲ (۳) ابن اثیر ج ۱ ص ۱۵۳ (۴) سفرنامہ ابن جبیر ص ۵۲

(۵) ایضاً ص ۱۷۵ (۶) ایضاً ص ۸۳ حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۱۱۴

ان میں رونق اور عمارت کے حسن کے اعتبار سے یہ مدرسہ سب سے بہتر ہے۔ (۱)
 ان میں متعدد مدارس ایوبی خواتین کی یادگار تھے، مصر میں مدرسہ قطبیہ ملک
 العادل کی لڑکی مونسہ خاتون نے قائم کیا تھا (۲) سلطان کی دوسری لڑکی حنیفہ خاتون نے
 حلب میں ایک مدرسہ فردوس کے نام سے قائم کیا تھا، ان مدرسوں کا ذکر ابن خلکان، طبقات
 الشافعیہ اور جواہر مضیہ وغیرہ اور زندگی اور ایوبی حکومتوں کی تاریخ کتاب الروضتین اور تاریخ
 اتابکیہ وغیرہ میں مختلف مقامات پر ملتا ہے لیکن مقریزی، سیوطی اور ابن شحنہ حلبی نے ان کا
 مستقل تذکرہ کیا ہے اور ان کے متعلق ضروری معلومات تحریر کر دیئے ہیں۔ (۳)

دسویں صدی کے ربع اول میں سلطان سلیم اول عثمانی نے مملوک کی حکومت کا خاتمہ
 کر دیا اور شام و مصر کے علاقے عثمانی حکومت میں شامل ہو گئے مگر اس سے ان کی علمی و تعلیمی
 مرکزیت میں فرق نہیں آیا جو آج تک قائم ہے، ترک اگرچہ فوجی قوم تھے لیکن تعلیم کی
 اشاعت میں ان کا قدم بھی کسی سے پیچھے نہیں رہا بلکہ انھوں نے پرانا نظام بدل کر زمانہ کے
 حالات و ضروریات کے مطابق بنایا۔

اسلامی حکومتوں میں ترکی حکومت کا دور سب سے زیادہ طویل ہے، ساتویں
 صدی ہجری کے آخر میں وہ قائم ہوئی اور اب تک قائم ہے، اس لیے اس کو قدیم اور جدید
 دونوں دوروں سے گزرنا پڑا اور یورپ کی حکومتوں سے ہمیشہ سابقہ رہا، اس لیے یورپ میں
 جو تعلیمی ترقیاں ہوئیں ان سے بھی اس نے فائدہ اٹھایا، اس لیے تعلیمی میدان میں اس کے
 کارنامے تمام اسلامی حکومتوں سے زیادہ ہیں اور اس لحاظ سے وہ ان سب میں ممتاز ہے کہ
 اس نے تعلیم کے دائرے میں بڑے وسعت پیدا کی، اس کا مرتب نظام قائم کیا، زمانہ کے
 حالات کے مطابق اس میں تبدیلی پیدا کی اور ابتدائی مدارس سے لے کر بڑے بڑے
 دارالعلوم، جدید تعلیم کے اسکول کالج اور یونیورسٹیاں قائم کیں، جن میں تمام مغربی علوم و

(۱) سفرنامہ ابن جبیر ص ۲۵۳ (۲) مقریزی ج ۴ ص ۲۰۰ (۳) تفصیل کے لیے

دیکھو مقریزی ج ۴ ص ۱۹۱ تا ۲۴۹ حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۳۹ تا ۴۳ والد رر الممتخب ص ۱۰۶ تا ۱۲۳

فنون کی تعلیم ہوتی تھی، ترکوں کے تعلیمی خدمات اتنے زیادہ ہیں کہ ایک باب میں اس کی جھلک دکھانا بھی دشوار ہے۔

ترکی حکومت میں سب سے پہلے سلطان اورخان (۱۲۶۱-۱۲۶۰ھ) نے مدارس قائم کیے، اس کا ازنیق کا مدرسہ بہت مشہور ہے، اس میں داؤد قیصری شارح فصوص الحکم اور علامہ علاء الدین شارح وقایہ جیسے علماء درس دیتے تھے، اورخان کے بعد اس کے جانشینوں نے اس سلسلہ کو بہت آگے بڑھایا اور سلطان محمد فاتح نے اورج کمال تک پہنچا دیا، اس نے ۸۶۵ھ میں قسطنطنیہ میں ایک بڑی یونیورسٹی قائم کی، جس کے ماتحت آٹھ دارالعلوم تھے، اس میں علامہ علاء الدین قوشچی شارح تجرید، خواجہ زادہ اور ملا عبدالکریم وغیرہ جیسے اجلہ علماء تعلیم دیتے تھے، خواجہ زادہ کا محاکمہ تہافت الفلاسفہ امام غزالی بہت مشہور ہے، یہ محاکمہ انھوں نے سلطان کی فرمائش پر لکھا تھا، اس کے صلہ میں اس نے اس کو دس ہزار درہم انعام دئے تھے، علامہ قوشچی دارالعلوم جامعہ اباصوفیہ کے مدرس اعظم تھے، ان کو دوسو درہم یومیہ تنخواہ ملتی تھی۔

سلطان محمد فاتح کے بعد بایزید خان (۸۸۶-۹۱۸ھ) نے سب سے زیادہ مدارس قائم کیے، یہ علماء کا بڑا قدر دان تھا، اس نے مدرسین کے علاوہ تمام نامور علماء کا دس ہزار عثمانی سالانہ وظیفہ مقرر کیا تھا، سلطان سلیمان (۹۲۶-۹۷۴ھ) نے ممالک محروسہ کے دوسرے مدارس کے علاوہ خاص مکہ معظمہ میں چار بڑے مدرسے قائم کیے، اسی طرح سلطان سلیم اور سلطان مراد نے بھی مدرسے قائم کیے، ان کی تقلید میں ترکی امرا اور اعیان سلطنت کا قدم بھی پیچھے نہیں رہا، بہت سے امرا بلکہ خواتین تک نے مدرسے قائم کیے، علامہ شبلی نے اپنے مضمون مدرسے اور دارالعلوم میں ترکی حکومت کے بہت سے مدارس اور ان کے بانیوں کے نام لکھے ہیں، ان میں سلاطین کے ساتھ امرا و خواتین کے نام بھی ہیں۔ (۱)

ترکوں کی تعلیمی خدمات اتنی نمایاں ہیں کہ یورپین مصنفین کو بھی جن کا قلم ان کی

(۱) یہ حالات اس کا خلاصہ ہیں تفصیل کے لیے دیکھو مقالات شبلی ج ۳ مقالہ مدرسے اور دارالعلوم

مذمت میں بہت تیز رہتا ہے، اس کا اعتراف کرنا پڑا، کر یہی لکھتا ہے۔

محمد ثانی کے پیشروں خصوصاً اور خاں کو اسکولوں اور کالجوں کے قائم کرنے کا بہت شوق تھا لیکن محمد ان سب سے بڑھ گیا، اسی نے سلسلہٴ علما قائم کیا اور سلطنت کے مفتیوں اور قاضیوں کی تعلیم و ترقی کا ضابطہ مرتب کیا، فاتحِ قسطنطنیہ خوب جانتا تھا کہ ایک بڑی سلطنت پیدا کرنے اور اس کو قائم رکھنے کے لیے شجاعت اور فوجی قابلیت کے علاوہ کچھ اور بھی ضروری ہے، محمد نے جو علوم میں خود بھی ممتاز حیثیت رکھتا تھا، اپنی رعایا میں تعلیم پھیلانے کے لیے بڑی عالی حوصلگی سے کام لیا، وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ عدالت کا نظام درست رکھنے کے لیے قاضیوں کا احترام ضروری ہے اور ان کا احترام قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف علم و دیانت سے آراستہ ہوں بلکہ سلطنت کے اونچے اور معزز عہدوں پر مامور کیے جائیں اور فکرِ معاش کی جانب سے ان کو مطمئن کر دیا جائے، محمد نے ابتدائی مدارس کے علاوہ جو مکتب کہے جاتے تھے اور ہر شہر کے ہر محلہ اور ترکی کے تمام دیہاتوں میں موجود ہیں بہت سے بڑے بڑے مدرسے قائم کیے، ان میں ان مختلف علوم کی تعلیم دی جاتی تھی، صرف، نحو، منطق، مابعد الطبیعیات، تاریخ، زبان، فصاحت و بلاغت، اقلیدس، ہیئت یہ ایک ایسا نصابِ تعلیم ہے جس کا موازنہ یقیناً پندرہویں صدی کے پیرس اور آکسفورڈ کے نصابِ تعلیم سے کیا جاسکتا ہے، جو طلبہ ان سب مضامین میں پوری دستگاہ حاصل کرتے تھے، ان کو دانشمند کا لقب دیا جاتا تھا، دانشمند بغیر مزید تعلیم حاصل کیے کسی ابتدائی مدرسہ کی اعلیٰ مدرسے کا حقدار ہو سکتا تھا، لیکن اس صورت میں وہ علما کی جماعت کا رکن نہیں بن سکتا تھا اور اس کو تمام اعلیٰ تعلیمی عہدوں سے محروم ہو جانا پڑتا تھا، جماعتِ علما کا رکن بننے کے لیے فقہ کے ایک طویل نصاب کو پورا کرنا ضروری تھا اور یکے بعد دیگرے مختلف امتحانات میں کامیابی حاصل کر کے متعدد سندیں لینا پڑتی تھیں۔ (۱)

سلطان محمد کے جانشینوں نے اس کی قائم کی ہوئی مثال کے مطابق تعلیم کو پوری

(۱) تاریخ دولت عثمانیہ جلد اول ص ۱۷۹ و ص ۱۶۹

طرح پھیلا یا، ہر سلطان ایک مسجد ضرور تعمیر کرتا اور ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ قائم کرنا لازمی تھا، اس طرح مسجدوں کی تعداد کے ساتھ مدرسوں کی تعداد بھی بڑھتی گئی، لارنپٹ لکھتا ہے کہ

”۱۷۶۵ء سلطان مصطفیٰ ثالث کے عہد حکومت میں صرف حدود قسطنطنیہ کے اندر دو سو پچتر مدرسے تھے اور انیسویں صدی کے وسط میں سلطان عبدالحمید کے زمانہ میں یہ تعداد تین سو سے اوپر پہنچ گئی تھی، اس کے زمانہ میں ہر شہر میں کم سے کم ایک مدرسہ موجود تھا، بڑے شہروں مثلاً اورنہ، بغداد اور قاہرہ میں چالیس چالیس اور پچاس پچاس مدرسے تھے (۱) یہ تمام مدارس اس زمانہ کے معیار تعلیم کے مطابق قدیم طرز کے تھے مگر ان کے نصاب میں تاریخ جغرافیہ ریاضی، ہیئت، منطق و فلسفہ بھی شامل تھے، انیسویں صدی کے آغاز تک یہ نظام تعلیم رائج رہا، سب سے پہلے سلطان عبدالحمید خاں (۱۸۳۹ھ-۱۸۶۱ھ) نے اس میں تبدیلی پیدا کی اور اس کو نئے حالات اور ضروریات کے مطابق بنایا، ترک ماہرین تعلیم کو جرمنی، فرانس اور انگلستان کے نظام تعلیم کے مطالعہ کے لیے بھیجا اور اس کی روشنی میں نیا نظام تعلیم مرتب کر کے ابتدائی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے اسکول اور کالج قائم کیے، پرانے طبقہ کی جانب سے اس کی پرزور مخالفت ہوئی، اس لیے سلطان اپنے تمام تعلیمی منصوبوں کو پورا نہ کر سکا، تاہم تعلیمی نظام میں بہت سی اصلاحیں کیں، اس کے بعد سلطان عبدالحمید خاں ثانی (۱۸۷۶ھ-۱۹۱۹ھ) نے ان منصوبوں کو پورا کیا اور پوری ترکی سلطنت میں نیا نظام تعلیم رائج ہو گیا، جس میں

(۱) لارنپٹ جلد ۲ ص ۱۴۳

جملہ جدید علوم و فنون کی تعلیم ہوتی تھی، اس طرح مشرقی ملکوں میں جدید تعلیم کی اشاعت کا سہرا ترکوں کے سر ہے۔“ (۱)

مسلمانوں نے جن جن ملکوں پر بھی حکومت کی، سب کو تعلیم کی روشنی سے منور کر دیا مگر ان سب کی تفصیل مقصود نہیں، سر جان ولیم ڈریپر کی شہادت پر ہم اس بیان کو ختم کرتے ہیں، وہ لکھتا ہے:

”غرض دنیائے اسلام میں علوم و فنون کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی، منگولیا، تاتار، ایران، عراق، شام، مصر، شمالی افریقہ، مراکش، فیض اور اندلس میں کثرت سے مدرسے اور درسگاہیں موجود تھیں، دولت روم کا رقبہ بااں ہمہ عظمت و جبروت اتنا نہ تھا جتنا اس عربی سلطنت کا تھا، اس عظیم الشان سلطنت کے ایک کنارے پر سمرقند کا مشہور مدرسہ اور رصد گاہ تھی اور دوسرے کنارے پر اندلس کی مشہور رصد گاہ کا مینارہ آسمان سے باتیں کرتا تھا، مسلمانوں کی سرپرستی علوم و فنون کا ذکر کرتے ہوئے گبن لکھتا ہے کہ ”صدیوں کے خود مختار امیر بھی علم و ہنر کی سرپرستی میں شاہانہ اقتدارات برتتے تھے، ان کی رقیبانہ مسابقت نے مذاق علمی کی ترویج میں غیر معمولی حصہ لے کر سائنس کے نور کو سمرقند و بخارا سے لے کر فیض اور قرطبہ تک پھیلا دیا، تعلیم کے فیضان سے عوام و خواص دونوں کو یکساں بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیا جاتا تھا، وزیر کا بیٹا اور ایک ادنیٰ درجہ کے موچی کا بیٹا پہلو بہ پہلو بیٹھ کر استاد سے سبق لیتے تھے، طالب علموں کی تعداد ایک ایک دارالعلم میں چھ چھ ہزار تک پہنچی ہوئی تھی، جن کی جماعتوں کو مختلف اوقات میں تعلیم دی جاتی تھی، نادار طلبہ کے

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے تاریخ دولت عثمانیہ از ڈاکٹر محمد عزیز ج ۲ ص ۳۹۰

لیے معقول وظائف مقرر تھے اور اساتذہ کو بیش قرار تنخواہیں ملتی تھیں، ہر شہر میں عربی زبان کی نادر تصنیفات کے نقل اور جمع کرنے کے لیے طالبان علم کا شوق اور اہل دولت کی دولت ہر وقت سرگرمی سے مصروف تھے۔

ان مدارس و مکاتب کی نگرانی فراخ حوصلگی سے بعض نطوریوں اور یہودیوں کے بھی سپرد کی جاتی تھی، کسی شخص کو کسی بڑی خدمت پر مامور کرتے وقت حکومت کو یہ خیال نہ ہوتا تھا کہ وہ کس قوم سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے عقائد کیا ہیں، بلکہ محض علمی قابلیت کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ (۱)



(۱) اردو ترجمہ معرکہ مذہب و سائنس ڈریپرس ۱۶۶-۱۶۷

پندرہواں باب

مسلمانوں کے علمی کارنامے اور

مختلف علوم و فنون میں ان کے ایجادات و اکتشافات

مسلمانوں نے محض مدارس کے قیام اور پرانے علوم کی نقل اور ان کے تراجم پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے ان کی تصحیح اور اصلاح و ترمیم کر کے ان کو ترقی دی، بہت سے نئے علوم پیدا کیے اور ان کی روشنی سے دوسری قوموں کو منور کیا، اسلام کی تعلیم نظری سے زیادہ عملی ہے، اس لیے مسلمانوں کا رجحان ان علوم کی طرف زیادہ تھا جن کا تعلق عمل و مشاہدہ سے ہے، چنانچہ انھوں نے تاریخ و جغرافیہ، طب، ہیئت، حساب، ہندسہ اور طبیعیات و کیمیا کی طرف زیادہ توجہ کی اور ان میں اپنے مشاہدات و تجربات سے نئے اکتشافات و ایجادات کیے، جن پر آئندہ چل کر جدید علوم کی عمارت قائم ہوئی اور سائنس کی ترقی کی بنیاد پڑی، مختلف علوم و فنون سے متعلق بہت سے ایجادات و اکتشافات جو یورپ کی جانب منسوب ہیں، درحقیقت صدیوں پہلے مسلمان کر چکے تھے، ان سب کی تفصیل کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، اس لیے اس موقع پر ہم صرف بعض مشہور یورپین فضلاء و مصنفین کے بیانات کے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، لیہاں لکھتا ہے۔

لیبان کا بیان: کتب خانے علمی تحقیقات کے معمل اور آلات، تعلیم و تحقیق کے محض وسائل ہیں اور ان کا کارآمد ہونا محض ان کے طریقہ استعمال پر موقوف ہے، ممکن ہے کسی شخص کا دماغ دوسروں کے علوم و فنون سے بھرا ہو مگر اس میں خود تحقیق و اختراع کا مادہ نہ ہو اور وہ شاگردی کی حالت سے استاد کی درجہ کو نہ پہنچ سکے، ان ایجادوں اور اختراعوں سے جن کا ذکر آگے آئے گا معلوم ہوگا کہ عربوں نے اس علم سے جو انھوں نے دوسروں سے اخذ کیا کس قدر کام لیا، یہاں ہم محض ان اصول کو بیان کریں گے جن پر انھوں نے اپنی علمی تحقیق کا مدار رکھا، یونانیوں کی شاگردی کرنے اور ان کی تصنیفات کو پڑھنے کے بعد انھیں جلد معلوم ہو گیا کہ تجربہ اور مشاہدہ کو عمدہ سے عمدہ کتاب پر ترجیح ہے، اگرچہ یہ قول اب ایک مسلمہ قضیہ بن گیا ہے لیکن پہلے ایسا نہ تھا، قرون وسطیٰ کے علما نے ایک ہزار برس کی محنت میں اس کو سمجھا۔

تجربہ اور مشاہدہ کو اساتذہ کے اقوال کے مقابلہ میں تحقیقات علمی کے اصول قرار دینا عام طور سے بیکن کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن اب یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس کے موجد عرب تھے، یورپ کے تمام محققین خصوصاً ہمبولڈ (۱) جس نے عربی تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے اس بات کا قائل ہے، وہ لکھتا ہے کہ علمی ترقی کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے تجربہ سے حوادثِ طبیعیہ کو پیدا کر سکے، جس طرح عربوں نے یہ درجہ حاصل کر لیا تھا، جس سے متقدمین بالکل ناواقف تھے، موسیو سودیو لکھتا ہے کہ دارالعلوم بغداد کی تعلیم میں بڑی بات یہ ہے کہ اس کا طرزِ علمی اصول پر مبنی تھا یعنی معلوم کے ذریعہ مجہول کا معلوم کرنا، حوادث کا صحیح مشاہدہ کر کے ان معلومات کے ذریعہ علل کو نکالنا، انہی قضایا کو ماننا جو تجربہ سے ثابت ہوں، نویں صدی کے عربوں کو یہ نتیجہ خیز طریقہ تعلیم معلوم تھا، جسے صدیوں کے بعد حال کے محققین معلوم کر سکے اور جس کے ذریعے بڑے بڑے اکتشافات و ایجادات ہوئے۔

عربوں کا طریقہ تحقیق تجربہ و مشاہدہ پر مبنی تھا، اس کے برخلاف ازمہ وسطیٰ کے

(۱) الگزنڈر ہمبولڈ ایک مشہور جرمن محقق اور سیاح ہے، جس نے عالم پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا یورپ کی تمام زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

یورپ کا طریقہ اساتذہ کی کتابوں کا پڑھنا اور انہی کی رایوں کو دہرانا تھا، ان دونوں میں بڑا فرق ہے، اس فرق کو مد نظر رکھے بغیر ہم عربوں کی علمی تحقیقات کی پوری قدر نہیں کر سکتے۔

عربوں ہی نے علمی تحقیقات کی تجربہ کو داخل کیا اور ایک زمانہ دراز تک صرف عرب ہی اس طریقہ کو جانتے تھے، موسیو ڈبلا میر اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ یونانیوں میں بہ مشکل دو یا تین اجرام سماوی کا مشاہدہ کرنے والے تھے، اس کے مقابلہ میں عربوں میں بکثرت ایسے لوگ موجود تھے، یونانیوں میں علمِ کیمیا کا تجربہ کرنے والا کوئی نہ تھا اور عربوں میں سیکڑوں تھے۔

تجربوں کے ذریعہ جو ان کی ایجاد ہے، وہ بہت بڑے اکتشافات و اختراعات کرنے والے تھے، ان کی علمی تحقیقات کا جو ذکر ہم نے اوپر کیا ہے، اس سے معلوم ہوگا کہ انھوں نے تین یا چار صدیوں میں اس سے بہت زیادہ اکتشافات کیے جو یونانی محققین اس سے پہلے بہت زیادہ مدت میں کر پائے تھے، یونان کا وہ علمی ذخیرہ جس کو اہل مشرق نے عربوں سے پہلے پایا تھا مگر مدت سے اس کو کھو چکے تھے، اس کو عربوں نے بالکل بدل کر اپنے اخلاف کو پہنچایا، عربوں نے محض اکتشافات ہی کے ذریعہ علم کو ترقی نہیں دی بلکہ اپنے مدارس اور تصنیفوں کے ذریعہ ان کی اشاعت بھی کی، اس سے یورپ کو جو فائدہ پہنچا وہ غیر متناہی ہے، ہماری کتاب کے اس باب سے جس میں عربوں کے علمی اثر کا ذکر ہے معلوم ہوگا کہ کئی صدیوں تک عیسائی قوموں کے استاد صرف عرب تھے اور محض انہی کے ذریعہ ان کو یونان و روم کے علوم قدیمہ حاصل ہوئے، اس کو زیادہ زمانہ نہیں گزرا ہے، جب عربی کتابوں کے تراجم ہماری یونیورسٹیوں کے نصابِ تعلیم سے خارج ہوئے ہیں۔ (۱)

(۱) دیکھو تمدنِ عرب لیبان ترجمہ اردو ص ۹۹ تا ۴۰۱، مسلمانوں کے اس علمی ذوق اور طلب و جستجو نے بہت سے نئے علوم اور ہر علم و فن کے بڑے بڑے نابغہ پیدا کیے، جنھوں نے اپنی تصنیفات اور تحقیقات و اکتشافات سے علمی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا اور انسانی تہذیب و تمدن کا قدم بہت آگے بڑھا دیا، ابن ندیم، طاش کبریٰ زادہ اور ملا کاتب چلبی وغیرہ اصحابِ فہرست نے اپنی کتابوں میں کئی سو علوم میں مسلمانوں کی تصانیف کا ذکر کیا ہے، (بقیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ فرمائیں)

ڈریپر کا بیان: ڈریپر لکھتا ہے کہ ”سائنس میں عربوں کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ (صفحہ گذشتہ کا بقیہ) ان میں بعض اہم فنون کے چند نامور علما کے نام یہ ہیں، جن کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہے اور جن کی تصانیف سے صدیوں اہل یورپ فائدہ اٹھاتے رہے۔

فلسفہ: یعقوب کندی، ابن بابہ، ابن طفیل، ابن رشد، ابن بطلان، ابونصر فارابی، امام فخر الدین رازی، امام غزالی، اشیرالدین ابھری، نصیرالدین طوسی، سعدالدین تفتازانی، سید شریف جرجانی، جلال الدین دوانی

ریاضیات (حساب، ہندسہ اور ہیئت وغیرہ): محمد بن جابر تائی، ابن اماجور، موسیٰ بن شاکر اور اس کی اولاد، ابوالوفا جوزجانی، محمد بن موسیٰ خوارزمی، ابن یونس، مسلمہ مجریطی، ابن شاطر فلکی، احمد بن محمد نہاوندی، ابو معشر بلخی، عمر خیام، البیرونی، الفیگ

طبعیات: یعقوب کندی، ابوموسیٰ جعفر کونی، امام رازی، ابن سینا، جابر بن حیان، ابن بیطار وغیرہ بہت سے نامور اطباء طبعیات اور فلسفہ کے بھی ماہر تھے اور انھوں نے اپنے فن میں طبعیات سے بہت کام لیا ہے۔

طب و نباتات: محمد بن زکریا رازی، ابن سینا، ابن زہرا شبیلی، ثابت بن قرہ، ابوالقاسم زہراوی، رشید الدین صوری، ابن رضوان، ابن بطلان جیسے نامور اطباء پیدا ہوئے۔

تاریخ و جغرافیہ: تاریخ و جغرافیہ مسلمانوں کا خاص فن ہے، ان دونوں فنون کو انھوں نے بڑی ترقی دی اور تاریخ کی بہت سی قسمیں پیدا کر دیں، ان پر ان کی سیکڑوں تصانیف ہیں، جغرافیہ میں نئے نئے خطے معلوم کیے اور مختلف ملکوں کے حالات پر کتابیں لکھیں۔

مورخین میں بلاذری، یعقوبی، مسعودی، ابو حنیفہ دینوری، ابن جریر طبری، حمزا اصفہانی، ابن مسکویہ، خطیب بغدادی، ابوالفداء، ابوالفرج اصفہانی، مقریزی، نویری، مقری، ابن خطیب غرناطی، صلاح الدین صفری، ابن صاعد اندلسی، ابن خلدون، ابن جوزی، ابن کثیر، سیوطی، ابن ابی اصیبعہ، ابن خلکان، سیکڑوں ناموں میں سے چند نام ہیں۔

علمائے جغرافیہ میں ابن خرداد بہ، قدامہ ابن جعفر، مسعودی، ابن فقیہ، بزرگ بن شہریار، ابن رستہ، ابوزید تجی، ابن حوقل، اصطخری، مقدسی، شریف ادریسی، ابن جبیر، یاقوت حموی، عبداللطیف بغدادی، سلیمان تاجر زیادہ اہم ہیں۔

انھوں نے اس کی تحصیل میں یورپ کے یونانیوں کا طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ اسکندر یہ کے یونانیوں کی تقلید کی، ان کی عقل سلیم نے یہ بات سمجھا دی تھی کہ سائنس کی ترقی محض تخیل سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس کا صحیح اور یقینی ذریعہ صحیفہ فطرت کا عینی مطالعہ ہے، وہ حکمت نظری پر حکمت عملی کو ترجیح دیتے تھے یعنی ان کے علم کی بنیاد تجربہ اور مشاہدہ پر تھی، فن ہندسہ اور ریاضیات کو وہ استدلال و استنباط کے آلات تصور کرتے تھے، فن جرثقیل تو ازن مایعات، فن مناظر و مرایا پر جو کثیر التعداد کتابیں انھوں نے لکھیں، ان سب میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ ہر مسئلہ کو کسی تجربہ یا کسی آلہ و مشاہدہ کے ذریعہ حل کیا گیا ہے، اسی خصوصیت نے ان کو فنِ کیمیا کا موجد بنایا اور انھوں نے تقطیر (عرق کھینچنے)، تصعید (بخار اڑا کر منجمد کرنے)، تسبیج (پگھلانے)، ترویق (چھاننے) کے آلات ایجاد کیے، فن ہیئت میں آلات منقسمہ مثلاً البندہ و اصطرباب کو کام میں لائے، فن کیمیا میں ترازو کا استعمال کیا، جس کے اصول سے وہ پوری طرح واقف تھے، بغداد، اندلس اور سمرقند میں اجسام کے اوزان کی میزانیں اور ہیئت کے نقشے تیار کیے، علم ہندسہ، علم جبر و مقابلہ اور ہندی طریقہ اعداد نویسی میں نئے نئے نکتے پیدا کیے، یہ نتائج ارسطو کے عملی و استقرائی طریقہ کو افلاطون کی خیال آرائی پر ترجیح دینے کی بنا پر عربوں کی کوششوں سے حاصل ہوئے۔ (۱)

آگے چل کر ڈریپر لکھتا ہے: مسلمانوں نے قدیم علوم و فنون میں بہت کچھ اضافے اور نئے علوم ایجاد کیے، انھوں نے حساب کے ہندی طریقہ کو رائج کیا، جس میں تمام رقوم اس کے اعداد کے ذریعہ نہایت آسانی سے ظاہر کی جاتی تھیں، اس کے ساتھ ہی ہر طرح کے اندازے کے لیے سہل اور سادہ قاعدے بنائے، جبر و مقابلہ کا موہوم سا خیال ڈیوفنٹس کو پیدا ہوا تھا، جس کو ترقی دے کر عربوں نے حد کمال کو پہنچا دیا، جبر و مقابلہ میں محمد بن موسیٰ خوارزمی نے مساوات درجہ چہارم اور عمر بن ابراہیم نے مساوات درجہ سوم کے حل کرنے کا عمل دریافت کیا، عربوں ہی کی کوششوں سے علم مثلث نے موجودہ شکل

(۱) ترجمہ اردو معرکہ مذہب و سائنس ڈریپر ص ۱۶۳-۱۶۴

اختیار کی، انھوں نے جیب مستوی کے بجائے جس کا پہلے استعمال ہوتا تھا اوتار کو اس فن میں داخل کیا اور اسے ترقی دے کر ایک مستقل فن کی حیثیت دے دی، محمد بن موسیٰ نے علم مثلث کردی پر ایک رسالہ لکھا اور البغدادی نے فن مساحت پر۔

علم ہیئت پر انھوں نے نہ صرف ستاروں کی فہرستیں تیار کیں بلکہ ان کے نقشے بھی بنائے، بڑے بڑے ستاروں کے عربی نام رکھے جو اب تک قائم ہیں، انھوں نے سطح زمین کے ایک درجہ کی پیمائش کر کے اس کی جسامت دریافت کی، طریق الشمس کا اعوجاج معلوم کیا، آفتاب و ماہتاب کی صحیح میزانیں شائع کیں، سال کی مدت مقرر کی، استقبال اعتدالین کی تصدیق کی، لپیلیس نے البتانی کے رسالہ علم الکواکب کا ذکر ادب و احترام سے کیا ہے اور مشہور ہیئت داں ابن یونس کی عالمانہ تصنیف زیج ابن یونس کے بعض بچے کچھ اجزا کا بھی حوالہ دیا ہے، جس میں منصور عباسی کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک کے مختلف فلکی مشاہدات مثلاً کسوف و خسوف، نقاط، اعتدال، لیل و نہار، نقاط انقلاب صغی و شتوی، قران سیارگان اور احتجاب کواکب کے نتائج درج ہیں، ان رصدی نتائج نے نظام عالم کے بڑے بڑے تغیرات پر بہت کچھ روشنی ڈالی ہے، اس کے علاوہ عرب کے ہیئت دانوں نے ہیئت کے آلات کی ترکیب و تکمیل پر بھی بہت سا وقت صرف کیا، وقت کا اندازہ لگانے کے لیے مختلف قسم کی پانی اور دھوپ کی گھڑیاں ایجاد کیں اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے سب سے پہلے ”پنڈولم“ ان ہی نے ایجاد کیا۔

عملی علوم میں جن کا دار و مدار تجربہ پر ہے، ان میں علم کیمیا کی ایجاد کا سہرا انہی کے سر ہے، انھوں نے اس فن کے بعض اہم معیار دریافت کیے، مثلاً گندھک کا تیزاب، شورے کا تیزاب الکحل وغیرہ اس فن سے انھوں نے طب میں بھی کام لیا اور سب سے اول مفرد و مرکب دواؤں کی قرابانین مرتب کیں اور ان میں معدنی نسخے بھی شامل کیے، علم جرثقیل میں انھوں نے گرتے ہوئے اجسام کے قوانین دریافت کیے، قوت کشش کی ماہیت سے بھی وہ ناواقف نہ تھے، اس کا ان کو پورا علم تھا، علم توازن مایعات میں انھوں نے جو ترقی

کی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اجسام کے مخصوص اوزان کی میزانیں مرتب کر کے پانی میں اجسام کے ڈوبنے اور تیرنے کے مسائل پر مبسوط بحثیں کیں، فن مناظر و مرایا میں انھوں نے یونانیوں کی اس غلط فہمی کی اصلاح کی کہ شعاع نور آنکھ سے نکل کر مرئی شے پر پڑتی ہے، جس سے وہ شے دکھائی دیتی ہے، اس کے بجائے انھوں نے بتایا کہ شعاع نور مرئی شے سے نکل کر آنکھ میں داخل ہوتی ہے، روشنی کے انعکاس و انعطف کی ماہیت کا ان کو پورا علم تھا، ابن حوم کی یہ تحقیقات ہے کہ شعاع نور فضا کو قوس کی شکل میں قطع کرتی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ہم آفتاب و ماہتاب کو طلوع و غروب کے قبل بھی دیکھتے ہیں، اس علمی مستعدی کا اثر اس ترقی میں صاف نظر آتا ہے، جو صنعت و حرفت کے فنون میں ہوئی، فن فلاح کے طریقے پہلے سے بہتر ہو گئے، کھاد کا استعمال ہنرمندی کے ساتھ کیا جانے لگا، مویشیوں کی افزائش نسل کے بارہ میں قیمتی نکتے معلوم ہوئے، دیہی قوانین کا ضابطہ کاشتکاروں اور مزارعین کے حقوق کے اعتبار سے بہت زیادہ مکمل ہو گیا، جن کھیتوں میں کاشت نہیں ہوتی تھی، ان میں لہلہاتی فصلیں نظر آنے لگی، جہاں اکیہ اور قہوہ کا نام و نشان نہ تھا وہاں ان کی بکثرت پیداوار ہونے لگی، سلطنت میں جا بجا ریشم، روئی اور اون کے کپڑوں کے کارخانے قائم ہو گئے، قرطبہ اور مراکو میں چرم سازی اور کاغذ سازی ہونے لگی، کانوں میں کام ہونے لگا، مختلف دھاتیں نکلنے اور ڈھلنے لگیں، ٹالیڈو میں ایسی ایسی فولادی تلواریں بننے لگیں جن کا لوہا ایک دنیا مان گئی۔

آخر میں ڈریپر لکھتا ہے کہ بعض دفعہ ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ جب ہماری نگاہ ایسی چیزوں پر پڑتی ہے جن کی نسبت ہم فخر سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے موجد ہونے کا شرف ہم کو حاصل ہے۔ (۱)

جوئیہ کا اعتراف: جوئیہ لکھتا ہے کہ عربوں نے جو ایجادات کیں وہ اپنے زمانہ کے لحاظ سے بہت قیمتی تھیں، انھوں نے برف بنانے کا طریقہ بہت پہلے معلوم کر لیا تھا، جس سے

(۱) تلخیص از ترجمہ مذہب و سائنس از صفحہ ۱۶ تا ۱۷

یورپ کو سولہویں صدی کے نصف اول میں واقفیت ہوئی، عربوں نے روئی سے بنایا ہوا ستا کاغذ یورپ پہنچایا، اس سے پہلے وہ لوگ 'بردی' پر لکھتے تھے، جو بہت گراں ہوتا تھا، جس زمانے میں مشرقی یورپ مشرق کے قریب کے ملکوں سے کاغذ خریداجاتا تھا جیسا کہ دمشق کے کاغذ کے یورپین نام 'شاد تاداماسینا' سے ظاہر ہوتا ہے، اس زمانہ میں شاطبہ (اندلس) کے کاغذ سازی کے کارخانے مغربی یورپ کو کاغذ سپلائی کرتے تھے، سب سے پہلے ۱۶۰۰ھ میں سمرقند و بخارا میں ریشم سے کاغذ تیار کیا گیا، اس کے بعد ۱۷۰۶ھ میں یوسف بن عمرو نے ریشم کے بجائے روئی سے کاغذ بنانا شروع کیا، دمشق کاغذ بھی روئی کا ہوتا تھا، اس کا یونانیوں نے ذکر کیا ہے۔

عربوں نے ہم کو فن کتابت، بارود سازی اور قطب نما بنانے کی صنعتیں سکھائیں اگر ہماری پشت پر عربی تہذیب کی یہ یادگاریں نہ ہوتیں تو آج ہماری ترقی کا یہ درجہ نہ ہوتا، عرب آلہ الظل (سایہ سے وقت کی شناخت کا آلہ) اور مدور اور پہل دار آتش شیشہ کے اصول سے بھی واقف تھے، آلات سازی میں بھی انھوں نے بڑی ترقی کی تھی، چنانچہ ہارون رشید نے جب ایک گھڑی شارلیمان کو بھیجی تو سد یو کے بیان کے مطابق اس کے اہل دربار اس کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے اور اس کے کل پر زہن کی ترکیب کو نہ پہچان سکے۔

عباسیوں کے زمانہ میں فن زراعت و باغبانی کو بڑی اہمیت حاصل تھی، عربوں نے ایران و ماژندران کے پھلوں کے خواص ظاہر کیے اور مختلف فنون خصوصاً فن نباتات کو نئے نئے معلومات سے معمور کر دیا تھا، مشروبات، روغنیات، مرہم الکحل، لعوق، سنائے مکی راوند، خیارشنبر اور جواز القی، بہت سی دواؤں کا پتہ چلایا، صرع کے مرض میں وہ فٹیلہ اور کچھنے کے ذریعہ علاج پر زیادہ اعتماد رکھتے تھے، مزمن بخار میں ٹھنڈا پانی استعمال کراتے تھے، ان کے سرجنوں نے سنگ مثانہ نکالنے اور آنکھ قدح کرنے کے ایسے آلات ایجاد کیے تھے جن کے ذریعے پتھری توڑ کر نکال دیتے تھے اور حریم عدسی شفاف (آنکھ کا وہ منجمد اور ناقص مادہ جو موتیا بند وغیرہ میں پیدا ہو جاتا ہے) کو آسانی سے نکال لیتے تھے۔

تاریخ عام میں ہے کہ اگرچہ اس مجدد و شرف سے جو عربی طب کو حاصل ہے، یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس میں ان کے نظریات بہت دقیق تھے، تاہم اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ان کے مشاہدات عاقلانہ اور تجربات ماہرانہ تھے اور عرب اطبا کو اس فن میں بڑی عملی مہارت حاصل تھی، جدید کیمیا کی بنیاد سب سے پہلے زکریا رازی اور ابن جابر اندلسی نے رکھی، انھوں نے حیات بخش اور اعادہ شباب کرنے والی اکسیر کو دریافت کرنے کی کوشش کی، وہ حجر الفلاسفہ سے بھی واقف تھے، جو دوسری دھاتوں کو سونے میں تبدیل کر دیتا ہے اور ان کے یہ مباحث محض خیالی نہیں بلکہ عملی تھے کیوں کہ وہ تقطیر، تصعید، تجمید اور حل (۱) سے پوری طرح واقف تھے، انھوں نے شکر اور گاڑھے نشہ آور مواد سے الکحل بنایا۔

عربوں نے بابل، شام اور مصر سے زراعت کے جو طریقے سیکھے، ان کو ترقی دے کر مستقل فن بنادیا، انھوں نے اس کے نظریات قدیم کتابوں سے حاصل کیے مگر اپنی تحقیقات اور تجربوں سے اس میں بڑا اضافہ کیا اور عملاً اس کو بڑی مہارت کے ساتھ کام میں لائے، ایران، اندلس اور افریقہ میں عربوں نے معدنیات سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، چنانچہ اندلس کے عرب وہاں کی کانوں سے پارہ، توتیا، لوہا، سیسہ، چاندی اور سونا نکالتے تھے، اسی طرح سسلی کے ہر قسم کے معدنیات وہاں کے مسلمان نکالتے تھے، جن میں سونا چاندی بھی تھا، خراسان کی کانوں سے لوہا اور کرمان سے سیسہ اور رانگانا نکالتے تھے، انھوں نے چینی کے برتن بنانے کی مٹی طور لیس کا سنگ مرمر، اندرانی نمک اور گندھک وغیرہ کو بھی نکالا۔ (۲)

سینوبوس کی شہادت: چارلس سینوبوس لکھتا ہے کہ جبر و مقابلہ کی پہلی کتاب عرب علما نے لکھی اور ان کے علمائے جغرافیہ نے ان دور دراز ملکوں کے حالات تحریر کیے، جن میں ان کے قافلے آتے جاتے تھے اور طب یونانی سے تجربی یعنی جڑی بوٹیوں اور حبوب کی طب

(۱) کسی چیز کو مقطر کرنا، کسی مادہ کو آگ سے اڑا دینا، رقیق مادہ کو جمانا اور تحلیل کرنا

(۲) الاسلام والحضارة العربیہ کرد علی جلد اول ص ۲۱۵-۲۱۶

پیدا کی، ان کو سب سے زیادہ علم کیمیا سے دلچسپی تھی، ریسن کا بیان ہے کہ اتنی جلد دنیا میں عربوں کی حکومت کی توسیع کے ساتھ ساتھ ان کے تمدن کے پھیلاؤ اور اس کی اشاعت سے ان کی تہذیب کی رفعت اور برتری کا اندازہ ہوتا ہے، یہ روشن اور درخشاں تہذیب قرون وسطیٰ کی بیزنطینی اور ایرانی تہذیب سے بلی جلی تھی، یہ تمدنی امتزاج تجارت سے عربوں کے عشق اور نوآبادیوں کے قیام سے پیدا ہوا، وہ اپنی غیر معمولی ذہانت و ذکاوت، اشیاء سے حصول واقفیت اور تلاش و تحقیق کے فطری شوق کی بنا پر علوم طبعی اور ریاضی کی گہرائیوں میں اتر جاتے تھے، اس ذوق جستجو کی بنا پر انھوں نے کیمیا کا فن ایجاد اور اس میں کمال حاصل کیا اور ان علوم سے انھوں نے طب، زراعت اور صنعت و حرفت میں فائدہ اٹھایا، عربی رقوم کی ایجاد، فن ہندسہ کی تدوین و تکمیل، فلکیات میں ان کے کارناموں، رات و دن کی تعدیل اور آفتاب کے برجوں کے بارہ میں ان کی تحقیقات دوسری قوموں پر ان کا بڑا احسان ہے، انھوں نے اصطربلاب وغیرہ عجیب و غریب فلکی آلات بنائے، ان کے علمائے کیمیا اور طبیبوں نے الکحل نوشادر، گندھک اور تیزاب کے ترشوں اور پانی کے خواص کی تحقیقات کی اور اپنی دواؤں میں کافور، راوند اور سنائے مکی وغیرہ اپنے ملک کی بہت سی جڑی بوٹیاں شامل کیں، انھوں نے اپنے جنگی کارناموں اپنے نامور بہادروں کے حالات کی تحریر، اپنے اشعار کی روایت اور فلسفہ، تاریخ اور علم الاجتماع کی تدوین میں سب قوموں سے پہلے سبقت کی، سب سے پہلے انہی نے ثابت کیا کہ کروی مثلث میں اضلاع کے جیب ان کے زاویوں کے مناسب ہوتے ہیں، وہ گندھک کے تیزاب سے واقف تھے، اس کو انھوں نے پھٹکری سے عطر کیا، چاندی اور رانگے کے پانی اور سونے کے سیال کرنے کے طریقے، نوشادر کے نمک اور سنگ کی اور سنگ سلیمانی سے بھی واقفیت رکھتے تھے، انھوں نے جو اکتشافات کیے تھے، ان سے وہ طب، صنعت و حرفت اور لڑائیوں میں فائدہ اٹھاتے تھے، وہ عمارتوں میں پتھروں کے جوڑنے کا مسالہ بنانے سے بھی واقف تھے، اس کاراز انھوں نے رومیوں سے حاصل کیا تھا انھوں نے غالباً چینیوں سے بھی پہلے توپ کی بارود بنائی تھی اور اہل یورپ سے تو یقیناً پہلے

بنائی تھی، عرب فوجیں اس کو تیرہویں صدی میں استعمال کرتی تھیں، وہ ابتدا سے زمین کے کروی ہونے کے قائل تھے، انھوں نے کاشانی پردوں کی صنعت کی طرف خاص توجہ کی، اس کے بنانے کے طریقوں اور اس کی شکلوں میں بڑی ترقی دی، قرون وسطیٰ میں ان کے بنائے ہوئے شیشے کے ظروف اور قدیلیں بہت مشہور تھیں اور یہ صنعت اور ان کی مصنوعات شام سے وینس کے کارخانوں میں گئیں، انھوں نے انہی کے نمونہ پر اپنے یہاں یہ چیزیں تیار کیں، اہل وینس نے آئینہ بنانا بھی انہی سے سیکھا، جو صور میں بنایا جاتا تھا، اسی طریقہ سے خنجر سازی اور پارچہ بانی کی بعض صنعتیں شام و عراق سے اندلس گئیں، چنانچہ ایک کپڑا دمشق کی نسبت سے 'دمقس' اور ایک موصل کی نسبت سے 'موصلین' کہلاتا تھا، پھر یہ ساری صنعتیں یورپ میں پھیل گئیں۔

ایک مدت تک یورپ میں فلکی، ریاضی اور طبعی فنون عربوں کی تصانیف سے حاصل کیے جاتے تھے، ساتویں صدی کے بعد تک بحر متوسط کی سیادت عربوں کو حاصل تھی، اس لیے انھوں نے اطالویوں اور فرانسیسیوں کو بہت سے عربی الفاظ دیئے، اہل فرانس کی طب کی بنیاد ہی عربی طب پر تھی، اس کے ذریعے انھوں نے بہت سے عربی الفاظ اختیار کیے، عرب سات صدیوں تک فرانس اور اٹلی میں اندلس سے مختلف علوم و فنون پہنچاتے رہے اور اہل یورپ نے علوم طبعی و ریاضی، فلکیات، کیمیا وغیرہ بہت سے علوم عرب علما اور ان عربی کتابوں سے سیکھے، جن کی اصل ضائع ہو چکی تھی اور صرف ان کے لاطینی ترجمے باقی رہ گئے تھے اور طبعی علوم تو تمام تر عربوں سے حاصل کیے، سترہویں صدی تک ان کا دار و مدار تمام تر انہی پر تھا۔ (۱)

ایک دوسرے مقام پر سینوبوس لکھتا ہے کہ عربوں کے ذریعہ جو چیزیں یورپ گئیں ان کی تفصیل بہت طویل ہے، نباتات میں گیہوں، مارگیاہ، انگور، کتان، شہتوت، زعفران، چاول، کھجور کے درخت، لیموں، نارنگی، کافی، روئی، نیشکر، زینت و آرائش کے

(۱) الاسلام والحضارة العربیة ج ۱ ص ۲۱۹ تا ۲۲۱ بحوالہ تاریخ تمدن چارلس سینوبوس

سامانوں میں دمشق کے موٹے کپڑے، مدبغ کھالیں، زربفت، شاش موصلی باریک سادہ اور پھولدار کپڑے، مخمل اور نفرتی سامان، شکر، مٹھائیوں اور مشروبات کے بنانے کے طریقے علم و فن میں جبر و مقابلہ، حساب و مثلثات، کیمیا اور عربی رقم (اس کو مسلمانوں نے ہندوستان سے لیا تھا) وغیرہ ہمارے بہت سے علوم کے مبادیات عربوں کے ذریعہ آئے، انھوں نے مشرق کی دنیائے قدیم یونان، ایران، ہندوستان اور چین وغیرہ کے علوم و ایجادات کو نقل کر کے جمع کر دیا اور ان کو ہم تک پہنچایا، ہماری زبان میں بہت سے الفاظ داخل کیے جو آج بھی اپنی اصل کے شاہد ہیں، عربوں ہی کے ذریعہ مغربی دنیا جو وحشت و بربریت میں مبتلا تھی، تہذیب و تمدن سے آشنا ہوئی، اگر ہمارے افکار اور ہماری صنعتوں کو قدیم سے کوئی تعلق ہے تو وہ تمام ایجادات و اختراعات جو زندگی کو آسان اور لطیف بناتی ہیں سب عربوں ہی کے ذریعے ہمارے یہاں آئیں۔ (۱)

یہی مصنف لکھتا ہے کہ عرب اعرا نے نہروں کے ذریعے آب پاشی کا طریقہ اختیار کیا اور بڑے بڑے کنوئیں کھدوائے، جن لوگوں نے پانی کے نئے منابع کا پتہ چلایا ان کو انعامات دئے اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے قطعات زمین میں پانی کی تقسیم کی اصطلاحات وضع کیں، اندلس میں آب پاشی کے لیے بڑی بڑی نہریں بنوائیں اور ان سے چھوٹی چھوٹی شاخیں نکالیں، اس کی بدولت بلینسہ کا اوسر میدانی علاقہ گلزار بن گیا، انھوں نے نہر کا مستقل محکمہ قائم کیا جس سے نہروں اور آب پاشی کے متعلق ہر قسم کے معلومات حاصل کیے جاسکتے تھے، ولیم ویلکاس کا جو اس زمانہ میں نظام آب پاشی کا سب سے بڑا انجینیر ہے بیان ہے کہ گزشتہ زمانہ میں عراق میں سیرابی کے لیے خلفانے جو طریقے اختیار کیے تھے وہ اس زمانہ کے صوبہ جات متحدہ امریکہ اور آسٹریلیا کے سیرابی کے طریقوں کے مشابہ ہیں۔

رہین کی شہادت: رہین لکھتا ہے کہ تجارت کے میدان میں عرب سب قوموں سے بازی لے گئے، انھوں نے بحری صنعتوں اور پیشوں کو بڑی ترقی دی، حقوق جہاز رانی کے

قوانین بنائے، بحری قطب نما کے استعمال کا طریقہ چینیوں سے حاصل کر کے رائج کیا، تجارت کو بک کیپنگ کے ذریعہ نہایت منظم کر دیا، کفالہ کی شرح اور ضرورت مندوں کے لیے بینک قائم کیے اور بل آف ایجنج کا طریقہ وضع کیا، اس سے جدید یورپ کے لیے بینکنگ سسٹم کا راستہ ہموار ہوا، وہ جہاں قیام کرتے تھے راستوں کو درست کرتے، کشتیوں کے ٹھہرنے کے گھاٹ اور جہاز کے لیے گودیاں بناتے، سرائیں اور خانقاہیں بنا کر قافلوں کے سفر کا نظام قائم کرتے، جس سے اسلامی شہر تجارت کے بڑے مرکز بن گئے۔

اس کے بعد ریسن لکھتا ہے کہ اگر ان باتوں پر تم کو تعجب ہوتا ہے تو اس سے زیادہ تعجب اس پر کرنا چاہیے کہ عربوں کے مسلسل سفروں کی وجہ سے ان میں کیسے کیسے جغرافیہ داں اور اس کے ساتھ پیدا ہوئے، جنہوں نے بطلموس کی کتاب کی درستی و اصلاح کی اور ایسے ایسے خطے اور نئے نئے ملک دریافت کیے جہاں ان سے پہلے کسی کا قدم نہیں پہنچا تھا اور ان کے نقشے بنا کر اہل یورپ کے لیے سیروساحت کا راستہ کھول دیا۔ (۱)

موسیو تاتان کا اعتراف: موسیو تاتان اپنی کتاب جنرل ہسٹری آف سائنس میں عربوں کے علمی کارناموں پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ہم نے عربوں کی سائنس کے بارہ میں جو کچھ کہا ہے اس سے یہ اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ یہ خیال کہ عرب صرف قدما کے افکار کو متاخرین تک منتقل کرنے والے تھے، حقیقت سے بہت دور ہے، انہوں نے دنیا میں علمی ذوق کو نئے سرے سے بیدار کیا اور یونانیوں کے نظریات کو عملی تجربہ کے کسوٹی پر کسا، ان کی اس ایجنج کا جو انہوں نے سائنس کے عملی استعمال میں دکھائی، یہ نتیجہ تھا کہ وہ رصد، جرنیل اور علم کیمیا کے حیرت انگیز آلات کے موجد ہوئے، انہوں نے تاریخ میں پہلی بار اسپتال قائم کیے، جن میں وہ نہ صرف مریضوں کا علاج کرتے تھے بلکہ طبیبوں کی ٹریننگ اور تحقیقات کا کام بھی انجام دیتے تھے۔

علم و حکمت کی وہ شمع جسے مغرب میں وحشی قبائل نے گل کر دی تھی، بحر روم کے

(۱) الاسلام والمجہارۃ العربیہ ج ۱ ص ۲۱۹ بحوالہ العرب والتجارۃ ریسن

کنارے بسنے والی ایک اور قوم (عرب) نے روشن رکھی جس کے فرزند شب و روز اسی دھن میں رہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے جلوے ہر شان اور ہر رنگ میں دیکھیں اور اس کی عظمت و قدرت کے گیت گائیں۔ (۱)

یہ صرف چند شہادتیں ہیں، یورپین فضلا و محققین نے مسلمانوں کے علمی و تمدنی کارناموں پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے بعض اہم کتابوں مثلاً موسیو گستاوی بان کی تمدن عرب، موسیو سدنیو کی تاریخ ادب اور مسٹر اس پی اسکاٹ کی ہسٹری آف دی مورس امپائر ان یورپ کا اخبار الاندلس کے نام سے اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے، ان کتابوں میں مسلمانوں کے تمدنی کارناموں، ان کے ایجادات و اکتشافات اور مشرق و مغرب خصوصاً یورپ میں اس کے اثرات اور ان پر مسلمانوں کے علمی احسانات کو بڑی تفصیل کے ساتھ دکھایا گیا ہے، تمدن عرب کے مندرجہ ذیل ابواب سے اس کا اندازہ ہوگا۔

باب اول عربوں کے علوم کے ماخذ اور ان کے اصول تعلیم و تحقیق، باب دوم عربوں کا فلسفہ اور ادب، باب سوم علوم و ریاضی و ہیئت، باب چہارم عربوں کا علم جغرافیہ اور اس میں ان کی تحقیقات و ترقیاں، باب پنجم طبعیات اور اس کا استعمال، طبعیات، جرثقیل اور علم کیمیا میں ان کی تحقیقات و اکتشافات، باب ششم علم حیوانات، نباتات، معدنیات اور طبی علوم میں ان کی تحقیقات و ترقی، باب ہفتم مصوری، سنگ تراشی اور صنعتی علوم عربوں کی صنایعوں کے ماخذ اور اس کی تاریخی وقعت، باب ہشتم عربوں کا فن تعمیر اس کی تعمیری خصوصیات اور اس کی عمارتوں کا موازنہ، باب نہم عربوں کی تجارت اور مختلف قوموں سے ان کے تجارتی تعلقات، باب دہم یورپ میں عربوں کے تمدن کی اشاعت اور مشرق و مغرب میں اس کے اثرات۔

مشرق و مغرب پر عربوں کے علمی و تمدنی اثرات: ہم دسویں باب کا مختصر خلاصہ یہاں نقل کرتے ہیں، اس سے ایشیا و یورپ پر مسلمانوں کے علمی و تمدنی احسانات کا اندازہ ہوگا، لیبان لکھتا ہے۔

(۱) جنرل ہسٹری آف دی سائنس موسیو تانان

مشرقی ملکوں پر بہت سی قوموں نے تسلط و اقتدار حاصل کیا، ایران، یونان اور روم نے مختلف زمانوں میں ان پر حکومت کی مگر ان ملکوں پر ان کا تہذیبی اثر بہت کم پڑا، ان میں وہ نہ اپنا مذہب پھیلا سکے، نہ اپنی زبان اور اپنے علوم اور صنعت کو فروغ دے سکے، مصر بطلیموسیوں اور رومیوں کے زمانہ میں نہ صرف اپنے مذہب پر قائم رہا بلکہ خود فاتحین نے مفتوحہ قوموں کا مذہب اور طرز تعمیر اختیار کر لیا، چنانچہ ان دونوں خاندانوں نے جو عمارتیں تعمیر کیں، وہ فراعنہ کے طرز کی تھیں۔

لیکن جو مقصد یونانی، ایرانی اور رومی مصر میں حاصل نہ کر سکے وہ عربوں نے بہت جلد اور بغیر کسی جبر و اکراہ کے حاصل کر لیا، مصر جس کے لیے کسی غیر قوم کے خیالات کا قبول کرنا بہت دشوار تھا، اس نے ایک صدی کے اندر اپنے سات ہزار برس کے پرانے تمدن کو چھوڑ کر ایک نیا مذہب اور ایک نئی زبان اختیار کر لی جو انقلابات کے باوجود اب تک قائم ہے۔

عربوں سے پہلے مصریوں نے ایک ہی مرتبہ اپنا مذہب بدلاتھا اور قسطنطنیہ کے شاہنشاہوں کے جبر و تشدد سے مجبور ہو کر عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا، مگر دل سے اس کو قبول نہیں کیا تھا اسی لیے مسلمانوں کے دور میں انھوں نے بہت جلد اسلام قبول کر لیا جو اب تک قائم ہے، یہی اثر انھوں نے افریقہ کے ملکوں اور شام و ایران پر بھی ڈالا، ان سب میں تیزی کے ساتھ اسلام پھیل گیا بلکہ جن ملکوں سے وہ گزر گئے مثلاً چین تک میں جہاں ان کی حکومت کبھی قائم نہیں ہوئی اور عرب محض تاجر کی حیثیت سے آتے جاتے تھے اسلام پھیل گیا۔ (۱)

تاریخ عالم میں مفتوح قوموں پر کسی فاتح قوم کے اثرات کی ایسی مثال نہیں ملتی، ان تمام قوموں نے جن کا عربوں سے صرف چند ہی دنوں کے لیے واسطہ رہا ان کا تمدن قبول کر لیا بلکہ بعض فاتح قوموں تک نے مثلاً ترک اور مغل وغیرہ جنھوں نے مسلمانوں کو مفتوح کرنے کے بعد نہ صرف ان کا مذہب اور تمدن اختیار کر لیا بلکہ اس کے بہت بڑے حامی و مبلغ بن گئے، اقبال نے اس شعر میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۱) یہی حال انڈونیشیا کا ہے۔

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے اور آج بھی جبکہ صدیوں سے عربی تمدن کی روح مرچکی ہے، بحر اٹلانٹک سے لے کر دریائے سندھ تک اور بحر متوسط سے لے کر افریقہ کے ریگستان تک ایک مذہب اور ایک زبان جاری ہے اور وہ پیغمبر اسلام کا مذہب اور ان کی زبان ہے۔

مشرقی ملکوں میں عربوں کا تسلط محض مذہب، زبان اور صنعت و حرفت تک محدود نہیں رہا بلکہ انھوں نے ان ملکوں مثلاً ہندوستان اور چین میں علوم و فنون کی بھی اشاعت کی، عربوں کی علمی فوقیت ہندوؤں پر مسلم ہے، البتہ ان کے معلومات اور بعض مذہبی استدالات عربوں کے معقولات سے کم نہیں ہیں، اسی طرح اسلام کے روزمرہ کے خیالات اور سادہ فلسفہ کا جو تمام سامی مذاہب کی خصوصیت ہے، ہندوؤں کے دقیق خیالات سے مقابلہ نہ کرنا چاہیے۔ (۱)

چینیوں نے عربوں سے ہندوؤں کے مقابلہ میں زیادہ اخذ و استفادہ کیا (۲) مغلوں کی فوج کشی کے ساتھ ہی عربی علوم چین پہنچ گئے تھے، چین کے مشہور ہیئت داں کوشونگ نے ۱۲۸۰ء میں ابن یونس کی ہیئت کی کتاب چین میں شائع کی، عربی طب ۱۲۱۵ء میں قبلائی خاں کی فوج کشی کے زمانہ میں چین میں جاری ہوئی، مشرقی قوموں پر عربوں کا یہ علمی تسلط اس زمانہ تک قائم ہے، چنانچہ آج بھی ایرانی عربی تصانیف ہی کے ذریعہ علم حاصل کرتے ہیں اور ایران میں عربی زبان کی وہی حیثیت ہے جو قرون وسطیٰ میں یورپ میں لاطینی کی تھی۔

مشرقی ملکوں پر عربوں کے علمی و تمدنی اثرات دکھانے کے بعد مغربی ملکوں پر ان

(۱) اسلام ایک سادہ اور عملی مذہب ہے، اس لیے اس کی تعلیمات میں ایسے پیچیدہ اور دوراز کار خیالات نہیں پائے جاتے جن کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو۔ (۲) مصنف کا یہ بیان صحیح نہیں ہے، ہندوستان نے عربوں یا مسلمانوں سے چینیوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ استفادہ کیا، ہندوستان میں صدیوں تک مسلمانوں کی حکومت رہی اور چین میں کبھی نہیں رہی۔

کے اثرات کے بارہ میں لکھتا ہے۔

مغربی ملکوں پر بھی عربوں کا اتنا ہی اثر ہوا جس قدر مشرقی ملکوں پر ہوا، اسی کی بدولت مغرب نے تہذیب سیکھی، صرف اتنا فرق ہے کہ مشرق میں عربوں کا اثر مذہب، زبان، علوم و فنون اور صنعت و حرفت سب پر پڑا اور مغرب پر مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑا، صنعت و حرفت پر نسبتاً کم اور علوم و فنون پر بہت زیادہ پڑا، نویں اور دسویں صدی عیسوی میں جب اندلس میں عربوں کا تمدن اور جوش شباب پر تھا، اس وقت ہمارے علمی مرکز بے ڈھنگے قید خانے تھے، جہاں امرائیم وحشی حالت میں رہتے اور اس پر فخر کرتے تھے کہ ان کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا، عیسائیوں میں سب سے بڑے عالم وہ جاہل راہب تھے جو خانقاہوں کے کتب خانوں کی یونان و روم کی چرم اوراق کی کتابوں کی تحریروں کو مٹا کر ان پر اپنی مہمل تصانیف لکھتے تھے۔

ایک زمانہ تک اہل یورپ ایسی وحشیانہ جہالت میں مبتلا تھے کہ ان کو خود اس کا احساس نہ تھا، گیارہویں صدی اور زیادہ تر بارہویں صدی سے ان میں کسی قدر علمی احساس پیدا ہوا، اس وقت چند روشن خیال اشخاص نے عربوں کی جانب جن کو اس زمانہ میں استادوں کا درجہ حاصل تھا رجوع کیا۔

یورپ میں عربی علوم جنگ صلیبی کے ذریعہ نہیں بلکہ اندلس، سسلی اور اٹلی کے ذریعے پہونچے اور ۱۱۳۰ء میں طلیطلہ کے رئیس الاساقفہ ریمانڈ کی سرپرستی میں مترجمین کا ایک ادارہ قائم ہوا، جس نے مختلف فنون کی مشہور عربی تصانیف کا لاطینی میں ترجمہ کیا، ان ترجموں سے یورپ کی آنکھوں کو ایک نئی دنیا نظر آنے لگی، چودہویں صدی تک اس ترجمہ کا سلسلہ جاری رہا اور نہ صرف رازی، ابن سینا اور ابن رشد وغیرہ کی تصانیف بلکہ یونانی حکماء و فلاسفہ جالینوس، ہپو، قراطیس، افلاطون، ارسطو، اقلیدس، بطلمیوس وغیرہ کی تصانیف کے عربی تراجم سے ان کا لاطینی میں ترجمہ کیا گیا، ڈاکٹر لکرک نے اپنی تاریخ میں تین سو سے زیادہ عربی تصانیف کے لاطینی ترجموں کا ذکر کیا ہے، قرون وسطیٰ میں اہل مغرب کو یونانی تصانیف

کا علم ان کے عربی تراجم ہی کے ذریعہ ہوا اور انہی کے ذریعہ وہ کتابیں ہم تک پہنچیں، جن کی اصل ضائع ہو چکی تھی مثلاً ایپولونس کی کتاب الحروف طات جالینوس کی کتاب امراض متعدیہ اور ارسطو کی کتاب الاحجار وغیرہ اس لیے دنیا کو عربوں کا ممنون ہونا چاہیے کہ انھوں نے اس بیش بہا ذخیرہ کو تلف ہونے سے بچالیا، موسیو برنی لکھتے ہیں کہ اگر عربوں کا نام تاریخ سے نکال دیا جاتا تو یورپ کی علمی نشاۃ ثانیہ کئی صدی پیچھے ہٹ جاتی۔

دسویں صدی میں اندلس میں عربوں کے قیام کی بدولت کم سے کم یورپ کے ایک گوشہ میں علم و ادب کا چرچا باقی رہا جو اس کے ہر حصہ حتیٰ کہ قسطنطنیہ سے بھی ختم ہو چکا تھا، اس زمانہ میں اسلامی مشرق و مغرب اور عربی اندلس کے سوا کوئی مقام ایسا نہ تھا جہاں علم حاصل کیا جاسکتا۔

یورپ کے وہ معدودے چند لوگ جنہیں علم کا شوق ہوتا تھا انہی مقامات پر تحصیل علم کے لیے جاتے تھے، دسویں صدی تک اہل یورپ کی یہ حالت تھی کہ ایک شخص گربٹ نے جو ۹۹۹ء میں سلوسٹر دوم کے نام سے پوپ بن گیا تھا تحصیل علم کی تھی، مگر جب اس نے یورپ میں اس کی اشاعت کرنا چاہی تو اس پر شیطان کے مسلط ہونے کا الزام لگایا گیا۔

پندرہویں صدی تک علمی کاموں میں کسی ایسے مصنف کا حوالہ نہیں دیا جاتا تھا جس نے عربوں سے نقل نہ کیا ہو، راجر بیکن، پیسیا کاپووناڈ، دیل نوکا آرنو، سینٹ ٹامس، البرٹ بزرگ، الفانسو دہم یا عربوں کے شاگرد تھے یا انھوں نے ان کی تصانیف سے فائدہ اٹھایا، موسیو رینان لکھتے ہیں کہ البرٹ بزرگ نے جو کچھ پایا ابن سینا سے پایا اور سینٹ ٹامس کا سارا فلسفہ ابن رشد سے ماخوذ ہے۔

کامل پانچ چھ صدیوں تک یورپ کی درسگاہوں کا دار و مدار تمام تر عربی کی ترجمہ شدہ کتابوں خصوصاً ان کی علمی تصانیف پر رہا، طب میں عربوں کا تسلط ہمارے زمانہ تک قائم رہا، چنانچہ گذشتہ صدی کے آخر تک فرانس میں ابن سینا کی تصانیف کی شرحیں لکھی جاتی تھیں یورپ کی درسگاہوں پر عربی علوم کا اس درجہ تسلط تھا کہ فلسفہ میں بھی جس میں عربوں نے

زیادہ ترقی نہیں کی تھی انہی کی تصانیف پر دارو مدار تھا، تیرہویں صدی کی ابتدا سے ہماری درسگاہوں میں ابن رشد ہی کا فلسفہ رائج تھا، ۱۲۷۳ء میں جب لوئی یازدہم نے نصاب تعلیم مرتب کیا تو حکم دیا کہ فلسفہ میں ابن رشد اور ارسطو کی کتابیں پڑھائی جائیں، اطالیہ کے دارالعلوموں میں خصوصاً پیڈوا میں عربی علوم کا تسلط فرانس سے کم نہ تھا، ان دارالعلوموں میں عربوں کی تصانیف کی وہی وقعت تھی جو نشاۃ ثانیہ کے بعد یونان و روم کی ہو گئی تھی۔ (۱)

اسی تفصیل کے ساتھ موسیوسد یو اور مسٹراس پی اسکاٹ نے مسلمانوں کے علمی

کارناموں کو دکھایا ہے، مسٹراس پی اسکاٹ لکھتے ہیں کہ

”فریڈرک دوم نے مسلمانوں کے علم و فضل کو تمام یورپ میں پھیلایا جو ممالک اس کے زیر نگین نہ تھے ان میں بھی تعلیمی تحریک پیدا ہو گئی، خوش عقیدہ لوگ اس کی آزاد خیالی سے بہت گھبراتے تھے، عرب فلسفیوں اور سیاست دانوں پر جتنا فریڈرک کو اعتماد تھا اور جتنے گہرے تعلقات ان سے تھے اور کسی سے نہ تھے، مانٹ پلئے اور سلرنو کے مدارس ایک دوسرے کے معاصر تھے، اسی کی بدولت وہ یورپ جس پر ظلمت چھائی ہوئی تھی، وہ ابن رشد کے فلسفہ، ابن بیطار کے علم نباتات، ابوالقاسم زہراوی کے علم جراحی، ابن العوام کے علم الفلاحت اور ابن الخطیب کے علم تاریخ سے واقف ہو، وہ اصول جو ایمینڈ اور فریڈرک کے فلسفیوں نے اختراع کیے تھے وہی لارڈ ہوگوناٹ اور پیوری ٹن مذاہب کی بنیاد قرار پائے، دینی و دنیوی آزادی کی وہ برکات جن سے آج مہذب اور روشن خیال دنیا کے باشندے مستفید ہو رہے ہیں وہ عجیب و غریب کلیں جو انسانی محنت و مشقت کو ہلکا، تکلیف کو کم، رسل و رسائل میں آسانی، تجارت کا شوق، مصنوعات

(۱) یہ پورا بیان تمدن عرب کا خلاصہ ہے، دیکھو ص ۵۱۰ تا ۵۱۶

میں ترقی بالجملہ نسل انسانی کی راحت کے تمام سامان مہیا کرتی ہیں،
 بالواسطہ نتیجہ میں ان فلسفیانہ تحقیقات اور سائنٹفک ترقیوں کا جن کے
 محرک صقلیہ کے نارمن بادشاہ شاہ فریڈرک اور فالیان پروینس
 ہوئے، پر حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ بادشاہ باشندگانِ عرب کی قابلیت
 اور تہذیب کو نہ دیکھتے تو ان کے خواب و خیال میں بھی وہ باتیں پیدا
 نہ ہوتیں، اس لحاظ سے یہ تمام برکات جو دنیا و مافیہا میں نظر آتی ہیں،
 وہ سب عربوں کے طفیل میں ہیں۔“ (۱)

رابرٹ برنالت لکھتا ہے کہ

”تمدن اسلام کا اثر یورپ پر سب سے زیادہ فریڈرک
 دوم کے زمانہ میں پڑا، جو ازمنہ وسطیٰ کا سب سے بڑا عیسائی فرمانروا
 تھا، اگر یورپ کے براعظم کو وحشت و جہالت کی گہرائیوں سے نکال
 کر شاہراہ ترقی و تمدن پر لانے کا سہرا کسی کے سر ہے تو وہ فریڈرک
 ہے، اس کے دربار میں مسلمان ماہرین علوم کا اجتماع رہتا تھا، وہ لوگ
 ریاضی اور علم نباتات کے متعلق ضروری معلومات پر بحث کرتے تھے،
 یہ دربار یورپ کے درباروں سے بالکل مختلف تھا، ان کے یہاں
 جہالت اور توہمات کا دور دورہ تھا، فریڈرک نے نیپلز، مسدیا اور پیڈوا
 میں یونیورسٹیاں قائم کیں اور سلرنو میں طبی مدرسہ قائم کیا، جس میں
 مسلمانوں کے طریق علاج کی تعلیم دی جاتی تھی، اس نے یورپ میں
 ریاضی کے معلمین کی ہمت افزائی کی، یہود اور مسلمان علما کو جمع کر
 کے ہر دستیاب ہونے والی عربی کتاب کا ترجمہ کرایا، اپنے ایک
 دوست میکائیل کو قرطبہ بھیج کر ابن رشد کی کتابیں مہیا کیں اور اس

(۱) اخبار الاندلس ج ۳ ص ۵۸-۵۹ و ۱۰۵ و ۱۰۷ ملخصاً

کی نقلیں اپنی سلطنت کے ہر حصہ میں درس و تدریس کے لیے بھیجیں۔“ (۱)

یہ موضوع اتنا وسیع ہے کہ ضخیم کتاب بھی اس کے لیے کافی نہیں ہے، ایک باب میں اس کو سمیٹنا دریا کو کوزے میں بند کرنا ہے، اس لیے اختصار کے باوجود یہ باب طویل ہو گیا ہوگا، اس لیے اس باب کو ہم مسٹراسکاٹ کے اس بیان پر ختم کرتے ہیں۔

خاتمہ: ”یورپ کی تاریخ میں خاندان بنی امیہ کی حکومت کا قیام سب سے بڑا اور اہم واقعہ ہے، حالت جنگ اور صلح میں ان کے شریفانہ افعال ایسے تھے کہ ہر مسلمان خواہ پردہ دنیا کے کسی ملک کا ہو اور ہر عربی النسل اگر ان پر فخر کرے تو بالکل بجا ہے، قابل فخر ہے، ان کا دیر پا خاندان اور ان کے یکے بعد دیگرے با شان و شکوہ روشن دماغ اور قابل فخر بادشاہ، قابل فخر ہیں ان کی فتوحات قابل فخر ہے، ان کی تہذیب جو روم کی شان و شوکت اور تہذیب سے بدرجہا بڑھی ہوئی تھی، جس کی نقل اتارنے میں موجودہ تہذیب بھی کامیاب نہیں ہو سکی ہے قابل فخر ہے، ان کی زرعی خوشحالی قابل فخر ہے، ان کی عمارتوں کی خوبصورتی اور شوکت جو باوجود کھنڈر ہونے کے اب تک دلکش ہیں قابل فخر ہیں، ان کا عظیم الشان دارالخلافہ قابل فخر ہے، ان کا طریقہ تعلیم، ان کا مکمل تعلیمی نظام، ان کے کالج، ان کے مذاکرات علمیہ اور ان کے کتب خانے قابل فخر ہیں، ان کے علما کا علم و فضل، ان کے جراحین، ان کے اطباء، ان کے عالمان نباتات، ان کے عالمان ہیئت، ان کے ریاضی داں قابل فخر ہیں، ان کے فلسفیوں کے نظریے جو باوجود اس کے کہ انسانی رایوں میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے اور لوگوں کے عقاید بھی جدا جدا ہیں تاہم وہ ایک ہزار برس تک من و عن قائم رہے اور زمانہ حال کے روشن دماغ اور روشن خیال لوگ ان کو صحیح مانتے چلے آ رہے ہیں۔“ (۲)

اس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں کہ زمانہ حال کی سائنس ہر چیز میں اہل عرب کے دل و دماغ کی احسان مند ہے، ان کی عالی مرتبت سائنٹفک تحقیقات بمنزلہ طبیعت ثانیہ

(۱) تاریخ ارتقاے انسانی رابرٹ برنالٹ ملخصاً (۲) اخبار الاندلس ج ۳ ص ۵۱

کے تھی، حکومت کے ہر شعبہ میں زندگی کے ہر درجہ میں اور علم کی ہر شاخ میں اسی کا دور دورہ تھا انتہا یہ ہے کہ دین مقدس کی چہار دیواری بھی اس سے محفوظ نہیں رہی، آٹھ سو برس کا مل علم و ادب کی اشاعت اور تجربات و اکتشافات میں انہماک اہل عرب کی درخشندہ خصوصیات اور بادشاہان اسلام کے روشن ترین امتیازات رہے ہیں اور موجودہ تہذیب و تمدن کا وجود انہی کی مساعی شاقہ کا نتیجہ ہے، اس کے باوجود اگر یہ تہذیب و تمدن ان کا شکر گزار نہ ہو تو یہ کوئی قابل تعریف بات نہیں ہے۔ (۱)

ان شہادتوں سے اندازہ ہوگا کہ اسلام صرف دینی، اخلاقی اور روحانی حیثیت ہی سے نہیں بلکہ خالص مادی اور دنیاوی نقطہ نظر سے بھی عالم انسانیت کے لیے سراسر رحمت ہے، جس کے احسانات سے دنیا کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔



حرفے چند بامت عربیہ

لیکن آج مسلمانوں کے زوال اور پستی کا جو حال ہے اس کو دیکھ کر یہ ساری داستان ایک قصہ پارینہ معلوم ہوتی ہے، جو صرف تاریخ کے اوراق کی زینت ہے، حکیم الاسلام علامہ اقبال نے اپنی ایک نظم میں جو عربوں کو مخاطب کر کے کہی تھی، ان کے عروج و زوال اور اس کے اسباب کو بڑے موثر انداز میں دکھلایا ہے، اس لیے ہم اس نظم پر اس داستان کو ختم کرتے ہیں۔ (۱)

اے در و دشت تو باقی تا ابد	نعرۂ لا قیصر و کسریٰ کہ زد
رمزِ الا للہ کرا آموختند ؟	ایں چراغِ اول کجا افروختند
علم و حکمت ریزہ از خوان کیست	آیہ فاجتم اندر شان کیست
از دم سیراب آں امی لقب	لالہ رست از رنگ صحرائے عرب
حریت، پروردہ آغوش اوست	یعنی امروزِ ام از دوش اوست
او دے در پیکرِ آدم نہاد	او نقاب از طلعتِ آدم کشاد
ہر خداوند کہن را او شکست	ہر کہن شاخ از نم او غنچہ پشت
گرمی ہنگامہ بدر و جنین	حیدر و صدیق و فاروق و حسین
سطوت بانگِ صلوٰۃ اندر نبرد	قرآۃ الصّفت اندر نبر
تغی ایوبی نگاہِ بایزید	گنجہائے ہر دو عالم را کلید

(۱) یہ نظم بہت طویل ہے، اس لیے ہم نے اس کے کچھ اشعار جو غیر ضروری تھے، نکال دیے ہیں۔

عقل و دل را مستی از یک جام ے
علم و حکمت شرع و دین نظم امور
حسن عالم سوز الحمراء و تاج
ایں ہمہ یک لحظہ از اوقات اوست
حق ترا براں تر از شمشیر کرد
بانگ تکبیر و صلوٰۃ و حرب و ضرب
اے خوش آں مجذوبی و دل بردگی
کار خود را امتان بروند پیش
اتے بودی امم گر دیدہ
ہر کہ از بند خودی دارست، مرد
آنچہ تو با خویش کردی، کس نکرد
اے ز افسون فرنگی بے خبر
حکمتش ہر قوم را بے چارہ کرد
تا عرب در حلقہ دامنش فاد
عصر خود را بنگر اے صاحب نظر
قوت از جمعیت دین میں
بگزر از دشت و در و کوہ و دمن
عصر حاضر زادہ ایام تست
شارح اسرار او تو بودہ
تا بہ فرزندگی گرفت اور افرنگ
شاہدے گردید بے ناموس و ننگ

اختلاط ذکر و فکر روم و رے
اندرون سینہ دلہا ناصبور
آنکہ از قدوسیاں گیرد خراج
یک تجلی از تجلیات اوست
سارباں را راکب تقدیر کرد
اندراں غوغا کشا و شرق و غرب
آہ ازیں دلگیری و افسردگی
تو ندانی قیمت صحراے خویش
بزم خود را خود زہم پاشیدہ
ہر کہ بابیگاناں پیوست، مرد
روح پاک مصطفیٰ آمد بدرو
فتہما در آستین او نر
وحدت اعرابیاں صد پارہ کرد
آسماں یک دم اماں اور انداد
در بدن باز آفریں روح عمر
دیں ہمہ عزم است و اخلاص و یقین
خیمہ را اندر و جود خوش زن
مستی او ز ے گلفام تست
اولیں معمار او تو بودہ
شاہدے گردید بے ناموس و ننگ

مرد صحرا پختہ تر کن خام را

بر عیار خود بزن ایام را

Deen-e-Rahmat

by

Shah Moinuddin Ahmed Nadvi

Deenul Musannefin Shibli Academy

DEENUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY